بار دہم ۱۰۰۰ کاپیاں ۲۰۰۲ء قیمت مکمل سیٹ ۴ جلد :- 450/-

فہرست

مرثیہ و رباعیات و سلام میر انیس جلد چہارم

باہتمام محمد اسحاق چودھری منیجنگ ڈائرکٹر تیج کمار بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) وارث نول کشور
پریس بک ڈپو لکھنؤ نے اودھ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا

مرثیہ ۱

۱

کیا عشق تھا شبیرؑ سے محبوب خدا کو
اک دم نہ جدا کرتے تھے اس ماہ لقا کو
کیا چاہتے تھے ابن بتولؑ عذرا کو
چھاتی پہ لٹاتے تھے شہ کرب و بلا کو
یہ حال تھا الفت سے رسولؐ عربی کا
رونا نہ گوارا تھا حسینؑ ابن علیؑ کا

۲

خاتون قیامت سے یہ فرماتے تھے اکثر
زہراؑ اسے چھاتی سے جدا کیجیو نہ دم بھر
شبیرؑ کے رونے سے قلق ہوتا ہے دلبر
ٹکڑا ہے کلیجے کا مرے یہ ترا دلبر
بے چین یہ ہوگا تو اذیت مجھے ہوگی
راحت اسے پہونچے گی تو راحت مجھے ہوگی

۳

اے فاطمہؑ یہ عرش الٰہی کا ہے تارا
یہ لال ہے فرزند جگربند ہمارا
پیارا ہے جناب احدی کا ترا پیارا
رنج اس کا محمدؐ کو نہ ہووے گا گوارا
سنتا ہے جو یہ دل مرا کھل جاتا ہے زہراؑ
رونے سے جگر سینے میں ہل جاتا ہے زہراؑ

۴

تب فاطمہؑ کہتی تھیں کہ یا احمدؐ مختار
اس لال سے الفت ہے بہت یا شہ ابرار
ایسا تو کسی کو نہیں حضرت نے کیا پیار
فرماتا تھا اس طرح وہ کونین کا سردار
بیٹا ترا یاور ہے رسولؐ دوسرا کا
پیار اس لئے کرتا ہوں کہ پیارا ہے خدا کا

۵

یہ شمع ہدایت ہے یہ ہے خاصۂ باری
ایذا مرے بعد اس کو بہت دیویں گے ناری
دوزخ سے بچاوے گا یہ امت کو ہماری
بیٹا مرے بعد کام آئے گی دولت یہ تمہاری
کیا کیا کہوں جو مجھ پہ یہ احسان کرے گا
سب گھر مری امت پہ یہ قربان کرے گا

۶

معشوق جسے اپنا کہے ایزد غفار
آخر تو یہ ہونے کا مصیبت میں گرفتار
اس پیارے کو اے فاطمہؑ کیونکر نہ کروں پیار
جیتے جی مرے پہونچے نواسے کو نہ آزار
تم کہتی ہو پیارا ہے بہت پیار یہ کیا ہے
سو بار میں صدقے ہوں جو اس پر تو بجا ہے

۷

الفت سے کبھی فاطمہؑ کی گود سے لے کر
رکھ دیتے تھے شبیرؑ کے لب پر لبِ اطہر
جب ہنستے تھے غنچہ سا دہن کھول کے سرورؑ
جھک جھک کے زباں اپنی چوساتے تھے پیمبرؐ
اس تشنگی پہ بھی جو دہن آپ کا تر تھا
محبوبِ الٰہی کی زباں کا وہ اثر تھا

۸

اسما سے کتابوں میں روایت ہے یہ تحریر
لیتے تھے محمدؐ کی زباں منہ میں جو شبیرؑ
جاری وہیں بس ہوتی تھی جوئے عسل و شیر
لے لے کے مزے پیتا تھا وہ صاحبِ توقیر
کس طرح کہوں نہرِ لبن اس کو زباں سے
وہ شیر تو شیریں تھا کہیں شیرِ جناں سے

۹

گودی میں کبھی اور کبھی زانو پہ بٹھاتے
نیند آئی تو آغوشِ مبارک میں سلاتے
شفقت سے کبھی جھولے کی ڈوری کو ہلاتے
جھولے سے اٹھا کر کبھی کاندھے پہ چڑھاتے
منہ چومتے تھے بوسۂ رُخ لیتے تھے حضرت
انجام کا دھیان آتا تو رو دیتے تھے حضرت

۱۰

بچپن میں تو تھی پرورش اس طرح سے پائی
دن رات زباں اپنی محمدؐ نے چوسائی
اور ماریہ میں پیاس کی تکلیف اٹھائی
پانی کی کمی روز نہ صورت نظر آئی
پھل برچھیوں کے بھوک میں کھانے کیلئے تھے
اور خنجر کیں پیاس بجھانے کے لئے تھے

۱۱

سجدے کے لئے جھکتے تھے جب سیدِؐ ابرار
ہنستے ہوئے تب پیٹھ پہ ہوتے تھے یہ اسوار
جس وقت تلک آپ اترتا نہ وہ دلدار
سجدے سے اٹھاتے نہ تھے سر احمدؐ مختار
جس پر کہ یہ لطف اور عنایت تھی نبیؐ کی
سو پاؤں دھرا شمر نے چھاتی پہ اسی کی

۱۲

اک بار پڑا تھا خطِ ہیکل جو گلے پر
روئے تھے نبیؐ ہو گئی تھی فاطمہؑ مضطر
تھا تنگ گریبانِ قمیصِ تنِ سرورؑ
جلدی سے محمدؐ نے کیا چاک اسے اٹھ کر
اس حلق پہ خنجر جو پھرا ہوگا شقی کا
کیا حال ہوا ہوگا رسولِؐ عربی کا

۱۳

تھے جلوہ نما حجرہ میں اک دن شہِ والا
اک زانو پہ شبیرؑ تھے اک زانو پہ بیٹا
گہ لیتے تھے اُن کے رُخ و حلقوم کا بوسا
اور گاہ براہیمؑ پہ تھی شفقتِ مولا
کس حسن سے وہ زانوؤں پر جلوہ نما تھے
تھے شمسِ ضحیٰ آپ تو وہ بدرِ دجا تھے

۱۴

اس روز نہایت تھے خوشی احمدِ مختار
جو روحِ امیں عرش سے نازل ہوئے یکبار
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ ایزدِ غفار
دونوں نہ ترے پاس رہیں گے ترے دلدار
یا پیارے نواسے کو دو یا لختِ جگر کو
دنیا سے اٹھا لیویں گے ہم ایک پسر کو

۱۵

فرمایا نبیؐ نے سرِ تسلیم جھکا کر
جو حکم مرے مالک کی ہو مرضی وہی بہتر
مختار ہر اک بندے کا ہے خالقِ اکبر
موجود ہے شبیرؑ و براہیمؑ پیمبر
بخشا تھا مجھے تھے یہ کرم ربِ علا کے
سو دونوں یہ میرے نہیں بندے ہیں خدا کے

۱۶

جبرئیل نے کی عرض کہ یا سید والا — ہے آپ پہ کیا کیا کرم خالق یکتا

فرمایا ہے مجھ سے کہ مرے دوست سے کہنا — ان دونوں میں جو ہوئے زیادہ تمھیں پیارا

وہ پاس رہے تیرے کہ اپنی یہ رضا ہے — اس امر کا ہم نے تمھیں مختار کیا ہے

۱۷

فرمایا نبی نے نہیں کچھ کہنے کا یارا — کس کو رکھوں اور کس کا کروں داغ گوارا

فرزند بھی پیارا ہے نواسا بھی ہے پیارا — یہ میرا کلیجا ہے تو وہ آنکھوں کا تارا

فرزند سے ہو نفس زیادہ تو بجا ہے — پر الفت شبیر تو بیٹوں سے سوا ہے

۱۸

ہوئے گی اگر فاطمہ کے لال کی رحلت — جاتی رہے گی بس مری آغوش کی زینت

کاندھے پہ مرے کون چڑھے گا بصد الفت — کون آکے لپٹ جائے گا مجھ سے بہ محبت

پھر کس کی خوشی کے لیے میں اونٹ بنوں گا — کاندھے پہ چڑھا کر کسے مسجد میں پھروں گا

۱۹

ہے میں نے زباں اپنی چوسا کر اسے پالا — میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ گیسوؤں والا

رہتا ہوں شب و روز میں اس ماہ کا ہالا — گودی سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا

میں فاطمہ زہرا کو نہ رنجیدہ کروں گا — اس لال کو مٹی میں نہ پوشیدہ کروں گا

۲۰

ایسا اسے کرتی ہے بتول عذرا پیار — یہ رات کو سوتا ہے تو رہتی ہے وہ بیدار

شانے سے کبھی ٹوٹتا ہے زلف کا گر تار — آنکھیں مری بیٹی کی نظر آتی ہیں خونبار

سوتا ہے مرے پاس تو گھبراتی ہے زہرا — سو مرتبہ دروازہ تلک آتی ہے زہرا

۲۱

پالا ہے بڑے دکھ سے بڑی کی ہے مشقت — بے چین رہی آپ وہ اور دی اسے راحت

فاقوں میں بھی کی آسیا گردانی کی محنت — دولت کے عوض اس کو ملی ہے یہی دولت

پھر دل کہو کس شغل میں بہلائے گی زہرا — اس پہ جو زوال آیا تو مر جائے گی زہرا

۲۲

گم ہو گیا اک روز جو وہ صاحب اقبال — میں کیا کہوں خاتون قیامت کا جو تھا حال

ڈیوڑھی سے نکل آتی تھی وہ کھولے ہوئے بال — چلاتی تھی تھامے ہوئے دل ہائے مرے لال

مر جائیں نہ زہرا و علی یہ مجھے ڈر ہے — مرنے سے تو اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے

۲۳

دنیا سے جو اٹھ جائے گا زہرا کا یہ دلبر — خم ہو گی الم سے کمر حیدر صفدر

آفاق میں بن بھائی کا ہو جائے گا شبر — اور سب سے زیادہ ہے یہ صدمہ مرے جی پر

گر فاطمہ کا ماہ لقا آج مرے گا — امت کی شفاعت کہو پھر کون کرے گا

۲۴

اولاد سے بڑھ کر کوئی ہوتا نہیں پیارا — سو اپنے پسر کا مجھے مرنا ہے گوارا

ہوئے نہ جدا فاطمہ کی آنکھوں کا تارا — شبیر پہ قربان ہے فرزند ہمارا

اس غم میں جو گزرے سو گزر جائے نبی پر — لیکن کوئی صدمہ نہ ہو زہرا و علی پر

۲۵

رخصت ہوئے جبرئیل امیں سن کے یہ گفتار
پوشاک کو تبدیل کرو لے مرے دلدار
فرزند سے فرمانے لگے احمد مختار
مادر سے لو دیکھ لے وہ آخری دیدار
فدیہ تجھے ہم نے وہ خالق نے دیا ہے
بیٹا ترے مالک نے تجھے یاد کیا ہے

۲۶

رونے لگی سن کر یہ سخن مادر غمخوار
اور تیسرے دن فوت ہوا ہائے وہ دلدار
اس روز سے اس طفل کو لاحق ہوا آزار
فرماتے تھے رو رو کے یہی احمد مختار
ہر چند کہ ہے صدمۂ جانکاہ نبی پر
پر صدقے ہیں سو بیٹے حسین ابن علی پر

۲۷

اس روز سے جب پیش نبی آتے تھے سرور
اے میرے دلارے ترے قربان پیمبر
فرماتے تھے محبوب خدا ہاتھ پکڑ کر
تو وہ ہے کہ فرزند کو صدقے کیا تجھ پر
دولت تجھے بخشی ہے جناب احدی نے
فرزند کو کھو کر تجھے پایا ہے نبی نے

۲۸

بیٹے کو محمد نے تصدق کیا جس پر
برچھی جو کلیجے پہ لگی مر گئے اکبر
ٹکڑے ہوئے تلواروں سے اس شاہ کے دلبر
اور خلق سے پانی کو ترستے گئے اصغر
لاشہ لئے بچے کا وہ مظلوم کھڑا تھا
اس جان پیمبر پہ عجب وقت پڑا تھا

۲۹

راوی کتب معتبرہ میں ہے یہ لکھتا
انبوہ تھا مسجد میں فصیحان عرب کا
اک روز تھے زیب سر ممبر شہ والا
فرما رہے تھے وعظ شہ یثرب و بطحا
حیران تھے یہ نقشہ تھا گروہ فصحا کا
غل بزم میں تھا صلّ علیٰ صلّ علیٰ کا

۳۰

واں حضرت خاتون قیامت کا بھی تھا لال
منبر پہ کبھی چڑھتا تھا وہ صاحب اقبال
دن کھیل کے تھے چار برس کا تھا سن و سال
ہنستا ہوا پھر واں سے اترتا تھا وہ فی الحال
سب رو گئے تھے ہاتھوں سے اس تشنہ گلو کو
جاتے تھے ادھر کو کبھی آتے تھے ادھر کو

۳۱

فرماتا تو تھا وعظ وہ زینت افلاک
وہ کعبۂ دیں جاتا تھا جس سمت فرحناک
پر تھا سوئے شبیر خیال شہ لولاک
جوں قبلہ نما پھرتی ادھر کو نظر پاک
تھا دھیان کہ پیارا مرا رنجیدہ نہ ہوئے
مجمع میں نظر سے کہیں پوشیدہ نہ ہوئے

۳۲

دوڑا سوئے منبر جو محمد کا نواسا
گرتے ہوئے شبیر کو احمد نے جو دیکھا
اٹھے قدم اور دگر پڑا وہ دلبر زہرا
پھر وعظ بھی کہنے کا رہا ہوش نہ اصلا
صدمہ ہوا ایسا شہ لولاک کے اوپر
سمجھے کہ گرا عرش بریں خاک کے اوپر

۳۳

اس سانحہ کو دیکھ کے گھبرا گئے مختار
شبیر کو گودی میں لیا دوڑ کے اک بار
منبر سے تلے گود پہ بڑے احمد مختار
فرمایا میں قربان ترے اے مرے دلدار
بتلاؤ تمہیں چوٹ تو کھائی نہیں پیارے
پاؤں میں کہیں ضرب تو آئی نہیں پیارے

٣۴

کیوں دوڑ کے چلتے ہو میں قربان تمہارے
تم کیا گرے اک چوٹ لگی دل پہ ہمارے
آؤ مرے کاندھے پہ چڑھو لو مرے پیارے
شبیرؑ مرے عضو بدن سرد ہیں سارے
گرنے سے ترے زلزلہ تھا عرش بریں پر
جبرئیل نے پر آکے بچھائے تھے زمیں پر

٣۵

اے اہل عزا پیٹنے رونے کی ہے یہ جا
اک دن وہ قیامت کا تھا واحسرتا دردا
شبیرؑ کا صدمہ تھا نبی کو نہ گوارا
گھوڑے سے گراتے تھے اسے خاک پہ اعدا
اس جان پیمبرؐ کا عجب حال ہوا تھا
سب نازنیں تن و تیروں سے غربال ہوا تھا

٣٦

اس دن نہ محمدؐ تھے کہ گودی میں اٹھاتے
ہر سمت سے تھے دشمن دیں تیغیں لگاتے
نے ساقی کوثر تھے کہ پانی تو پلاتے
اور دل بھی پیغام اجل لے کے تھے آتے
لاکھوں میں اکیلا وہ شہ تشنہ جگر تھا
غمخواروں میں کوئی نہ ادھر تھا نہ ادھر تھا

٣٧

پیشانی نورانی تو تھی تبر سے زخمی
پہلو تھا ہر اک نیزۂ بے پیر سے زخمی
تھا سینۂ دلبر خنجر و شمشیر سے زخمی
اور دل تھا غم اصغرؑ بے شیر سے زخمی
افراط جراحت سے کہیں تن میں نہ جا تھی
کچھ ہوش نہ تھا اپنا مگر یاد خدا تھی

٣٨

حسرت سے جدھر دیکھتے تھے سیدِ ابرار
مولائے دو عالم کا نہ تھا کوئی مددگار
یا تیر نظر آتے تھے یا خنجر خونخوار
سوتے تھے پڑے خاک پہ سب مونس و غمخوار
قاسمؑ تھے نہ عباسؑ نہ ہم شکل نبیؐ تھے
کیا بے کس و مظلوم حسینؑ ابن علیؑ تھے

٣٩

وہ دھوپ وہ پیاس اور وہ تنہائی کا عالم
جز ذات خدا کوئی نہ ہمدرد نہ ہمدم
لٹ جانے کا رانڈوں کے الم بیٹوں کا ماتم
مظلوم ادھر ایک ادھر سیکڑوں ظالم
لاتے تھے نہ شکوہ کی بھی تقریر زباں پر
ہر وقت مگر جاری تھی تکبیر زباں پر

۴٠

تھا وقت زوال اور ہوا چل رہی تھی تیز
گویا کہ ہوا تھی کرۂ نار سے آمیز
جلتا تھا حرارت سے وہ میدان بلاخیز
جوں اخگر سوزاں تھا ہر اک سنگ شرر ریز
سب جھیلوں میں صحرا کے پرندے تو پڑے تھے
اور دھوپ میں تنہا شہ مظلوم کھڑے تھے

۴١

تھا چتر زری سعد کے بیٹے نے لگایا
واں گھوڑوں کو پانی تھا کئی بار پلایا
اور فاطمہؑ کے لال کے تھا سر پہ نہ سایا
اک قطرہ نہ دو دن سے تھا شبیرؑ نے پایا
طاقت نہ سخن کی تھی شہ تشنہ دہاں میں
نیلے تھے لب و پیاس سے کانٹے تھے زباں میں

۴٢

پھر کاوے سے ہوتی تھی ادھر ان کی زمیں سرد
کھانا تو وہاں خیموں میں کھاتے تھے وہ نامرد
اڑ اڑ کے تن شاہ پہ پڑتی تھی ادھر گرد
تھا فاقوں سے رنگ رخ فرزند نبیؐ زرد
تھا ضعف بہت تاب و تواں جسم میں کم تھی
بازو تھا جو زخمی تو کمر ضعف سے خم تھی

۴۳

سب تیروں سے غربال تھا وہ چاند سا سینہ — زخموں سے لہو بہتا تھا چہرے سے پسینہ
کانوں میں پہونچتی تھی جو فریاد سکینہؑ — مظلومی سے رو دیتے تھے سلطان مدینہ
تھا دل تو تڑپتا پہ نہ جا سکتے تھے حضرت — کس یاس سے خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت

۴۴

عباسؑ کے لاشے کو صدا دیتے تھے مولا — اب اٹھو بہت سو چکے بھائی لب دریا
یہ وقت وہ ہے کہ ہوئے ہم تن تنہا — ہم جا نہیں سکتے کہ ہمیں گھیرے ہیں اعدا
سر پیٹتی خیمے سے نکلتی ہے سکینہؑ — تم جا کے سنبھالو کہ نکلتی ہے سکینہؑ

۴۵

آتی تھی صدا حضرت زہراؑ کی یہ اس آن — صدقے ترے اے قوم دغا پیشہ کے مہمان
لو چلتی ہے اور دھوپ بشدت ہے مری جان — کچھ روک لو سایہ کے لئے سر پہ میں قربان
یہ دھوپ کا صدمہ نہ سہا جائے گا واری — دو روز کے پیاسے ہو غش آجائے گا واری

۴۶

مادر سے یہ تب کہتے تھے رو کر شہ ابرار — سایہ کرے کون آ کے ہوا قتل علمدار
اللہ کا اب سر پہ ہے سایہ نہ مجھے درکار — واللہ کہ تشویش کچھ اپنی نہیں زنہار
پر کیا کہوں اماں مجھے صدمے یہ نئے ہیں — سب دھوپ میں لاشے مرے پیاروں کے پڑے ہیں

۴۷

محتاج کفن کے ہیں مرے ہمدم و یاور — ریتی میں پڑے ہیں علی اکبرؑ علی اصغرؑ
مہلت مجھے اتنی نہیں دیتے ہیں ستمگر — جو میں انہیں پوشیدہ کروں خاک کے اندر
کیا جانیے کیا بعد مرے حال کریں گے — گھوڑوں سے ستمگر انہیں پامال کریں گے

۴۸

یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھے برچھیوں والے — اور آئے پس پشت سواروں کے رسالے
ڈسنے کو پیادے گئے تلواریں نکالے — زہراؑ کے جگر بند پہ چلنے لگے بھالے
غل تھا کہ کرو ٹکڑے محمدؐ کے جگر کو — گھوڑے پہ سنبھلنے نہ دو زہراؑ کے پسر کو

۴۹

لگتے تھے جو نیزے تن شبیرؑ پہ کاری — تھا شکر خدا ہر دہن زخم سے جاری
ہر نیزے پہ جھک جاتا تھا سر ضعف تھا طاری — کچھ منہ سے نہ فرماتا وہ عاشق باری
ان کا تو یہ تھا ظلم یہ بیداد و جفا تھی — یاں حمد الٰہی تھی اور امت کی دعا تھی

۵۰

فرماتا تھا اعدا سے وہ مولائے دو عالم — کیوں تیغوں سے مجروح مجھے کرتے ہو اس دم
میں ابن ید اللہ ہوں اے فرقۂ اظلم — اتنا نہ کرو ظلم کہ شبیرؑ ہو برہم
بیکس ہوں نبیؐ زادہ ہوں نالاں ہوں حزیں ہوں — سیّد ہوں مسافر ہوں گنہگار نہیں ہوں

۵۱

میں وہ ہوں نبیؐ نے جسے کاندھے پہ چڑھایا — میں وہ ہوں کہ زہراؑ نے جسے دودھ پلایا
میں وہ ہوں کہ جبرئیل نے جھولے میں جھلایا — میں وہ ہوں کہ خالق نے مرا ناز اٹھایا
تم لوگ ہو باطل کی طرف میں سوئے حق ہوں — میں مصحف ناطق کے مرقع کا ورق ہوں

۵۲

دیکھو تو مرا حلم کہ کیا صبر کیا ہے
غم کھایا ہے اور خون جگر میں نے پیا ہے
بدلا بھی نہیں خون عزیزاں کا لیا ہے
اس وقت تلک رنج نہیں میں نے دیا ہے
سوچو تو کہ تم لوگوں نے کیا بے ادبی کی
اور میں نے برائی کبھی چاہی نہ کسی کی

۵۳

تم وہ کہ بے جاں کیے تم نے مرے پیارے
عباس کو ٹکڑے کیا دریا کے کنارے
میں وہ ہوں کہ کرتا ہوں دعا حق میں تمھارے
بھائی مرے فرزند کو آگے مرے مارے
بچہ بھی چھٹے مہینے کا مرا تیر سے مارا
اور میں نے کسی کو نہیں شمشیر سے مارا

۵۴

واللہ کہ تم تو نہ مجھے بیٹوں سے سوا ہو
منظور مجھے یہ ہے کہ تم سب کا بھلا ہو
کچھ غیر نہیں امت محبوب خدا ہو
اس امر کا ہے ترک مناسب جو برا ہو
شبیر تو بے کس ہے غریب الغربا ہے
سید کے ستانے میں تمھیں فائدہ کیا ہے

۵۵

میں کون ہوں اے ظالمو سمجھو مرا رتبا
جز میرے نہیں کوئی محمد کا نواسا
بابا ہے علی ماں ہے مری فاطمہ زہرا
ڈھونڈھو گے جو عالم میں تو پاؤ گے نہ مجھ سا
تم لوگوں کا مہماں ہوں آوارہ وطن ہوں
دو تھوڑا سا پانی کہ بہت تشنہ دہن ہوں

۵۶

سن کر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
ہم کیا کریں گر احمد مرسل کے ہو جانی
شبیر زیادہ نہ کرو چرب زبانی
ہرگز نہ ملے گا نہ ملے گا تمھیں پانی
اس سوکھے ہوئے حلق پہ خنجر کو دھریں گے
ہاں آب دم تیغ سے سیراب کریں گے

۵۷

تلواروں سے ہم خون بہائیں گے تمھارا
کس دھوم سے گھر لوٹنے آئیں گے تمھارا
سر کاٹ کے نیزہ پہ چڑھائیں گے تمھارا
اور آگ سے خیمہ بھی جلائیں گے تمھارا
ہے کام محمد سے نہ حیدر سے غرض ہے
ہم لوگ سپاہی ہیں ہمیں زر سے غرض ہے

۵۸

بے کس ہوئے آپ اب نہ کریں عجز کی تقریر
اب جیتے نہیں بچنے کے یا حضرت شبیر
طاقت نہیں اتنی کہ کھینچے آپ سے شمشیر
یہ باتیں ہیں بے فائدہ بے جا ہے یہ تدبیر
جیتے ہیں تو یہ ظلم و ستم کم نہ کریں گے
تم عجز کرو رحم کبھی ہم نہ کریں گے

۵۹

یہ سوکھی زباں ہو گئے ہر بار دکھاتے
عباس مدد کرنے کو اس دم نہیں آتے
اکبر کو کمک کو نہیں اس وقت بلاتے
قاسم بھی نہیں آن کے دکھ درد بٹاتے
وہ جاہ و حشم کیا ہوا وہ اوج کہاں ہے
یاور کہو کیا ہو گئے وہ فوج کہاں ہے

۶۰

تم کہتے ہو تقصیر مری کچھ نہیں زنہار
بیعت سے خلیفہ کی کیا کس لیے انکار
ہم کہتے ہیں ہو حاکم کوفہ کے گنہگار
کرتے نہیں اب کے مدد احمد مختار
سب ہے یہ غلط ہو کے پیاسے بھی نہیں تم
اور احمد مرسل کے نواسے بھی نہیں تم

٦١

یہ سنتے ہی غصہ شہ لب تشنہ کو آیا
کافی ہے شہادت کو تو اے بار خدایا
منھ کر کے سوئے گنبد گردوں یہ سنایا
کیسا ترے بندے کو ہے اعدا نے ستایا
پر تو سخن تلخ اٹھائے نہیں جاتے
اور تیغ کے جوہر بھی دکھائے نہیں جاتے

٦٢

اس وقت صدا عالم بالا سے یہ آئی
ہم یاد کریں گے تجھے اے میرے فدائی
خالق کو یہ مظلومی و غربت تری بھائی
ہاں اب تو مناسب ہے نہیں چشم نمائی
قتل ان کا اگرچہ تجھے منظور نہیں ہے
پر تو تو کسی حال میں مجبور نہیں ہے

٦٣

اعدا سے یہ فرمانے لگے سید عالم
بچا ہوں جو ابھی دفتر کو نہیں زیر و برہم
مجبور نہ سمجھو مجھے اے لشکر ظالم
گر بیکس و تنہا ہوں یہ لاکھوں سے نہیں کم
کرتا تمھیں غارت ابھی خالق کی قسم ہے
پر کیا کروں میں بیچ میں نانا کا قدم ہے

٦٤

محتاج نہیں پانی کا میں بیکس و بے پر
عباس کا جویا ہوں نہ یاد آتے ہیں اکبر
چاہوں تو ابھی بہنے لگے چشمۂ کوثر
کافی ہے مدد کرنے کو میری مرا داور
اب عاجز و بیکس کی شجاعت کو بھی دیکھو
لو فاطمہ کے شیر کی طاقت کو بھی دیکھو

٦٥

فرما چکے تھے ابھی اعدا سے یہ سرور
ہو بیٹھے سنبھل کر بسر زین شہ صفدر
جو تیغ ید اللہ نکل آئی تڑپ کر
بجلی سا لگا کوندنے رہوار زمیں پر
غل تھا کہ عجب شوکت و شان شہ دیں ہے
ہوتا ہے یہ ظاہر کہ یہ مظلوم نہیں ہے

٦٦

ہر چند کہ تھا تیروں سے زخمی تن اطہر
پیدا تھی سراپا سے مگر شوکت حیدر
اور تین شب و روز کے پیاسے بھی تھے سرور
احمد کا عمامہ تھا عجب شان سے سر پر
تھا نیچے قمیص عربی اس پہ قبا تھی
اور دوش مبارک پہ محمد کی عبا تھی

٦٧

تھی قبضے میں تیغ کمر حیدر کرار
جعفر کی کمان دوش پہ تھی غیرت گلزار
حمزہ کی سپر باندھے تھے اس دن شہ ابرار
تھے ہاتھوں میں دستانۂ بوطالب سردار
تھا موسی عمراں کا کمربند کمر میں
پہنے تھے زرہ حضرت داؤد کی بر میں

٦٨

لشکر پہ رجز پڑھتے چلے یوں شہ والا
میں دفتر امکاں کو کروں گا تہ و بالا
میں احمد مختار کی ہوں گود کا پالا
کون آج ہے تلوار مری روکنے والا
یہ ہستی دشمن کے لئے سیل فنا ہے
یہ برق جہاں سوز ہے یہ قہر خدا ہے

٦٩

اعدا کی طرف بھی دہل و دف لگے بجنے
دکھلائی رہ راست طبیعت کے کج نے
جوں رعد لگے کافر مغرور گرجنے
گھوڑوں کے کسے تنگ لگے اسلحہ سجنے
تلواریں کھنچیں نیزے چلے چار طرف سے
بارش ہوئی تیروں کی کمانداروں کی صف سے

۷۰
چمکی صفت برق غضب شاہ کی تلوار
لرزی جو زمیں کانپ گیا گنبد دوّار
دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اظہار
ماہی سے کہا گاؤ زمیں نے کہ خبردار
جبرئیل کے شہپر میں جو پر کاٹ چکی ہے
پھر آج وہی تیغ شرربار کھنچی ہے

۷۱
یاں سبط پیمبر صف ہیجا میں در آئے
یاں سے گئے واں اور ادھر سے ادھر آئے
ہر سو سر بے تن، تن بے سر نظر آئے
اس صف کو کیا قتل تو اس غول پہ در آئے
جاں اس میں نہ تھی سامنے اس تیغ کے جو تھا
جس نے کیا کچھ قصد وہ اک ضرب میں دو تھا

۷۲
کوہ سر کفار کٹے مثل پر کاہ
دوڑے ملک الموت ادھر جس پہ چلے شاہ
ہر غول میں تھا شور کہ العظمۃ للہ
جز کوچۂ زخم اور نہ ملتی تھی کہیں راہ
سب کہتے تھے جرأت پہ نہیں قدرت رب ہے
رہوار قیامت ہے تو تلوار غضب ہے

۷۳
جس شخص کے سر تک گئی وہ صاعقۂ کردار
بجلی تھا چھلاوا تھا کہ صرصر تھا وہ رہوار
دو ہو کے مع اسپ گرا خاک پہ اک بار
اس سمت کبھی تھا تو کبھی فوج کے اس پار
خانوں میں بھی آقا کی خوشی کرتا تھا گھوڑا
جو چاہتے تھے شاہ وہی کرتا تھا گھوڑا

۷۴
تھیں لشکر اعدا میں صفیں درہم و برہم
تکبیر کے نعرے شہ دیں کرتے تھے پیہم
ہتھیار سپر چھٹے ہاتھوں سے پسپا ہوئے اظلم
جو زندہ تھے ڈر سے وہ ہوئے جاتے تھے بیدم
تلوار چمکتی تھی جو فرزند علیؑ کی
چلاتے تھے اعدا کہ دہائی ہے نبیؐ کی

۷۵
فرماتے تھے اس وقت شہ کرب و بلائی
کیوں قوت دست شہ مرداں نظر آئی
کس شخص کے نانا کی یہ دیتے ہو دہائی
سیّد کے ستانے کی سزا کچھ کہو پائی
کیوں تین شب و روز کا پیاسا نہیں شبیر
کیوں احمدؐ مرسل کا نواسا نہیں شبیرؑ

۷۶
بتلاؤ مری کون مدد کرنے کو آیا
کس بے کس و تنہا نے تمہیں رن سے بھگایا
اکبر نے کہ عباسؑ نے دکھ درد بٹایا
کس نے تمہیں زور اسد اللہ دکھایا
اس وقت بھی کچھ جنگ میں ہرگز نہیں کد کی
کیا مارتا تم کو کہ ہو امت مرے جد کی

۷۷
کیا رحم ہے اعدا سے یہ جب کرچکے تقریر
گویا ہوئی تب یوں اسد اللہ کی شمشیر
امت کے لئے رونے لگے حضرت شبیرؑ
یا سرور دیں آپ کے دشمن ہیں یہ بے پیر
آپ ان کے لئے روتے ہیں یہ ماجرا کیا ہے
حضرت نے کہا پاس رسول دوسرا ہے

۷۸
تشریف یہاں لائے ہیں سلطان رسالت
کچھ غیر نہیں سب مرے نانا کی ہے امت
نانا کی نہ چھٹے روح سے ہوتی ہے ندامت
ہم وہ ہیں کہ دشمن سے بھی رکھتے ہیں محبت
برباد مجھے کرکے نہ پھولے نہ پھلیں گے
میں اس لئے روتا ہوں کہ دوزخ میں جلیں گے

۷۹

کہہ کر یہ سخن میان میں شہ نے رکھی تلوار
رہوار لگا رونے تو بولے شہ ابرار
سب اسلحہ گھوڑے پہ رکھا کھول کے اک بار
اس میرے بزرگوں کے تبرک سے خبردار
رو رو کے تو اس وقت نہ ٹکڑے مرا دل کر
کوڑا کبھی مارا ہو جو تجھ کو تو بحل کر

۸۰

اب جا کہ مرا حال نہیں جائے گا دیکھا
ڈیوڑھی پہ کھڑا ہو جیو تو روک کے رستا
قاتل ترے اسوار کے سینے پہ چڑھے گا
تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دختر زہراؑ
کہہ دیجو بہن سے کہ تبرک یہ دیا ہے
اور گھر سے نکلنے کو نہیں منع کیا ہے

۸۱

رو کر کہا گھوڑے نے کہ اے عاشق باری
آقا تری کس منہ سے کروں شکر گزاری
حضرت نے چھڑی پھول کی مجھ کو نہیں ماری
اور آج تو ہے آخری حضرت کی سواری
مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ میں منہ موڑ کے جاؤں
حضرت کو مصیبت میں یہاں چھوڑ کے جاؤں

۸۲

مولا مجھے منہ اپنا ہے حیدرؑ کو دکھانا
پھر مجھ کو وفادار کہے گا نہ زمانا
خدمت میں محمدؐ کی ہے یاں سے مجھے جانا
فرمائیں گے فردوس میں یہ آپ کے نانا
دشمن ہوئی سب خلق یہ قدرت ہے خدا کی
گھوڑے نے بھی یاں سے ہمارے نہ وفا کی

۸۳

بچپن سے مجھے آپ مری پیٹھ پہ اسوار
اسوار نہ ہو اور رہے خلق میں رہوار
بوڑھا ہوا اب زندگی مجھ کو نہیں درکار
ہے کون مرا قدرشناس اے شہ ابرار
حضرت نہیں جاتے ہیں نہ گھر جاؤں گا میں بھی
سر اپنا پٹک کر یہیں مر جاؤں گا میں بھی

۸۴

اے اہل عزا اشک بہانے کی یہ جا ہے
تلواریں ہزاروں ہیں اور اک خشک گلا ہے
رویا ہوں میں تنہا پسر شیر خدا ہے
اور سامنے لاشہ علی اکبرؑ کا پڑا ہے
فرماتے ہیں بابا کو بچاتے نہیں اکبرؑ
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے نہیں اکبرؑ

۸۵

گہ لاشۂ عباس سے کرتے ہیں یہ فریاد
تم دیکھتے ہو ہم پہ جو کچھ ہوتی ہے بیداد
اے قوت بازو نہیں آ کر کرو امداد
مظلوم کو گھیرے ہیں ہزاروں ستم ایجاد
لاشہ علی اکبرؑ کا اٹھانے نہیں دیتے
جاتا ہوں جو خیمہ میں تو جانے نہیں دیتے

۸۶

بوچھار سے تیروں کی مشبک جو ہے سینہ
چلاتی ہے ڈیوڑھی پہ یہ رو رو کے سکینہؑ
گرتا ہے لہو بن کے رگ و بول سے پسینہ
بابا مجھے بے آپ کے دشوار ہے جینا
شہ کہتے ہیں بی بی ہمیں آنا نہیں ملتا
تلواروں سے بچ کر کہیں جانا نہیں ملتا

۸۷

وہ لو وہ کڑی دھوپ وہ زخموں کی اذیت
تیروں کی وہ بوچھار وہ تلواروں کی ضربت
وہ بیکسی وہ پیاس وہ تنہائی و غربت
دو دن کا وہ فاقہ غضب اور پیاس کی شدت
حالت ہے عجب پیاس سے فرزند علیؑ کی
منہ سے نکل آئی ہے زباں سبط نبیؐ کی

۸۸

چھڑکاؤ ادھر ہے تو ادھر اشک فشانی
سیدؑ کو نبی زادے کو دیتے نہیں پانی
شہ پیاسے ہیں سیراب ہیں وہ ظلم کے بانی
کہتے ہیں کہ ہے نسل علیؑ ہم کو شانی
سایہ ہے ادھر چتر کا ہر دشمن دیں پر
پڑتی ہے ادھر دھوپ شہ عرش نشیں پر

۸۹

طعنے کے سخن منہ پہ سنا جاتا ہے کوئی
تلوار برابر سے لگا جاتا ہے کوئی
ہنس ہنس کے مسافر کو رلا جاتا ہے کوئی
خوں جسم مبارک کا بہا جاتا ہے کوئی
خشکیدہ زباں فوج کو دکھلاتے ہیں مولا
رہوار پہ جھک جھک کے سنبھل جاتے ہیں مولا

۹۰

ناگاہ گرے گرم زمیں پر شہ ابرار
اور ہائے پئے قتل بڑھا شمر ستمگار
آثار قیامت کے ہوئے رن میں نمودار
گردن پہ نمازی کے پھرا خنجر خوں خوار
فرزند زبردست ید اللہ کو مارا
شبیرؑ کو کیا احمد ذی جاہ کو مارا

۹۱

لاشے پہ بہن آئی ہے چہرے پہ ملے خاک
محتاج کفن کو ہے ترا پیکر صد چاک
کہتی ہے کہ ہے ہے پسر سید لولاک
تم مر گئے اور رہ گئی یہ خواہر غمناک
اے کاش کہ دنیا میں یہ ناشاد نہ ہوتی
تم پر یہ مرے سامنے بیداد نہ ہوتی

۹۲

سیدانی ترے پیکر بے سر کے تصدق
قربان علم کے ترے لشکر کے تصدق
چہرے کے فدا زلف معنبر کے تصدق
اکبرؑ کے تصدق علی اصغرؑ کے تصدق
کچھ فکر بہن کی شہ والا نہیں کرتے
اس بلوے میں ہمشیر کا پروا نہیں کرتے

۹۳

خاموش انیسؔ آہ بہت رنج و محن ہے
صد شکر کہ تو ناظم اقلیم سخن ہے
مجلس میں بپا ماتم سلطان زمن ہے
ہاں موتیوں سے بھرنے کے قابل یہ دہن ہے
رکھ دل کو غنی ذکر امام ازلی میں
قدر اس کی ہے سرکار حسینؑ ابن علیؑ میں

رباعی

جز مدح سخن منہ سے کوئی کم نکلے
رو کی بغداک یا حسینؑ ابن علیؑ
ہر دم سینے سے آہ پر غم نکلے
نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

رباعی

افسوس یہ عصیاں یہ تباہی دل کی
کپڑے اجلے پہن کے نازاں ہوئے تم
کی خوب انیسؔ خیر خواہی دل کی
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

رباعی

پیری آئی عذار بے نور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیسؔ
یاران شباب پاس سے دور ہوئے
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

۱

ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتنؑ کی مدح
ہے لذتِ زباں شہِ خیبر شکن کی مدح
زینت کلام کی ہے رسولِ زمن کی مدح
آرامِ جان و دل ہے حسینؑ و حسنؑ کی مدح
ہر روز یہ ذکر باعثِ عیش و سرور ہے
دل کی جو روشنی ہے تو آنکھوں کا نور ہے

۲

دریائے نور کا دُرِ یکتا حسینؑ ہے
مظلومِ کربلائے معلّا حسینؑ ہے
رنگیں گلِ حدیقۂ زہراؑ حسینؑ ہے
سارا جہاں غلام ہے آقا حسینؑ ہے
رتبہ علی ہے سب یہ امامِ جلیل کا
خدمت ہے جس کے گھر کی شرف جبرئیل کا

۳

مصباحِ بزمِ حیدرِ صفدر حسینؑ ہے
بے سر ہے پر زمانے کا سرور حسینؑ ہے
گلگوں قبائے عرصۂ محشر حسینؑ ہے
روشن ہے جس سے عرش وہ گوہر حسینؑ ہے
عالم میں کیوں ضیا نہ ہو اس کے ظہور سے
اللہ خود بنائے جسے اپنے نور سے

۴

محبوبِ ذوالجلال کا پیارا حسینؑ ہے
بعد از حسنؑ امام ہمارا حسینؑ ہے
مہرِ عرب کی آنکھوں کا تارا حسینؑ ہے
بخشش کا عاصیوں کی سہارا حسینؑ ہے
سب کو اسی کی حشر کے دن احتیاج ہے
حقا کہ اس کے سر پہ شفاعت کا تاج ہے

۵

مہرِ سپہرِ ابہت و حشمت و جلال
نزدیک تھا کہ گلشنِ ایماں ہو پائمال
جس کو کبھی ازل سے ابد تک نہیں زوال
سرسبز کر گیا اسدِ کبریا کا لال
کیا فیض ہے کہ سایۂ طوبیٰ میں گھر ملا
اُمت نہال ہو گئی ایسا ثمر ملا

۶

پہلے تو رنگِ کفر کیا شیرِ حق نے دور
ظاہر ہوئے حسینؑ تو حق نے کیا ظہور
برعکس جو تھے قتل ہوئے سب وہ پُرغرور
وہ بھی خدا کے نور تھے یہ بھی خدا کے نور
حبِ علیؑ کے ساتھ جب ان کی ولا ہوئی
ایماں کے آئینہ کو دوبارا جلا ہوئی

۷

حامی ہو ایک تن بھی تو آفت کی ہے سپر
ششدر ہوں کس لیے جو سقر کے ہیں سات در
یاں پنجتنؑ ہیں پھر ہمیں کیا خوف کیا خطر
آٹھوں بہشت شاہ کے ہیں دوستوں کے گھر
نُہ آسماں سے بھی کہیں درجے رفیع ہیں
چودہ خدا کے دوست ہمارے شفیع ہیں

۸

کر دیں گے سرد گرمیِ بازارِ آفتاب
شیعوں کی فرد فرد کو کر لیں گے انتخاب
ہووے گا ابرِ رحمتِ حق دامنِ جناب
ہم پاک ہیں ہمارے گناہوں کا کیا حساب
کہہ دیں گے ہم کہ شاہ کے لشکر کے ساتھ ہیں
پرچے ہمارے مالکِ دفتر کے ساتھ ہیں

۹

ہے جن کو شیرِ حق کے گھرانے سے ارتباط
جب تھام لیں گے چادرِ زہراؑ باحتیاط
قدموں سے ہے لگی ہوئی ان کے وہ صراط
اس پل کو طے کریں گے بصد فرح و انبساط
شبیرؑ ہیں، علیؑ ہیں، رسولِ کریمؐ ہیں
کیا ڈر ہمیں صراط سے دل مستقیم ہیں

۱۰

جنّاتِ عدن و گلشنِ فردوس روے حور
آسایشِ بہشت، بریں، راحت و سرور
وہ گوہر و زبرجد و یاقوت کے قصور
طوبیٰ و کوثر و ارم و حُلّہ ہائے نور
اس باغ میں جگہ نہیں خار و خس کے واسطے
یہ سب ہیں شہ کے تعزیہ داروں کے واسطے

۱۱

رونے کا غم میں شاہ کے اللہ رے صلا
مردم پہ کیوں نہ دوا جب عینی ہو یہ ولا
دل کو سرور آئینۂ چشم کو جلا
جو حق سے ان کے نام پہ مانگا وہی ملا
روئے تو جرم و دفترِ عصیاں کو دھو گئے
دامن نہ تر ہوا تھا کہ لو پاک ہو گئے

۱۲

رونے میں صرف ہو تو نہیں عمر کا حساب
مردم کی آبرو کا سبب دیدۂ پُر آب
ان آنسوؤں سے ہے رخِ ایماں کی آب و تاب
حاصل ہر اک نفس میں ہے تسبیح کا ثواب
جو کچھ ہے اجر تذکرۂ لا الٰہ میں
حاصل ہیں یاں وہ سب حسنات ایک آہ میں

۱۳

ذکرِ حسینؑ حق کی عبادت سے کم نہیں
نالہ ہر اک اذان و اقامت سے کم نہیں
رونے کا اجر اجرِ شہادت سے کم نہیں
ہر صف کشی نمازِ جماعت سے کم نہیں
سجدے سے اوج پست ہے کب اس مقام کا
وہ گھر خدا کا ہے تو یہ گھر ہے امام کا

۱۴

رخصت کروں میں تعزیہ خانے کی کیا رقم
ایک ایک در ہے رشکِ درِ گلشنِ ارم
ہے جلوہ گاہ روحِ رسولِ فلک حشم
آتی ہے بوئے خلد صبا سے کے دمبدم
سونگھے اگر فتیلۂ عنبر سرشت کو
رضواں بھی بھول جائے نسیمِ بہشت کو

۱۵

حقا کہ رکنِ کعبۂ ایماں ہے یہ مقام
قدسی طواف کرتے ہیں یاں آکے صبح و شام
میکائیل و جبرئیل ہیں مصروفِ اہتمام
کوئی تو بھیجتا ہے درود اور کوئی سلام
ہے آسماں کا قول کہ میں خاکِ راہ ہوں
کہتا ہے عرش فرشِ درِ بارگاہ ہوں

۱۶

ہے کہکشاں کو شوق کہ میں رہگذر بنوں
زہرہ کو آرزو ہے کہ رشکِ قمر بنوں
خورشید کو ہوس ہے کہ قندیلِ در بنوں
ہے لو لگی ہوئی کہ چراغ آن کر بنوں
کہتے ہیں نجم اخترِ طالع بلند ہوں
مجمر بنے جو مہر تو ہم بھی سپند ہوں

۱۷

ہر اک سبو سبیل کا ہے چشمۂ حیات
آتی ہے یادِ تشنگیِ شاہِ کائنات
صدقے ہیں ایک جام پہ سو کوزۂ نبات
سردی میں اس کی حشر کی گرمی سے ہو نجات
پانی کو یاں کے چشمۂ کوثر پہ فوق ہے
یاں خضر کو سبیل بنانے کا شوق ہے

۱۸

آبِ حیات میں بھی نہ ہوگی یہ آب و تاب
زمزم کو اس کی چاہ میں ہر دم ہے اضطراب
کوثر کے منھ میں نام سے جس کے بھر آئے آب
خوشبو یہ ہے کہ شرم سے پانی ہو یاں گلاب
کہتا ہے آب نذرِ امامِ جلیل ہوں
دعویٰ سبیل کو ہے کہ میں سلسبیل ہوں

۱۹

ہیں یہ گلاب پاش کہ فوارہ ہائے نور
پروانوں کی طرح سے ملائک کا ہے وفور
شمعیں ہیں دست حور میں یا ہے چراغ طور
کعبہ بھی گر طواف کو آئے تو کیا ہے دور
اس گھر کا نور زینت عرش الٰہ ہے
یہ بارگاہ قبلۂ عالم پناہ ہے

۲۰

ہے کحل چشم حور و ملک اس مکاں کی خاک
قربان تر بتولؑ کے نثار ضریح پاک
اے بدر آسمان شرف روحنا فداک
دل جس کو دیکھ دیکھ کے ہوتے ہیں چاک چاک
جرأت کا جوش بھی ہے خدا پر نظر بھی ہے
قرآں بھی ہے حضور میں تیغ و سپر بھی ہے

۲۱

ہوتی ہے پست اوج پایۂ منبر سے تا فلک
پنجوں کا نور اور علم پاک کی جھلک
منبر پہ روضہ خواں ہیں کہ ہے عرش پر ملک
جس کی چمک زمیں سے ہے تا آسماں تلک
مجلس میں مومنوں نے جو آنسو بہائے ہیں
دیکھو دعا کو ہاتھ علم نے اٹھائے ہیں

۲۲

پیچیدہ عود کا یہ دھواں اور گلوں کی بو
بیتاب ہیں علیؑ ولی شاہ نیک خو
گویا کھلے ہیں گیسوئے حوران ماہ رو
منبر کے پاس روتی ہے زہراؑ کشادہ مو
اس بزم میں رسولؐ جو ماتم کو آئے ہیں
سر پیٹنے کو ہاتھ علم نے اٹھائے ہیں

۲۳

ہے جلوہ گر جو حضرت عباسؑ کا علم
مشک سکینہؑ دیکھ کے لگتے ہیں تیر غم
شوکت وہی ہے رعب وہی اور وہی حشم
ہیہات ایسے شیر کے بازو ہووے قلم
ہر دم رہے نہ کیوں دل زہراؑ بھرا ہوا
ہے آج تک لہو سے پھریرا بھرا ہوا

۲۴

رونق ہو کیوں نہ تعزیہ خانوں میں جابجا
کرتا ہے نقل اک متولی پارسا
ہوتے ہیں خود شریک شہنشاہ کربلا
یعنی ہوا فلک یہ جو ظاہر ہے عزا
عیش جہاں دلوں سے فراموش ہو گیا
سب شہر مثل کعبہ سیہ پوش ہو گیا

۲۵

بزم عزا تھا روضۂ سلطان مشرقین
مردوں میں شور سینہ زنی عورتوں میں بین
دن رات مجلسیں تھیں بپا اور ماتم حسینؑ
آتی تھی فاطمہؑ کی صدا ہائے نور عین
جس دم بیان شہادت سرور کے ہوتے تھے
زوار قتل گاہ میں جا جا کے روتے تھے

۲۶

اک شب جو میں نے غور سے روضہ پہ کی نظر
صندوق پر وہ نور نہ رونق ضریح پر
دیکھا اداسی چھائی ہے مرقد پہ سر بسر
جس طرح بادشاہ کرے شہر سے سفر
ہے عرش پر وہ زینت عرش بریں نہیں
ثابت یہ تھا مکاں تو ہے لیکن مکیں نہیں

۲۷

کچھ کہہ سکا نہیں یہ رہا دل کو اضطراب
روضہ میں جلوہ گر ہیں نہ آسماں جناب
جہلم کے بعد میں نے یہ دیکھا میان خواب
سمجھا ضریح پاک کو میں برج آفتاب
قربان تھے ملک رخ روشن کی شان پر
تھی چاندنی زمیں پہ تو نور آسمان پر

۲۸

کرتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے حق سے یہ دعا
بہر نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ و مجتبیٰؑ
یا غافر المعاصی و یا واہب العطا
بخش اور وسے نہ کبریا صغرؑ کا خوں بہا
امت کو واسطے مرے پیاروں کے بخش دے
یارب گنہ تعزیہ داروں کے بخش دے

۲۹

عسرت میں ہیں جو میرے شیعوں کا رہ تو کفیل و یار
آسان کر ان غریبوں پہ سختی احتضار
وسعت دے ان کے رزق میں جو ہیں عیال دار
سوئیں لحد میں جب تو نہ ہو صدمۂ فشار
دامان ابن فاطمہؑ اور ان کے ہاتھ ہوں
جب روز حشر ہو تو یہ سب میرے ساتھ ہوں

۳۰

فارغ جو اس دعا سے ہوئے شاہ تشنہ لب
خادم یہیں رہا ہے محرم میں روز و شب
کی عرض میں نے جھک کے قدم پر بصد ادب
رونق جو آج ہے یہ نہ تھی اس کا کیا سبب
ہر سو ہجوم حسرت و اندوہ و یاس تھا
مولا کمال روضۂ انور اداس تھا

۳۱

کیا یاں نہ تھے حضور کہا آپ نے کہ ہاں
ہے ہر جگہ ظہور زمیں ہو کہ آسماں
میں نور حق ہوں عرش خدا ہے مرا مکاں
تھا شیعیان ہند کا شبیرؑ میہماں
تربت تو یاں ہو کیوں مرے زائر اداس تھے
جو کربلا سے دور ہیں ہم ان کے پاس تھے

۳۲

دنیا میں دوستوں کی بھی خاطر ضرور ہے
ہر دل میں روشنی ہے ہر اک گھر میں نور ہے
ہم پاس ہوں تو اوروں سے مرقد بھی دور ہے
میں آفتاب ہوں مرا ہر جا ظہور ہے
ہے مجھ سے قرب بعد ہو گر مشرقین کا
جس گھر میں تعزیہ ہو وہ گھر ہے حسینؑ کا

۳۳

مصروف نذرات ہیں کہ غم میں وہ خوش بسر
بر میں سیاہ لباس تو رخ آنسوؤں سے تر
سر پیٹنے میں ہوتے ہیں دس دن انہیں بسر
مجلس نہ جس میں ہو کوئی ایسا نہیں ہے گھر
ہر چند کس جگہ مرا غم دہر میں نہیں
ماتم جو ہند میں ہے واں یہ کسی شہر میں نہیں

۳۴

آداب تعزیت میں ہیں مصروف صبح و شام
لب پر کبھی درود و تحیت کبھی سلام
سو سو طرح کا نذر میں کرتے ہیں اہتمام
حرمت ضریح کی ہے علم کا ہے احترام
رتبے میں تربتوں کو وہ قرآں سمجھتے ہیں
منبر کو اور ضریح کو ایماں سمجھتے ہیں

۳۵

پیاسوں کا ذکر تشنہ دہانی ہے جابجا
ہم کو ملا نہ جو وہی پانی ہے جابجا
چشموں سے آنسوؤں کی روانی ہے جابجا
نوحے ہیں اور مرثیہ خوانی ہے جابجا
دل ان کے بیکسی پہ مری دردناک ہیں
سینے تو ہیں کبود گریبان چاک ہیں

۳۶

دروازے پر سبیلیں ہیں لنگر ہیں جابجا
بازار میں بلند ہے سقوں کی یہ صدا
رہتے ہیں مثل آئینۂ قلب باصفا
پی لو یہ آب بہر شہنشاہ کربلا
پیاسے نہ جاؤ نذر حسینؑ قتیل ہے
تھا جس کا قحط اب وہی پانی سبیل ہے

۳۷

کیا عشق ہے کہ نام پہ میرے فدا ہیں سب
غم خوار اہلبیتِ رسولِ خدا ہیں سب
کیونکر نہ ہوں غلامِ شہِ لافتا ہیں سب
مظلوم کے ہیں دوست کثیر البکا ہیں سب
سبطِ نبیؐ کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں
خنجر کا نام سن کے تو غش ان کو آتے ہیں

۳۸

سنتے ہیں نامرادیِ قاسمؑ کا جب بیاں
غل کرتے ہیں کہ مر گئے عباسؑ نوجواں
سر پیٹتے ہیں سب پئے دولہا بصد فغاں
اکبرؑ کے غم سے چشم کسی کی ہے خوں فشاں
جب ذکرِ تشنہ کامیِ اصغرؑ کے ہوتے ہیں
کرتوں سے منہ کو ڈھانپ کے بچے بھی روتے ہیں

۳۹

پیاسے رہے ہیں ساتویں تاریخ سے جو ہم
ہوتا ہے آٹھویں سے تو سب شہر بزمِ غم
تربت پہ نذر دیتے ہیں وہ صاحبِ کرم
تابوت واں اٹھاتا ہے کوئی کوئی علم
روحِ علیؑ بھی ساتھ محبوں کے ہوتی ہے
زہراؑ ہر ایک بزم میں جا جا کے روتی ہے

۴۰

دُلدُل بنا کے لاتے ہیں وہ سب بچشمِ تر
چھینٹیں لہو کی زین پہ اور تیر ادھر ادھر
مجلس کے لوگ پیٹتے ہیں اٹھ کے اپنا سر
ہر سمت سے وہ لٹکتی ہوئی تیغ اور سپر
غش آتے ہیں کلیجوں پہ شمشیر پھرتی ہے
آنکھوں میں ذوالجناح کی تصویر پھرتی ہے

۴۱

ہوتی ہے جب عیاں وہ شبِ حسرت و ملال
ہوتا ہے فرطِ غم سے عجب عورتوں کا حال
جس کی سحر کو قتل ہوا فاطمہؑ کا لال
ماتم میں کھول دیتی ہیں اپنے سروں کے بال
ہر تعزیہ کے سامنے یوں بین کرتے ہیں
جیسے کسی عزیز کی میت پہ روتے ہیں

۴۲

روتی ہیں بیبیاں جو گھروں میں بشور و شین
چلاتی ہیں جو لڑکیاں ہے ہے مرے حسینؑ
اس وقت یاد آتے ہیں زینبؑ کے مجھکو بین
یاد آتی ہے سکینہؑ مجھے اپنی نورِ عین
ان کی بکا سے تیرِ الم دل پہ چلتے ہیں
غربت پہ اپنی خود مرے آنسو نکلتے ہیں

۴۳

کیوں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بتا یہ حال
کیا روز ہے نصیب خوشا حشمت و جلال
کرتا ہے خود تمہاری ثنا فاطمہؑ کا لال
کس مرتبہ خوشی ہیں شہنشاہِ خوش خصال
سجدہ کرو کہ نذر تمہاری قبول ہے
رونا قبول تعزیہ داری قبول ہے

۴۴

رو لو کہ فصلِ گریہ و ماتم قریب ہے
ذی الحجہ کا سفر ہے محرم قریب ہے
جس کی خوشی دلوں کو ہے وہ غم قریب ہے
ہاں آمدِ امامِ دو عالم قریب ہے
آ پہونچے ہیں غریبوں کی مشکل کشائی کو
ہو آنسوؤں کی فوج رواں پیشوائی کو

۴۵

ہے دھوم ہر طرف کہ سواری ہے متصل
دُرِ تسبیح ہیں اشک کے دانوں سے منفعل
آنکھیں لیے ہیں پنجۂ مژگاں میں لختِ دل
ہاں تعزیے کی ہے صدا کہ عزیزو نہ ہو خجل
خواہش نہیں کچھ اور شہِ خاص و عام کو
تسبیحِ اشک چاہیے نذرِ امام کو

۴۶
ہے شہر مثلِ نورِ سحر سر بسر سفید — بام و ستون و خانہ و دیوار و در سفید
جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید — مردم سیاہ پوش ہیں سب اور گھر سفید
روشن ہو کیوں نہ تعزیہ خانہ حسینؑ کا — سب نور ہے یہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا

۴۷
مصروفِ غم رہو کہ یہ صحبت ہے مغتنم — مجمع ہے دوستوں کا یہ رقت ہے مغتنم
سر پر اجل کھڑی ہے یہ فرصت ہے مغتنم — ہاتھ آئے گی نہ پھر کہ یہ دولت ہے مغتنم
گر مر گئے تو ماتمِ شاہِ اُمم کہاں — یہ مجلسیں تو حشر تلک ہیں یہ ہم کہاں

۴۸
شکرِ خدا کہ موت نے دی مہلت اس برس — اک دم میں ٹوٹ جاتا ہے یہ رشتۂ نفس
جو ذی حیات ہے اُسے جینے کی ہے ہوس — لیکن قضا سے کچھ نہیں چلتا کسی کا بس
چپکے چلے گئے ہیں زباں تک ہلی نہیں — ہم کیا پیمبروں کو تو مہلت ملی نہیں

۴۹
فانی ہیں سب کسی کو نہ دے گی اجل اماں — چکھے گی آہ ذائقۂ موت ہر زباں
اُس دم کھلے گا جسم سے نکلے گی جبکہ جاں — تھا گنجِ شائگاں کہ ہوا مفت رائگاں
لازم ہے قدرِ عمر کہ جنسِ خطیر ہے — جس کی بہا نہیں وہ دُرِ بے نظیر ہے

۵۰
پھر کر نہ آئے گا وہ گزرتا ہے جو کہ دم — اس دم کی احتیاط مناسب ہے دمبدم
کہتا ہے دم قریب ہے اب منزلِ عدم — بڑھتا ہے سن مگر ہوئی جاتی ہے عمر کم
انجامِ کار قبر کی منزل نظر میں ہو — ہم ہیں وطن میں عمر ہماری سفر میں ہو

۵۱
جو شے کہ مستعار ہو کیا اس کا اعتبار — ہر گل پہ یاں خزاں ہے کبھی اور کبھی بہار
ہے عمر بے وفا تو زمانہ ہے بے مدار — آنکھوں سے کیسے کیسے اُٹھ گئے کیا کیا رفیق و یار
افسوس اس چمن میں وہ سرو رواں نہیں — ڈھونڈھیں انھیں کہاں کہ قدم کا نشاں نہیں

۵۲
کیسے شریکِ تعزیہ داری تھے اگلے سال — اور اس برس تو زیرِ زمیں ہیں وہ خوش خصال
معلوم کیا نہیں کہ وہاں کیا ہے ان کا حال — غربت پہ ان کی رحم کرے ربِ ذوالجلال
جز بیکسی نہیں کوئی ہمدم مزار میں — تنہا پڑے ہیں خانۂ تاریک و تار میں

۵۳
رختِ سیاہ عزا میں جو کرتے تھے زیبِ تن — سوئے ہیں آج قبر میں پہنے ہوئے کفن
مٹی میں بھرنے پاتے نہ تھے جن کے پیرہن — پیوندِ خاک ہو گئے وہ غیرتِ چمن
سب گلعذار عاشقِ سبطِ رسولؐ تھے — آخر وہ لوگ بھی کسی گلشن کے پھول تھے

۵۴
جن دوستوں کی یاد میں روتے ہیں آج ہم — کل اور اسی طرح سے کریں گے ہمارا غم
ہستی سے ہے ضرور سفر جانبِ عدم — ماتم کرو حسینؑ کا جب تک ہے دم میں دم
حامی تمھارا سبطِ رسالت پناہ ہے — توشہ یہی ہے اور یہی زادِ راہ ہے

یہ دن وہ ہیں کہ راہ میں ہیں شاہ بحر و بر	۵۵	آئی ہے قتل مسلم مظلوم کی خبر
ہیں اہلبیت محمل و ہودج میں نوحہ گر		آفت کا سامنا ہے مصیبت کا ہے سفر
گھیرے ہے فوج حر شہ عالم پناہ کو		کانٹا ہے سختیوں سے پہاڑوں کی راہ کو
دو منزلیں ادھر سے ابھی شاہ کم سپاہ	۵۶	ظاہر ہوا ہلال محرم فلک پہ آہ
دیکھا جو چاند رونے لگے شاہ دیں پناہ		پڑھ کر دعا رخ علی اکبر پہ کی نگاہ
رونے پہ شہ کے قاسمؑ بے پدر نے رو دیا		بابا کے منہ کو دیکھ کے اکبرؑ نے رو دیا
تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امام	۵۷	اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہ شام
آنے کی شمر کے ہوئی چوتھی کو دھوم دھام		تھی پانچویں کہ دشت ستم بھر گیا تمام
نرغہ ہوا چھٹی سے شہ مشرقین پر		ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسینؑ پر
تھا ہشتم و نہم کو تو اک شور العطش	۵۸	تھے نہر علقمہ سے بہشتی کنارہ کش
خیمے میں جاں بلب تھے کئی طفل ماہوش		اصغرؑ کو اور سکینہؑ کو آتے تھے غش پہ غش
تھا قحط آب گھر میں شہ حق شناس کے		بانو کا دودھ گھٹ گیا صدمہ سے پیاس کے
جب رن میں صبح قتل غریباں عیاں ہوئی	مطلع دوم ۵۹	ہمراہ شب سپاہ کواکب رواں ہوئی
تیار فوج قبلۂ کون و مکاں ہوئی		واں طبل جنگ بجنے لگا یاں اذاں ہوئی
مصروف حق کی یاد میں سب ارجمند تھے		قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند تھے
ہوتے تھے تیز ساں پہ واں خنجر و تبر	۶۰	سجدے میں یاں جھکے ہوئے تھے غازیوں کے سر
یہ فوج تھی خدا کی وہ تھا لشکر شمر		اعمال خیر یاں تھے ادھر کید و مکر و شر
ایمان اور کفر میں باہم لڑائی تھی		کعبے پہ کافران عرب کی چڑھائی تھی
پہنے ہوئے تھا بر میں زرہ واں ہر اک شریر	۶۱	یاں بازوؤں پہ حفظ کو تھے جوشن کبیر
جوڑے سے تھے واں کمانوں میں ہر اک جوان و پیر		آہوں کی برچھیاں تھیں ادھر اور دعا کے تیر
شیروں کو ورد نام علیؑ صبح و شام تھا		تسبیح تھی ان کی سیف سپر حق کا نام تھا
پیچھے صفیں درست تھیں آگے شہ انام	۶۲	تسبیح خاک پاک میں ہو جس طرح امام
سجدہ کبھی تھا گاہ قعود اور کبھی سلام		تھے کس حضور قلب سے حاضر وہ تشنہ کام
دربار کبریا میں ہر اک سرفراز تھا		ان کی طرف نماز کا روئے نیاز تھا
حاضر تھی پانچوں وقت اطاعت میں واں نماز	۶۳	ہر دم تھا ان کی صوت حسن پر اذاں کو ناز
قد قامت ان کے قامت موزوں کی سرفراز		تھا باادب رکوع جھکائے سر نیاز
بھیجیں درود ان کی نہ کیوں روح پاک پر		سجدے کا سر ہے آج فلک جن کی خاک پر

۶۴

استادہ تھے قیام اطاعت میں روز و شب
واں خود قعود بیٹھ کے تھا زانوے ادب
شایق قنوت تھا کہ اٹھائیں گے ہاتھ کب
مشتاق تھی دعا کہ ہلیں گے کب ان کے لب
عشق ان سے تھا تشہد عالی کلام کو
تسلیم کرتے تھے ملک اُن کے سلام کو

۶۵

فارغ ہوئے نماز سے جب وہ خدا پرست
کمریں بندھیں کہ ہے یہ لڑائی کا بندوبست
ایک ایک شیر تھا مئے حبّ علیؑ سے مست
تھے عزم یہ کہ فوج ضلالت کو دیں شکست
سر بھی کٹیں تو رن میں قدم گاڑ دیجیے
کوفے کے در پہ جا کے علم گاڑ دیجیے

۶۶

تعقیب فرض صبح ابھی پڑھ رہے تھے شاہ
جو تیر آئے رن سے گئے سوئے خیمہ گاہ
کی مڑ کے شاہ نے رخ عباسؑ پر نگاہ
غازی نے عرض کی کہ بڑھی آتی ہے سپاہ
لازم ہے جنگ خیمہ کی ڈیوڑھی سے دور ہو
روکے انھیں غلام جو حکم حضور ہو

۶۷

شہ نے کیا اشارہ کہ چلتے ہیں ہم بھی اب
آنے دو تیر جانماز پہ جو رضائے رب
چپ رہ گیا یہ سن کے وہ غازی بصد ادب
سجدے میں سر جھکا کے اُٹھے شاہ تشنہ لب
رخصت کو بیبیوں سے علیؑ کا خلف گیا
بیت الشرف میں نیّر برج شرف گیا

۶۸

خیمہ میں جا کے شاہ نے پہنے نئے لباس
ہتھیار جب سجے تو بڑی بیبیوں کو یاس
بانو کا رنگ زرد تھا زینبؑ تھی بے حواس
دامن قبا کا پکڑے سکینہ کھڑی تھی پاس
پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھاریے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

۶۹

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر
کیا بابا جان یاں سے کہیں اور ہے سفر!
اچھا چلو کہ یاں تو ڈری ہوں میں رات بھر
آواز گریہ آئی ہے جنگل سے تا سحر
اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں
اصغر بھی چونک چونک کے جھولے میں روئے ہیں

۷۰

پوچھو پھوپھی بھی سنتی تھیں یا شاہ نامدار
اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی تھی زار زار
صاف آتی تھی صدا مرے بیکس ترے نثار
ہے ہے حسینؑ تیرا گلا اور چھری کی دھار
سوتا ہے کل زمیں پہ مرے رشک ماہ کو
بالوں سے جھاڑ آئی ہوں میں خوابگاہ کو

۷۱

دل کانپتا ہے غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
کیسا ملال خیر ہے یہ دشت ہولناک
جلتی ہے لو کبھی کبھی اڑتی ہے زرد خاک
گریاں رہی تو شب کو میں ہو جاؤں گی ہلاک
جنگل سے لوگ آکے نہ لشکر کو لوٹ لیں
دشمن کہیں نہ فاطمہؑ کے گھر کو لوٹ لیں

۷۲

بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر
اٹھوا دو خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر
کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی ہوں میں رات بھر
ڈرتا ہے دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گہر
کانوں سے بالیاں جو اتارے تو کیا کروں
کوئی طمانچہ آن کے مارے تو کیا کروں

۷۳
ہر دم صدا یہ آتی تھی یا سرورِ زمن
قسمت میں ہے کہ رانڈ بنے اک نئی دلہن
اب گردنیں ہیں آلِ محمدؐ کی اور رسن
بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن
برباد خاندانِ رسولؐ کرم ہو
ڈھل جائے دوپہر تو سکینہؑ یتیم ہو

۷۴
کس کو یتیم کہتے ہیں یا شاہِ دیں پناہ
دکھ کا ہے واں ہیں کہ نہ چشمہ جہاں نہ چاہ
یہ کیا غضب ہے کون سا مجھ سے ہوا گناہ
کیا خوب میہمانیٔ آلِ نبیؐ ہے واہ
فاقہ تو وارث ہے آپ اس کا گلا نہیں
گذرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

۷۵
بیٹی کے اس کلام پہ روئے امامِ دیں
زندہ ابھی تو ہے پدرِ بے کس و حزیں
منہ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں
بی بی نہ رو کہو در نہ جائیں گے ہم کہیں
مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
پانی تمھارے واسطے لینے کو جاتے ہیں

۷۶
اچھا نہ یاں رہیں گے جو لگتا ہے تم کو ڈر
ان بھولی بھولی باتوں پہ قربان ہو پدر
ہم بعد عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
سچ ہے کہ یہ مقام نہایت ہے پرخطر
دشمن ہیں سب امامِ غریب الدیار کے
رکھو! دو ماں کے پاس یہ بُندے اتار کے

۷۷
ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھا دے تمھارے کان
تجھ پر نثار جانِ حسینؑ اے سکینہؑ جان!
فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمھارا ہے مجھ کو دھیان
بن پانی اینٹھی جاتی ہے ننھی سی یہ زبان
اس غم سے مجھ کو صبر نہیں بے قرار ہوں
بی بی تمھارے منہ سے بہت شرمسار ہوں

۷۸
تم تشنہ لب ہو اور ہیں سیراب وحش و طیر
بس اب خدا اٹھائے بہت کی جہاں کی سیر
اپنا جنھیں سمجھتے تھے نکلے وہ لوگ غیر
مانگو دعا کہ باپ کا ہو خاتمہ بخیر
بیکس پہ اب کرم اجلِ نیک پے کرے
شمشیر جلد آج کی منزل کو طے کرے

۷۹
لو لو وداع گود میں اب والدہ کی جاؤ
بھائی سے پھر لپٹ کے ذرا منہ سے منہ ملاؤ
گھٹتا ہے خوں حسینؑ کا آنسو نہ تم بہاؤ
اکبار اور کاکلِ مشکیں کی بو سنگھاؤ
آئیں نہ آج ہم تو سکینہؑ نہ رویو
شب کو پھوپھی کی چھاتی پہ منہ رکھ کے سوئیو

۸۰
بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی میں پدر
بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہِ بحر و بر
جنگل میں چھوڑ کر مجھے جاؤ گے کس کے گھر
یہ پیار آخری ہے مری دل کو ہے خبر
میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ
صغراؑ تو واں چھٹی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ

۸۱
مانوں نہ ایک میں کوئی مجھ سے کہے ہزار
مجھ کو اتارے دیتے ہو گودی سے بار بار
باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہِ نامدار
بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
ہو ہو طبیعت آپ کی مجھ سے ہٹ گئی
اتنی سی عمر میں مری قسمت الٹ گئی

حضرت کے سامنے تو ہے اعدا کا یہ ستم ہوگا نہ جانے کوئی تو رہیں گے کدھر کے ہم ہو لیں گے وہ ظلم جو نہ سنے ہوں جہان میں	۸۲	فاقے پہ فاقہ دکھ پہ ہے دکھ اور غم پہ غم شب کیسی دن کو دشت میں لٹ جائیں گے حرم رسّی گلوں میں ہوگی گلے ریسمان میں
جس دم سکینہ کہنے لگی یہ جہاں گزا کلام قدموں پہ بھی جھکی ہوئی آ لوٹے نیک نام آمادۂ سفر تھا مسافر عراق کا	۸۳	روئے لپٹ کے زینبؑ ناشاد سے امام کھولے سروں کو پیٹتی تھیں بیبیاں تمام تھا شور الوداع کا اور الفراق کا
نکلے حرم سرا سے شہ آسماں شکوہ ہاتھوں پہ سر دھرے تھے جوانان حق پژوہ ایذا تھی عشق شاہ میں چین ان کے واسطے	۸۴	پرنور ہوگئے رخ روشن سے دشت و کوہ حقا کہ بادشاہ عجب تھا عجب گروہ بہر حسینؑ وہ تھے حسینؑ ان کے واسطے
دیندار سرفروش وفادار اہل درد لب پیاس سے کبود تو فاقوں سے رنگ زرد اہل ستم نظر لڑا نہ سکے ان کی چشم سے	۸۵	سرمہ ہے چشم حور کا جن کے قدم کی گرد دم میں مگر صفوں کو الٹ دیں دم نبرد مرجائے ڈر سے شیر کو دیکھیں جو خشم سے
ہر بات میں خشوع و خضوع و فروتنی قبضے میں ہے کمان ہنر ناوک افگنی گر آسماں گرے تو زمیں پر کھڑے رہیں	۸۶	محتاج پر حسینؑ کی دولت سے دل غنی جنگ آزما ہنر ور غا تیغ کے دھنی ٹل جائے کوہ پر قدم ان کے گڑے رہیں
تھا ولولہ جہاد کا مشتاق جنگ تھے راتوں میں بے قرار کمیت و سرنگ تھے گھوڑے اڑا کے تیغ سے بجلی کو طے کریں	۸۷	کمریں کسی کھنچے ہوئے گھوڑوں کے تنگ تھے تھے بحر میں نہنگ تو بن میں پلنگ تھے پانی تو کیا ہے آگ کے دریا کو طے کریں
ان سب کو لے کے آئے جو دشت وغا میں شاہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے جس دم وہ رشک ماہ جلوہ رخوں کا غازیوں کے تا فلک گیا	۸۸	غل تھا عجب شکوہ کا لشکر ہے واہ واہ دیوار نور کھنچ گئی گویا میان راہ بولے ملک زمیں کا ستارا چمک گیا
کھولا جو رن میں حضرت عباسؑ نے علم اڑنے لگا ہوا سے پھریرا جو دم بدم پرچم فزوں تھا حسن میں گیسوئے حور سے	۸۹	رخصت ہوئی نثار تصدق ہوا حشم دشت وغا میں پھیل گئی نکہت ارم خورشید زرد ہوگیا پنجے کے نور سے
ناگاہ کوس حرب بجا فوج میں ادھر گرجا جو طبل رعد پکارا کہ الحذر ڈھالوں کا ابر تھا کہ زمیں تیرہ ہوگئی	۹۰	شور دہل سے آگئے جنبش میں دشت و در قرنا کے غل نے کر دیا گوش سپہر کر تیغوں کی بجلیوں سے نظر خیرہ ہوگئی

۹۱

نکلے دغا کو شہ کے رفیقان بے نظیر
لیکن کہاں قلیل کہاں لشکر کثیر
چمکی ادھر سے تیغ تو برسے ادھر سے تیر
خوں کی شفق میں ڈوب گئے وہ مہ منیر
نے بھوک کا ہراس انہیں تھا نہ پیاس کو
سینوں پہ زخم کھاتے تھے کس کس حواس کو

۹۲

اک بار دس ہزار کمانیں ہوئیں جو زہ
نے تھی شکن جبیں پہ نہ ابرو پہ تھی گرہ
تیر آئے اس طرح کہ برستا ہے جیسے مینہ
تیروں سے غازیوں کی قبائیں بنی زرہ
سو سے جواں پچاس مددگار شہ گئے
باقی بہتر فوج حسینی میں رہ گئے

۹۳

یوں ان کے بیچ میں تھے شہ آسماں جناب
چہروں پہ یہ صفا کہ خجل موتیوں کی آب
جو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب
تھامے شکار بند کوئی اور کوئی رکاب
آنکھیں لڑی ہوئی تھیں صف فوج شام سے
تلواریں اگلی پڑتی تھیں ان کی نیام سے

۹۴

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
ہاتھوں میں زور صف شکنی دل میں شوق جنگ
چہرہ کسی کا غیرت گل کوئی سبز رنگ
وہ موسم شباب جوانی کی وہ امنگ
رگ رگ میں ان کی زور شجاعت بھرا ہوا
آنکھوں میں نشۂ مے وحدت بھرا ہوا

۹۵

نکلے رضا جہاد کی لے کر جو وہ دلیر
انبار دست و پا کے ہوئے اور سروں کے ڈھیر
ہر صف پہ یوں گرے کہ جھپٹتا ہے جیسے شیر
سرکش تھے ڈال کے ان کی زبردستیوں سے زیر
جن کے خدنگ گرتے تھے بکتر کو توڑ کر
بھاگے وہ مثل تیر کمانوں کو چھوڑ کر

۹۶

لڑ کے کئی لڑے کہ جواں خوں میں بھر گئے
بجلی سے تیغے ادھر آئے ادھر گئے
گھوڑوں پہ جو چڑھے تھے سر ان کے اڑ گئے
دو کر دیا اسے تو اسے چار کر گئے
دہشت سے زرد تھے یہ شجاعوں کا رنگ تھا
اسوار کی کمر تھی نہ گھوڑے کا تنگ تھا

۹۷

یکتا تھے جو جواں اجل ان کے دوچار تھی
یارا قرار کا نہ مجال فرار تھی
گرتی ہیں بجلیاں یہی ہر سو پکار تھی
چھوٹے سے نیچوں کی چمک دل کے پار تھی
تھا شور کس جری کے پسر یہ دلیر ہیں
حضرت پکارتے تھے یہ شیروں کے شیر ہیں

۹۸

نصف النہار تک تھا یہ ہنگامۂ جدال
مارا گیا جہاد میں قاسم حسن کا لال
آئی مگر قیامت کبریٰ دم زوال
دولھا کی لاش ہو گئی گھوڑوں سے پائمال
گھر سے نکل کے شہ کی بہن پیٹنے لگی
سہرا بڑھا کے سر کو دولہن پیٹنے لگی

۹۹

لپٹی دولہن سے دولھا کی ماں پھینک کر ردا
بچپن میں رانڈ ہو گئی تو وا مصیبتا
کہتی تھی میں نہ مر گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
ناشاد نامراد بہو میں ترے فدا
یہ داغ تھا نصیب میں بچہ سوگوار کے
رنڈسالہ پہنو بیاہ کا جوڑا اتار کے

۱۰۰

یہ شور تھا کہ آن کے فضہ نے دی خبر
بیٹھے ہو کیا اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
لو سوگوارو لوٹ گئی شاہ کی کمر
مارے گئے فرات پہ عباسؑ نامور
ماتم کرو علیؑ کا بھرا گھر اجڑ گیا
فریاد ہے کہ بھائی سے بھائی بچھڑ گیا

۱۰۱

دوڑیں دلہن کو چھوڑ کے ناموس مصطفا
اٹھی مگر نہ زوجۂ عباسؑ باوفا
کوئی تو ننگے سر تھی کوئی تھی برہنہ پا
دورا ندہ میں بیٹھنے لگیں مسند پہ ایک جا
پرسا دلہن کو دیتی تھی وہ اور دلہن اسے
بانو اسے سنبھالے تھی شہ کی بہن اسے

۱۰۲

روتا تھا ماں کے پاس علمدار کا پسر
چلاتی تھی تڑپ کے سکینہؑ بچشم تر
کہتا تھا ہم یتیم ہوئے مر گئے پدر
لٹ جائیں گی چچی مجھے اس کی نہ تھی خبر
پانی کے مانگنے پہ بہت شرمسار ہوں
ہاہا مری چچی میں تمھارے نثار ہوں

۱۰۳

پرسے سے بیبیوں کو ہوا تھا نہ اب فراغ
پیری میں قہر ہے پسر نوجواں کا داغ
جو رن میں غل ہوا کہ لٹا فاطمہؑ کا باغ
لو گھر ہوا امام دو عالم کا بے چراغ
پہونچے ہیں دیر میں جو تن پاش پاش پہ
آیا ہے غش حسینؑ کو اکبرؑ کی لاش پر

۱۰۴

لکھتا ہے یہ حمید کہ سنتے ہی یہ خبر
اک آسمان نور سے نکلے کئی قمر
سیدانیاں خیام سے دوڑیں برہنہ سر
چہروں پہ تھی یہ ضو کہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
ظاہر تھا صاف سب کے رخوں کی سرشت سے
حوریں نکل پڑی ہیں کھلے سر بہشت سے

۱۰۵

اک بی بی سب کے آگے تھی بکھرائے سر کے بال
ملتا تھا رخ یہ کہتی تھی جب وہ بصد ملال
صورت جو تھی علیؑ کی تو خیر النساؑ کی چال
پالا تھا کن دکھوں سے تجھے ہائے میرے لال
عمد نے کئی دلہن بھی نہ ماں کو دکھا سکے
لے میرے شیر موت کے پنجے میں آ گئے

۱۰۶

آئی جناب فاطمہؑ کی یاں یک صدا
کاٹا ستمگروں نے مرے لال کا گلا
اے زینبؑ اپنے لال کو تو رو رہی ہے کیا
ہیں ننگے سر ہوں دے مجھے پرسا حسینؑ کا
روندیں گے اب سوار تن پاش پاش کو
کس سے کہوں اٹھائے جو بیکس کی لاش کو

۱۰۷

زینبؑ نے بڑھ کے فوج کی جانب جو کی نگاہ
دیکھا کہ ہے سناں پہ سر شاہ دیں پناہ
سے یہ حسینؑ کہہ کے گری وہ باشک و آہ
چلائی ہائے خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
ہم سب کے چھین اب تو افلاک ٹھہر گئے
ہاہا جہاں سے پنجتن پاک اٹھ گئے

۱۰۸

لوٹا بلا کے گھر سے محمدؐ کی آل کو
سب سے کفن دیا بھی نہ زہراؑ کے لال کو
پیاسا کیا شہید شہ خوش خصال کو
لو گھر جبر کر دو اسد ذوالجلال کو
دیکھیں لہو نہ زخم تن پاش پاش کے
ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے

۱۰۹

لاشے کے گرد جمع تھے ارواح انبیاء — سر پیٹتے تھے غم میں نواسے کے مصطفیٰ
دامن تلک تھا چاک گریبان مرتضیٰؑ — بے بے حسینؑ کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰؑ
زہرا پچھاڑیں کھاتی تھیں دلبر کی لاش پر — برپا تھا حشر شافع محشر کی لاش پر

۱۱۰

اب اے انیسؔ سبط نبیؐ سے یہ عرض کر — بلوائیے مزار پہ یا شاہ بحر و بر
کب تک پھرے غلام زمانے میں دربدر — یہ عمر پنج روزہ اسی در پہ ہو بسر
واں خاک ہو اگر تو عجب مرتبا ملے — بس اک لحد کی صحن مقدس میں جا ملے

سلام

آ کے جو بزم عزا میں رو گئے — مجرئی وہ فرد عصیاں دھو گئے
یاد آیا دامن مادر کا چین — پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے
اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر — سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے
موت آئی ہے مجتو الفراق — آج وعدے سب برابر ہو گئے
ہاتھ سے جاتا رہا نقد حیات — جان دے کر آئے بے جاں ہو گئے
عالم فانی میں کیا تم کو ملا — اور جو کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے
راحت آباد عدم ہے خوب جا — پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے
ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر — دست و پا عابد کے ٹھنڈے ہو گئے

قطعہ

چھد گیا مثل گہر ناوک سے حلق — لعل سی جاں اپنی اصغرؑ کھو گئے
خون گردن سے جو نکلا گرم گرم — بھر کے آہ سرد ٹھنڈے ہو گئے
آ کے تربت پر پکارے شاہ دیں — ہائے آج اصغرؑ اکیلے ہو گئے
عالم پیری میں یہ غفلت انیسؔ — رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

رباعی

رونے کا رسولؐ حق صلا دیتے ہیں — شیعوں کو ملائکہ دعا دیتے ہیں
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کر آنسو — ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بجھا دیتے ہیں

رباعی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
کیوں رک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

رباعی

دنیا میں ہیں علی کے پیارے ایسے
کہتا ہے یہ عزا کو افلاک نے بھی
رضواں ہے فدا کل ہیں یہ سارے ایسے
دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

رباعی

حاصل جو شہ دیں کی حضوری ہو جائے
قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت
لاکھوں منزل سفر سے دوری ہو جائے
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

رباعی

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
اس طول امل سے فائدہ کیا
انجام پہ اک ذرا نظر کر
کل کوچ ہے قصہ مختصر کر

رباعی

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا
ناداں تجھے فکر آب و دانے کی ہے
آنا تیرا دیس جانے کی ہے

رباعی

مداح شہ بر و بحر ہم ہیں
گر دل میں ہزاروں در مضموں ہیں مگر
ہر عیب و غرور سے مبرا ہم ہیں
خاموش بلسان لب دریا ہم ہیں

رباعی

ماں کہتی تھی راحت نہ تمہیں آہ ملی
ماں صدقے ہو تم برس دن نہ جیئے
تصویر تری خاک میں لے ماہ ملی
اصغرؑ تمہیں عمر ایسی کوتاہ ملی

رباعی

یاں دولت نقش مصطفیٰ دیویں گے
ہو گا جو تو گوشہ گیر مثل اژدر
توقیر شرف شیر خدا دیویں گے
مردم آنکھوں میں تجھ کو جا دیویں گے

رباعی

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے
سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا وائے نصیب
تاریکی سے بیکسوں کے دم بند ہوئے
بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

مرثیہ ۱

حضرت سے جب برادرِ خوش خو جدا ہوا
تنہا ہوئے زینب پہلو جدا ہوا
جو گھر کی روشنی تھا وہ مہشر جدا ہوا
جن سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا
تیغِ خزاں چلی شہِ مرداں کے باغ میں
ٹوٹی کمر حسینؑ کی بھائی کے داغ میں

۲

دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتم خدا دکھائے
پوچھو اسی کے دل سے کمر جس کی ٹوٹ جائے
فرماتے تھے پسر سے یہ رو رو کے ہائے ہائے
اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لائے
عباسؑ کیا جدا ہوئے گھر میرا لٹ گیا
بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا

۳

اعدا میں شور تھا کہ اکیلے ہوئے امام
وہ مر گیا کہ جس سے لرزتا تھا روم و شام
تھا لشکروں کو خوف علمدار نیک نام
بیکس ہوئے حسینؑ لڑائی ہوئی تمام
کیا ہو سکے گا اب شہِ گردوں اساس سے
اک نوجواں پسر ہے وہ مرتا ہے پیاس سے

۴

غصے سے کانپتے تھے علیؑ اکبرِ دلیر
تکتے تھے رو کے فوج کو ہر دم مثالِ شیر
کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر
میں تو خدا کی راہ میں ہوں زندگی سے سیر
عباسؑ جلد قافلہ والوں سے جا ملے
مشکل ہے دیکھئے ہمیں کیونکر رضا ملے

۵

دیکھا امامِ دیں نے کہ ہے غیظ میں پسر
تیغِ علیؑ کو ٹیک کے اٹھے بچشمِ تر
فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر
ہے شادیِ شہادتِ عباسؑ نامور
اعدا کو ہے خوشی ہمیں جتنا ملال ہو
تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو

۶

قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مہ جبیں
کب تک غلام صبر کرے یا امامِ دیں
مجھ کو سنا سنا کے یہ کہتے ہیں اہلِ کیں
اب فاطمہؑ کے لال کا یاور کوئی نہیں
پیاسے جو ہوں وہ جان کو کھوتے نہیں ہیں کیا
ہم شیرِ کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا

۷

اچھا نہیں جو کہتے ہیں بڑھ بڑھ کے بد خصال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال
لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پائمال
میداں سے ہم ڈرے کہ دلاور کہاں گئے
لاشے کہاں تڑپتے رہے سر کہاں گئے

۸

ہم حق پہ ہیں تو پھر ہمیں مرنے سے کیا ہراس
فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
صابر ہیں بندگانِ شہنشاہِ حق شناس
لب تشنہ جائیں گے یونہیں کوثر پہ جد کے پاس
پیاسے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں

۹

پانی سے کیا انہیں جنہیں ہے آبرو کا دھیان
ہم اور سوالِ آب کریں گے خدا کی شان
گو لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں پہ جان
ہونٹوں پہ بھی پھرائیں نہ سوکھی ہوئی زبان
ابرِ عطا و فیض ہیں دریا نوال ہیں
کوثر کو جو لٹائے گا ہم اس کے لال ہیں

۱۰

دیکھا حسینؑ نے کہ رکے گا نہ دلربا
کی عرض دم بدم یہی خالق سے ہے دعا
رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مروں گا
فرمایا لاؤ اپنی پھوپھی جان سے رضا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
جلدی کرو کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو

۱۱

خیمے میں آئے اکبرؑ مہرو جھکا کے سر
رو کر کہا کہو مرے بھائی کی کچھ خبر
لپٹا لیا کلیجے سے زینبؑ نے دوڑ کر
اکبرؑ نے عرض کی تن تنہا ہیں اب پدر
رونے کی جا ہے قبلۂ و کعبہ کے حال پر
سب فوج کی چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

۱۲

یہ تین دن کی پیاس یہ دھوپ اور یہ زوال
تیغوں پہ تیغیں سامنے ہیں ڈھال پر ہے ڈھال
نیلے ہیں ہونٹھ زرد ہے رخ ضعف ہے کمال
چلے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بدخصال
اتنا کوئی نہیں ہے کہ سینہ سپر کرے
تیروں کی اب مہم ہے خدا اس کو سر کرے

۱۳

یہ سن کے پیٹنے لگی زینبؑ جگر فگار
بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار
رانڈوں میں وا حسینؑ کی ہر سو ہوئی پکار
تم رن سے ایسے وقت میں کیوں آئے میں نثار
ماں صدقے ہے رنڈاپے کا پیغام لائے ہو
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو

۱۴

میں مر گئی یہی کیا جب چلے آئے بے حواس
ہے ہے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ بھوک پیاس
چھوڑ آئے کس کو تیغوں میں سبط نبیؐ کے پاس
کیا کہتے ہوں گے دل میں شہنشاہ حق شناس
کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں
سچ ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں

۱۵

کیسا لہو سفید ہے دنیا کا ہائے ہائے
یوں ناز اٹھا اٹھا کے جو پالے وہ تیر کھائے
بیٹا جواں باپ کو آفت میں چھوڑ آئے
سیدؑ تری مدد کو یہ لونڈی کسے بلائے
کیا وقت ہے نثار شہِ مشرقین کے
کاٹے مرا گلا کوئی بدلے حسینؑ کے

۱۶

بتلاؤ پاس سب ہیں رفیقان پر جگر
قائم کیے ہیں سینے کو تلواروں کو سپر
بھائی ہے دور وہ تو نہیں عباسؑ نامور
زینبؑ کے دونوں چاند ہیں پہلو میں جلوہ گر
تم گھر میں آئے گر تو مجھے کچھ گلا نہیں
تنہا تو نور چشم رسول خدا نہیں

۱۷

بچے نہیں جواں ہو بہادر ہو میں نثار
یہ معرکہ یہ جنگ ہے دنیا میں یادگار
بھولو پھوپھی کو دل سے اٹھا دو ہمارا پیار
یہ موت زندگی ہے عبادت یہ کارزار
جینا ہے تب جو فاطمہؑ کا مہ لقا جیے
اچھا پدر کو کھو کے جیے گر تو کیا جیے

۱۸

کہتی ہوں صاف میں کہ نہ بھائے مجھے یہ طور
عاقل وہ ہے آل کی جانب کرے جو غور
میں منہ نہ دیکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
مر جاتے ہیں وغا میں صفیں توڑ توڑ کے
گھر میں کبھی مرد آتے ہیں میدان چھوڑ کے

۱۹
گھر کیسا ماں کہاں کی تمھیں کیا کسی سے کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
نیزوں میں باپ گھر میں جگر بند تشنہ کام
پھر آبرو رہے گی مری اور تمھارا نام
ہاں ہو کے میں کہوں تمھیں کیونکر یہ دھیان ہو
جاؤ سدھارو نام خدا اب جواں ہو

۲۰
یہ کہہ کے منہ کو ڈھانپ کے رونے لگی وہ نوحہ گر
کہنے لگیں یہ حضرت زینبؑ جھکا کے سر
اکبر نے کی پھوپھی کی طرف یاس سے نظر
حق ہے یہ سب جو کہتی ہیں بانوئے نامور
گھر لٹ رہا ہے کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
واری نہ سمجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں

۲۱
بن آئے تم سے جو وہ کرو اے پھوپھی کی جان
آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجوان
حافظ علی خدا و پیمبر نگاہبان
میرا ہے سب قصور یہ ہے والدہ کو دھیان
جو خود لہو گرائے پسینے پہ باپ کے
وہ تیر کیسے دیکھے گا سینے پہ باپ کے

۲۲
عمو سے پہلے تھی مجھے مرنے کی آرزو
سو سو طرح سے کی در مطلب کی جستجو
چارہ ہے کیا رضا جو نہ دیں شاہ نیک خو
کھوتا ہے کوئی دیدہ و دانستہ آبرو
میں اور سر نہ شہ کے قدم پر فدا کروں
لکھی ہو بخت میں جو ندامت تو کیا کروں

۲۳
جب میں گرا قدم پہ کہا ماں سے اذن لاؤ
رن کی طرف بڑھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینبؑ سے پوچھ آؤ
باقی ہیں اور لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ
میں کس طرح کہوں کہ سدھارو سوار ہو
دونوں خوشی سے دیں جو رضا تب سوار ہو

۲۴
اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری
رگ رگ میں ہے لہو کے عوض زور حیدری
دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفدری
ہمسا بھی دوسرا کوئی دنیا میں ہے جری
اس کو ہراس کیا ہو جو شیر دل کا شیر ہو
بخشیں نہ آپ دودھ جو مرنے میں دیر ہو

۲۵
تسلیم کو جھکا جو یہ کہہ کر وہ سیمبر
ماں کو یقیں ہوا کہ چلا اب جواں پسر
بنت علی زمیں پہ گری تھام کر جگر
پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر
اتنا تو منہ سے کہہ دو کہ رن سے کب آؤ گے
واری مرے گلے سے نہ کیا مل کے جاؤ گے

۲۶
قدموں پہ ماں کے جھک گیا بڑھ کر وہ نونہال
کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں سے میرے لال
رخ کی بلائیں لے کے یہ بولی وہ خوش خصال
اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال
حد قدر یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں
خادم ہوں جاں نثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

۲۷
بولا ہے پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب
احسان کیا غلام پہ اے آسماں جناب
بخشیے قصور تا بہ جہاں تاب آفتاب
کیجیے دعا کہ اب ہوں شہادت میں کامیاب
ہیں آپ بھی نہایت غم و اندوہ و یاس میں
اب دودھ بخشیے کہ آقا ہیں پیاس میں

۲۸
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار — میں صدقے تم پہ اور مرے ماں باپ بھی نثار
کیا دودھ ایسی چیز ہے بخشا ہزار بار — ماں کو دعائیں دے کے یہ بولا وہ ذی وقار
اب دل سے دور رنج و غم و درد ہو گیا — تر ہو گئی زبان جگر سرد ہو گیا

۲۹
باندھے کمر جو خیمے سے نکلا وہ گلبدن — دیکھا کہ قبلہ رو ہیں شہنشاہ بے وطن
عمامہ دست پاک پہ ہے لب پہ یہ سخن — اکبرؑ کو بہرہ یاب کر اے رب ذوالمنن
بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ماں اضطراب میں — یارب خلل نہ ہو کہیں کار ثواب میں

۳۰
اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہے گلعذار — پالا جو ہے دکھوں سے پھوپھی اس پہ ہے نثار
ماں مامتا کی آنچ سے ہووے گی بے قرار — تو صبر کر عطا، نہیں لے میرے کردگار
فرقت ہو اس کی تلخ جو فرزند اہل ہو — ہاں تو مدد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو

۳۱
سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد — آساں اس امر صعب کو بھی کر دے یا احد
اکثر جہاں میں ترے بندے ہیں لا ولد — مجھ پر تو وہ کرم ہے کہ جس کی نہیں ہے حد
نانا نبیؐ ہے باپ علیؑ ماں بتولؑ ہے — بیٹا بھی وہ دیا جو شبیہ رسولؐ ہے

۳۲
ہو جائے بہر شکر جو ہر موئے تن زباں — شمہ نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
اے خالق زمین و زماں رب انس و جاں — لاتا ہے نذر بندۂ مسکین و ناتواں
دیتا ہوں واسطہ میں جناب امیرؑ کا — مقبول بارگاہ ہو ہدیہ فقیر کا

۳۳
بعد اس دعا کے چپ جو ہوئے شاہ نامدار — حضرت کے پاس جا کے یہ بولا وہ گلعذار
لایا غلام رخصت میدان کارزار — فرمایا صاف ہوتا ہے چہرے سے آشکار
مشکل سے سہل جس کو بھروسا خدا کا ہے — اے مہ لقا اثر یہ ہماری دعا کا ہے

۳۴
طے ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقیں نہ تھا — مجمل تو کچھ کہو تمہیں کیوں کر ملی رضا
کی عرض سن کے بیکسیٔ شاہ کربلا — اماں نے اور پھوپھی نے تڑپ کر یہی کہا
چلتے ہیں تیر قبلۂ عالم پناہ پر — دوڑو سپر ہو فاطمہؑ زہرا کے ماہ پر

۳۵
بنت علیؑ یہ کہتی تھیں مجھ سے بصد قلق — کام آؤ شہ کے ہے یہ مرے پالنے کا حق
تھا فرط غم سے والدہ صاحب کا رنگ فق — ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
بے خود وہ تھیں غم شہ عالیجناب میں — خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں

۳۶
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ نیک ذات — حقا کہ ہیں وہ بیبیاں ایسی ہی خوش صفات
دنیا میں یوں لٹائے کوئی ایسی کائنات — ان کی محبتیں ہیں نہ بھولوں گا تا حیات
کیوں کر نہ ہو کہ دونوں میں خو ہے بتولؑ کی — بیٹی ہے ایک ایک بہو ہے بتولؑ کی

۳۷

یہ کہکے دونوں ہاتھ بڑھائے سوئے پسر — اکبر نے جھک کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر

بازو پکڑ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر — بیٹا لو گلے سے کہ بیتاب ہے جگر

اے نور عین ہجر ترا مجھ پہ شاق ہے — تیرا سفر رسولؐ خدا کا فراق ہے

۳۸

لپٹا پدر سے اٹھ کے وہ آغوش کا پلا — بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہ کربلا

سونگھے لبوں پہ رکھ دیے لب منہ پہ منہ ملا — چوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا

نکہت جو سر بسر تھی رسولؐ کریم کی — بو سونگھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی

۳۹

فرماتے تھے فدا ترے اے گلبدن جواں — میرے حسیں جوان مرے گل پیرہن جواں

صفدر جواں شکیل جواں تیغ زن جواں — پیارے مرے جواں مرے شیریں سخن جواں

عالم میں اس طرح کے بھی خوشرو نہیں ہوئے — قاقوں کی نیتوں میں ترشرو نہیں ہوئے

۴۰

اے ثانی رسولؐ فلک جاہ الفراق! — اے شیر بیشۂ اسد اللہ الفراق

اے شہسوار عرصۂ جنگاہ الفراق — درپیش ہے ہمیں بھی یہی راہ الفراق

سیر بہشت و خلد مبارک ہو آپ کو — کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو

۴۱

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادۂ زماں — آنکھوں میں پھر گیا شب معراج کا سماں

قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں — اللہ رے رعب حق کہ اٹھا شور الاماں

بڑھتے ہی راہ گلشن فردوس کھل گئی — رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی

۴۲

وہ شان وہ شکوہ وہ اقبال وہ جمال — گویا پئے جہاد چلے شیر ذوالجلال

گرمی سے تھا جو چاند سے چہرے کا رنگ لال — خورشید کو نہ آنکھ ملانے کی تھی مجال

غصے کی وہ نظر کہ خدا کا عتاب تھا — انساں تو کیا ہزبر کا زہرہ بھی آب تھا

۴۳

قامت کے آگے پست ہے سرو روان باغ — رخسار ہیں شگفتہ گل ارغوان باغ

خوشبو سے بس گیا تھا بیاباں بسان باغ — سبزہ میں پھول ہوتے ہیں اکثر میان باغ

کیا خوشنما ہے خط رخ جان بتولؑ پر — دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

۴۴

غنچے ہزار ہوں تو نثار دہان تنگ — نازک لبوں میں سب سے لب مصطفیٰ کا رنگ

یاقوت کیا ہے سامنے ان کے ہو وہ بھی دنگ — دل خوں ہوا اگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ

وہ کون سا نگیں ہے جو تشبیہ میں مقال ہے — ہاں اس کا جوہری ہے تو زہراؑ کا لعل ہے

۴۵

دشمن ہوئی جماعت نا اہل دیکھ دغا — زخمی ہوئے وہ کب یہ جفا پر ہوئی جفا

دندان صاف گوہر دندان مصطفیٰ — نے برق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا

گیسو ہلے ہوا سے تو سنبل مہک گئے — جب ہنس کے بات کی تو ستارے چمک گئے

۴۶
وہ شہسوار اور وہ سمند فلک نورد
بازار برق گرم روانی سے اس کی سرد
پائی کبھی صبا نے نہ جس کے قدم کی گرد
یوں چال میں پری تو چھلاوا دم نبرد
اس کی سبک روی سے خجالت سحاب کو
دریا یہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

۴۷
نیزے کو گاڑ کر جو رجز خواں ہوئے جناب
فق تھا کسی کا رنگ تو زہرہ کسی کا آب
یاد آ گئی ہر اک کو صدائے ابو تراب
پھٹنے لگیں صفیں یہ ہوا دل کو اضطراب
گھبرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے
جو مورچے یہاں تھے سرک کر وہاں گئے

۴۸
تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
چمکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسمان کے پار
لی میان سے دلیر نے شمشیر آبدار
اترا کئی صفوں کے ادھر اڑ کے راہوار
پہونچے تھے کم ابھی نہ برابر زمین پر
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمین پر

۴۹
پھر تو بھی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
تلوار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف
وہ شیر ہر جگہ تھا لڑائی تھی ہر طرف
مثل صبا فرس کی رسائی تھی ہر طرف
سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
بجلی کہاں نہ تھی وہ چھلاوا کہاں نہ تھا

۵۰
موت آئی اس پرے پہ جہاں ناگہاں گئے
توڑا یہ مورچہ وہ صف الٹی وہاں گئے
زخمی کیا فنا کیا مارا جہاں گئے
حیرت تھی فوج کو کدھر آئے کہاں گئے
راکب سے شکل سامنے ہے راہوار کی
غل تھا یہ رانِ پاک ہے دلدل سوار کی

۵۱
اللہ ری ضرب تیغ صفاہانی جری
خالی کیے پرے پہ نہ خوں میں کبھی بھری
سر اڑ گئے تنوں سے چلی جب وہ سرسری
دعویٰ یہ تھا کہ ہے مرے حصے میں صفدری
گو خوں سے لالہ رنگ پہ نسبت مصاف ہے
جو چاہے دیکھ لے مرا منہ آپ صاف ہے

۵۲
فوجوں کو دے جواب وہ تیزی زبان میں
پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں
ترکش میں چھوٹے تیر نہ چلے کمان میں
نازل ہوا تھا آیہ برق اس کی شان میں
بے تیغ پھیر لی تھی نہ منہ کارزار سے
دعوائے ہمسری تھا اسے ذوالفقار سے

۵۳
جوہر وہی برش کا وہی طور خم وہی
چلنا اسی طرح کا چمک دمبدم وہی
تیزی وہی غضب کی وہی کھاٹ دم وہی
رنگت زمردی وہی پانی میں سم وہی
بے مثل آبرو میں ہر اک حالت میں نیک تھی
مل جائیں دو زبانیں بھی اس کو تو ایک تھی

۵۴
پڑتا تھا میلہ جو چمک کر ادھر ادھر
کٹ کٹ کر تنوں سے پڑے تھے سر ادھر ادھر
چل جاتے تھے کلیجوں پہ خنجر ادھر ادھر
زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر ادھر
رکتا نہ تھا سمند کہیں اونچ نیچ میں
ندی لہو کی بہتی تھی لشکر کے بیچ میں

۵۵

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
اللہ ری برق شرق کہ بجلی بھی دنگ تھی
کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی
چمکی کسی سوار پہ جب زیر جنگ تھی
جو کھینچتے ہیں سر وہی پامال رہتے ہیں
نام آوروں کی تیغوں کے منہ لال رہتے ہیں

۵۶

کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جا بجا
گوشوں میں گور، خوں کو چھپاتے تھے جا بجا
تودے کمانوں کے نظر آتے تھے جا بجا
لیکن سروں پہ تیغ کو پاتے تھے جا بجا
بھاگیں نہ کس طرح قدر انداز سہم کے
واں تیر کیا کہ چلتے تھے پر مرغ وہم کے

۵۷

بے رخ کمانیں تیروں سے چلّے کماں سے دور
برچھی سے پھل گرے ہٹے نیزے سناں سے دور
مرغان تیر تھے ہوئے آشیاں سے دور
تیروں سے عقل دور تہور جواں سے دور
رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پائمال تھیں
کاندھوں پہ روسیاہوں کے ڈھالیں نڈھال تھیں

۵۸

بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پہ ٹال کے
تلواریں منہ چھپاتی تھیں دامن میں ڈھال کے
بھالے چھپے تھے امن کی جا دیکھ بھال کے
زرہیں تھیں یا کھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
چار آئنہ پڑے تھے زمیں پر کٹے ہوئے
لٹکے تھے جوشنوں کے گریباں پھٹے ہوئے

۵۹

کس کے لئے دغا میں وہ تلوار سم نہ تھی
کس کی سپر سمیت کلائی قلم نہ تھی
آتے ہی کاٹ جانے میں افعی سے کم نہ تھی
منہ پر کسی جواں کے سلامت بھلم نہ تھی
فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشت مصاف تھا
چہروں کے کاٹ دینے میں کیا ہاتھ صاف تھا

۶۰

جس صف پہ آئی کاٹ گئی خود سروں کے ہاتھ
فرماتے تھے اڑا کے برابر پروں کے ہاتھ
تھرا رہے تھے خوف سے نام آوروں کے ہاتھ
چلتے ہیں کارزار میں یوں صفدروں کے ہاتھ
پھیر اک مانتے نہیں دریا کے شور کو
دکھا رہے تھے تھکے ہوئے ہاتھوں کے زور کو

۶۱

میں جاں بلب وہی ہوں جو مرتا تھا پیاس سے
کیوں دور بھاگے جاتے ہو شیر دل کے پاس سے
دیکھو لڑا ہوں لاکھوں میں کس کس حواس سے
مارو کسے کہ ڈرتے ہو تم خود ہراس سے
کیوں منہ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
تلوار سے مرو کہ جوانوں میں نام ہو

۶۲

ہاں میں اسد ہوں بحر وغا میں نہنگ ہوں
مشتاق زخم نیزہ و تیغ و خدنگ ہوں
حیدر تھے شیر حق تو میں ضرغام جنگ ہوں
بھاگے ہو چار آئنہ باندھے میں دنگ ہوں
میں دق ہوں اور تمہیں نہ ہزیمت کی جی لگے
دل کھول کر لڑو کہ لڑائی میں جی لگے

۶۳

بچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیف زباں کے وار
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے تھے بار بار
کٹ کٹ کے سر جھکاتے تھے لشکر کے نامدار
کیا تاب تھی کرے جو کوئی مڑ کے آنکھ چار
زہرے تھے آب غیظ جو تھا اس جناب کو
گھورا ہے شپرک نے کبھی آفتاب کو

۶۴

دق تھے مبارزان رے و روم و مصر و شام
بجلی سی کوندتی تھی ادھر اور ادھر حسام
غل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
یہ گر کے مر گیا تو وہ پس کر ہوا تمام
وہ بھی قریب مرگ تھے جو دور دور تھے
کاسے سروں کے گھوڑے کی ٹاپوں سے چور تھے

۶۵

جب صف پہ نیزہ بازوں کی اڑ کر گیا سمند
سر پہ اٹھے کہ ہو گئے رستے ادھر کے بند
جی سن سے ہو گیا کہ یہ گھوڑا ہے یا پرند
ہر دم تھی تیغ عقدہ کشا کی برش دو چند
نیزے ستم کے چار طرف تل کے رہ گئے
عقدے تھے جتنے بند وہ سب کھل کے رہ گئے

۶۶

گرمے کہیں پھریرے تو نشاں سے تھے سرنگوں
بہیا ہوئی ادا یہ برسا زمیں پہ خوں
ثابت الف نہ تیروں کے تھے نے کماں کے نوں
چلاتے تھے زمیں پہ تڑپ کر سپہ دروں
گھبرائے ہیں پیادوں کے دل اس کی کاٹ سے
ندی چڑھی ہوئی ہے سرک جاؤ گھاٹ سے

۶۷

خالی کئے دلیر نے جنگل بھرے ہوئے
سر یوں گرے ادھر تھے جو جو دل بھرے ہوئے
لہرا رہے تھے خون سے جل تھل بھرے ہوئے
جیسے کبھی برستے ہیں بادل بھرے ہوئے
اس زور شور سے کوئی لڑتا نہیں کبھی
یوں ڈونگرا اساڑھ میں پڑتا نہیں کبھی

۶۸

چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی ہر سو گھٹا سیاہ
چھپنے کی نے جگہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ
بجلی چمک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
ندی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا سب تباہ
جو گھاٹ پر تھا خون میں وہ شور بور تھا
سارا یہ تیغ تیز کے پانی کا زور تھا

۶۹

چلا رہا تھا یوں پسر سعد کینہ جو
جاتا ہے تین روز کا پیاسا کنار جو
کس سے کہوں بہائے جو اس شیر کا لہو
جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
گھیرو کرو ہاں نیزوں کی انی شتاب کو
کیوں خاک میں ملاتے ہو موتی کی آب کو

۷۰

نام آوروں کو چاہیے عزت کا اب خیال
حاضر ہے خلعت و زر و جاگیر و اسپ و مال
کر دو ریاض فاطمہ زہرا کو پائمال
خون اس کا جو بہائے طلا سے بھرے وہ ڈھال
باقی بہادروں میں یہی نور عین ہے
خنجر ہے پھیر دو اور گلوئے حسینؑ ہے

۷۱

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوان روم
سرہنگ و پر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم
گیتی کے چار دانگ میں تھی جس کی کشتی کی دھوم
لنگر سے جس کے ہل گئے مقتل کے مرز و بوم
مرحب تھا کفر و شر میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

۷۲

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام
موذی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ فام
تھرائے سام خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
کھاتا تھا لاکھوں بل جو کوئی لے علیؑ کا نام
گندہ ستم کے قہر کا پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

۷۳

کیا ذکر خود کا سر و گردن کا کیا حساب
گویا تھا اک قرابۂ معکوس پر شراب
سینے کے سب تمغے کواڑ کہ خیبر کا بند باب
تنور گرم تھا شکم خانماں خراب
راتب شقی کا رزق سپاہ یزید کا
تھا بار بار نعرۂ ہل من مزید کا

۷۴

کرتے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
دستانے دونوں دست تعدی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

۷۵

اکبرؑ بھی مسکرائے شکر کو دیکھ کر
فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور
ہمت پکاری اے اسد حق کے شیر نر
یہ نابکار آئے تو جاتا ہے اب کدھر
جوشن سمیت کیجیے دو ایک حسام میں
لائی ہے موت دیو کو لوہے کے دام میں

۷۶

بڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ ستم شعار
چلنے لگے ادھر سے بھی تیغ زباں کے وار
بھولا کلام زور تعلّی وہ نابکار
لب کیا ہلے کہ چل گئی حیدرؑ کی ذوالفقار
گویا ہوں یہ تو کس کو مجال سخن ملے
منہ پھر گیا جواب وہ دنداں شکن ملے

۷۷

فرمایا ہم سے کر کی باتیں خدا کی شان
نیزے سے چھید لیتے ہیں کذاب کی زبان
روباہ اور شیر کے بچوں کا امتحان
کیا تاب کیا مجال ہے اور کیا کسی کی جان
بے تیغ اگر بڑھوں تو ابھی تو ہلاک ہو
ٹکڑوں کو ریزہ کرکے تو پیوند خاک ہو

۷۸

ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
جو سر بلند تھے انہیں ہم نے کیا ہے پست
عمرو ابن عبدود سے دلاور کو دی شکست
ہاں دیکھنے کا یہ تن و توش اور شکم پرست
بالا کو پست پست کو بالا نہ جانیو!
تلواریں کھانا منہ کا نوالا نہ جانیو!

۷۹

لادا ہے تو نے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر
آہن ہے اپنی تیغ کے آگے خیار تر
ظالم سبھی خرابی خیبر کی ہے خبر
مرحب کو کس نے چھید دیا جانب سقر
کیا جانے جس کو شیروں سے پالا پڑا نہ ہو
لوہا ہے نرم موم سے جب دل کڑا نہ ہو

۸۰

ان جودتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کند
بھاری سبق تھا بھول گیا سب نوشت و خواند
بڑھ کر جو دل بڑھانے لگے افسران جند
آیا اڑا کے رخش کو وہ مثل باد تند
برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
اکبرؑ ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے

۸۱

نیزے سے بلے وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں
ہر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر تکاں
چنگاریاں اڑیں جو سناں سے لڑی سناں
وہ اژدہے سے گتھتے تھے نکالے ہوئے زباں
پھیلے شرر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لَویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

٨٢

ان کی طرف خدا تھا ادھر لشکر غنیم
وہ کفر میں قوی یہ رہ حق میں مستقیم
سردار شام سب تھے میان امید و بیم
دونوں طرف سے تھی کشش و کوشش عظیم
ہانپے تھے دبلے ہوئے گھوڑوں کی گشت سے
خاک آسماں پہ جاتی تھی اڑ اڑ کے دشت سے

٨٣

گھوڑا تھا یا چھلکتی تھی بجلی ادھر ادھر
غل تھا شکار بند ہے یہ یا ہما کے پر
گر منہ کفل پہ تھا کبھی پہنچے قریب سر
بے استخواں ہے اسپ جہاں سیر کی کمر
سب ان سے زیردست ہیں جو ذی کمال ہیں
یہ شہسوار دوش محمدؐ کے لال ہیں

٨٤

ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
کیا لے نیزہ بازی میں تھا بار بار بند
بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
جوڑوں سے نیلگوں سے تھے جدا جو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نے دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہو بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

٨٥

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان
اللہ رے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان
گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبرؑ نے دی تکان
دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
نیزے کے ساتھ شور اٹھا اس گروہ کو
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

٨٦

نیزہ اڑا چکا تھا پکارا وہ شہسوار
حربوں کی دور سے ہے دلیروں کو ننگ و عار
دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
جوہر کھلیں جو تیغ ہے دم بھی ہو کارزار
گر زور کو خدا نے زبردست کر دیا
یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا

٨٧

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
بدلا تھا اس نے ٹھاٹھ کہ چمکی ادھر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی
جب ہاتھ اٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی

٨٨

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال
سر کو بچا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال
شانے پہ آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بدخصال
روکے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

٨٩

شمشیر تیز سن سے جو آئی جھجک گیا
جل کے کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا
ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا
ناری ہے نور حق سے کہاں بچ کے جائے گا
اک دم میں تیغ تیز کا پانی بجھائے گا

٩٠

دونوں طرف دغا سے بڑی جد و کد ہوئی
تائید کی خدا نے علیؑ کی مدد ہوئی
پر ڈھال بھر تیغ سکندر کی سد ہوئی
جو اس نے ضرب کی وہ سر دست رد ہوئی
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے
اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

۹۱

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار
جنگ آزمودہ آتش سوزندہ آبدار
تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی دھار
جس دن سے اتری سان سے رن پر چڑھی رہی
اکبرؑ سے بھی دغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

۹۲

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال
تلوار کو اٹھا کے پکارا علیؑ کا لال
پر شہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال
ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ او زبوں خصال
پسپا نہ ہو لعین یہی وقت نبرد ہے
رد کر ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

۹۳

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریب سر
مغفر سے سر میں تھی سر و گردن سے صدر پر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
سینے سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

۹۴

قربان تیغ تہنیت دل بادشاہ دیں
پاکھر و دست تھی نہ سلامت تھا صدر زیں
گذری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں
دو ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعیں
کانپا سمند پانوں کو ریتی میں گاڑ کے
پھٹ کر گرے زمین پہ ٹکڑے پہاڑ کے

۹۵

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہسار
چلائے شاہ دیں کہ میں اس ضرب کے نثار
یاد آیا جبرئیلؑ کو دست خدا کا وار
فاقے میں تین دن کے یہ جھیلے یہ کارزار
بجلی گری ہو تیغ شقی پر چلی نہیں
افسوس ہے کہ آج جہاں میں علیؑ نہیں

۹۶

تسلیم کر کے شہ کو پکارا وہ نوجواں
تالو سے خشک اینٹھ گئی ہے مری زباں
اب پیاس مارے ڈالتی ہے یا شہ زماں
جلتا ہے دل کلیجے سے اٹھتا ہے جیسے دھواں
دریا پہ قتل ہوتا ہوں میں لحظہ آب سے
ہتھیار گرم ہیں تپش آفتاب سے

۹۷

ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہے ہائے ہائے
کیجئے دعا کہ جلد شہادت غلام پائے
پانی زرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
اکبرؑ پہ آبرو سوئے کوثر جہاں سے جائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو
اب موت سے خبر تو ہماری حیات ہو

۹۸

چھپ کے ابر شام میں ڈوبا وہ رشک ماہ
پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سب سپاہ
یوں چمکی پھر وہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
کیسی یہ ران باگ تھی کیا شہسوار تھا
ڈوبا جہاں سمند تو فوجوں کے پار تھا

۹۹

شمر اس طرف کو تھا عمر و کینہ جو ادھر
بجلی گرا ادھر سے جب آ گئی وہ تند خو ادھر
بڑھتا کبھی ادھر کبھی وہ ماہرو ادھر
اودے ادھر گرائے تو برسا لہو ادھر
سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں
بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں

۱۰۰

چھائی تھی فوجِ شام کی گھنگھور ادھر گھٹا
دریا کے اس طرف سے اٹھا شور ادھر گھٹا
یہ شیر جب ادھر سے بڑھا زور اُدھر گھٹا
ڈھالوں کی تھی لہو میں خبر اور اُدھر گھٹا
جاتیں تھیں اس کے قبضے میں سر تھا تو مد تھا
یہ آب شورِ تیغ کا مد تھا وہ جزر تھا

۱۰۱

لڑتے تھے پر یہ ہوتا تھا انبوہ فوج کم
بحرِ وغا کہیں میں گئے بانیِ ستم
نیزوں کی صف ادھر تو ادھر برچھیاں بہم
جنگل تھا فوج کا کمک آتی تھی دمبدم
مارا جو پیدلوں کو سوار آ کے جم گئے
سو قتل ہو گئے تو ہزار آ کے جم گئے

۱۰۲

مانندِ تیر جنگ میں تھی چار سو نگاہ
لیکن اجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثلِ ماہ
دیکھا جو پھر کے یوں نظر آئی عدم کی راہ
چھاتی پہ لگ کے پشت سے نیزہ گزر گیا
اُبلا لہو کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا

۱۰۳

نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لعیں نے جب
ہرنے پہ سر جھکا کے جو سنبھلا وہ تشنہ لب
ٹکڑے کئی کبد کے نکل آئے ہے غضب
تر ہو گئی لہو سے قبا مصطفیٰ کی سب
غش آ گیا نبضیں چھٹ گئیں تیور بدل گئے
حلقے رکاب کے بھی قدم سے نکل گئے

۱۰۴

فریاد ہے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ گراں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیم جاں
حربے تمام فوج کے اور ایک ناتواں
لیجئے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اٹھائیے مجھے دشتِ نبرد سے
اب جان نکلی جاتی ہے سینہ کے درد سے

۱۰۵

سننا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمانِ غم
دوڑے گرے اٹھے کئی جا قبلۂ امم
اتنا کہا کہ آہ رہے اب تمام ہم
رکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑا قدم
خالق پسر کا داغ دکھائے نہ باپ کو
آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو

۱۰۶

چلاتے تھے کدھر کو ہے تو اے جواں پسر
میرے سعید لال مرے قدر داں پسر
عاشق پسر شفیق پسر مہرباں پسر
ہونٹوں پہ دم ہے باپ کا اے نیم جاں پسر
بیٹا تباہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہے
جلدی نہ کیجیو کہ یہ بیکس بھی ساتھ ہے

۱۰۷

کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے
کس طرح وہ گھوڑے سے بندہ ناتواں گرے
آواز پھر دو اے علی اکبر کہاں گرے
پیری میں جس پہ کوہِ غمِ ناگہاں گرے
اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے
اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے

۱۰۸

جنگل میں پہنچے لاش پہ اس وقت شاہِ دیں
چلائے پاس گر کے شہِ بیکس و حزیں
جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبرِ حسین
حاضر ہے باپ اے مرے فرزند مہ جبیں
بابا کو مطمئن تو کرو منہ سے بول کے
بانہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

۱۰۹

تم نے بھی منہ کو باپ سے موڑا ہزار حیف
پہنا نہ بر میں بیاہ کا جوڑا ہزار حیف
بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا ہزار حیف
قسمت نے تازہ پھول کو توڑا ہزار حیف
بھیگی ہوئی مسوں پہ عجب آب و تاب تھی
ہے ہے ابھی تو آمد فصل شباب تھی

۱۱۰

کیوں تھرتھرا کے گرد میں لیتے ہو بار بار
حضرت سے دم نکلنے میں بولا وہ گلعذار
کیا ہے کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
برچھی کا زخم ہے مری چھاتی کے وار پار
کیا حال دل کہوں نہیں طاقت بیان کی
لو الوداع جسم سے رخصت ہے جان کی

۱۱۱

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہاتھ تھرتھرائے
اٹکا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے
کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا
خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا

۱۱۲

اللہ باپ کو نہ دکھائے غم پسر
اکبر کے انتقال کی نوبت بجی ادھر
صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطان بحر و بر
نکلی ادھر سے دختر زہرا برہنہ سر
تھرائی تھی زمیں کوئی دل تھا نہ چین سے
سب وحش و طیر روتے تھے زینب کے بین سے

۱۱۳

زخمی تھا سر پٹکنے سے ماتھا کھلے تھے بال
تن کانپتا تھا ضعف سے خورشید کی مثال
مخدومۂ جہاں سے مشابہ بہت تھی چال
کہتے تھے شہ لعینوں سے رو کر بصد ملال
اے ظالمو ذرا غضب کردگار سے
منہ ڈھانپ لو کہ نکلی ہیں زہرا مزار سے

۱۱۴

چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
ہے ہے یہ کس کے خون کے ہیں تھالے کدھر ہے تو
اماں کی اجڑی گود کے پالے کدھر ہے تو
چھریاں جگر پہ صدمۂ فرقت نے پھیریاں ہیں
سنتی ہوں میں کہ راہ میں گلیاں اندھیریاں ہیں

۱۱۵

بس اے انیس بس نہ تھمیں گے کبھی یہ بین
ہے ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین
برپا ہے بزم ماتم اکبر ہیں شور و شین
کیجیے مدد ان اپنے غلاموں کی یا حسین
عسرت ہو دور عیش کا ساماں کم نہ ہو
جز ماتم حضور کوئی اور غم نہ ہو

سلام

غم شہ کا گر داغ دل پر رہے
اک افسانہ بیکسی رہ گیا
صبا لے کے جا بیسے پھولوں کی بو
فقیروں کی کیا موت کیا زندگی

سلامی لحد میں منور رہے
نہ قاتل رہا اور نہ مسمور رہے
دماغ عدو بھی معطر رہے
جگر جس جگہ مل گئی مر رہے

بدن گھل گیا مثلِ تیغِ اصیل
نہ کس بل رہا اور نہ جوہر رہے

پسر گو تھے زینبؑ کے چھوٹے بڑے
لڑائی میں دونوں برابر رہے

قیامت ہے کفار سیراب ہوں
مگر تشنہ مختار کوثر رہے

وہ ہے آدمی جس سے ہو کارِ خیر
بشر وہ جو دنیا میں بے شر رہے

پئیں گے شرابِ طہورا کے جام
اگر حبِّ ساقی کوثر رہے

جنازہ اٹھانا ہے احباب کو
مناسب ہے گر جسم لاغر رہے

چڑھائیں عدو اس کو نیزے پہ آہ
محمدؐ کے زانو پہ جو سر رہے

نہ کھائی برس دن بھی یاں کی ہوا
بہت کم زمانے میں اصغرؑ رہے

کبھی لاش اٹھائی کبھی رو دیے
اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے

قطعہ

عمر سے کہا فوج نے خوب ہے
اگر پردۂ آلِ اطہر رہے

کہا شمر نے اس طرح لوٹو
کہ سر پر کسی کے نہ چادر رہے

ہمیں حکم ہے حاکمِ شام کا
کہ بلوے میں زینبؑ کھلے سر رہے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

رباعی

ہے مملکتِ جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھو لے ذرا سیاہی دل کی

رباعی

کس بات میں مکر کس میں تزویر نہیں
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

مرثیہ ۱

ہم صورت محبوبؐ خدا تھے علی اکبرؑ
شبیرؑ کی پیری کے عصا تھے علی اکبرؑ
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علی اکبرؑ
اور بانوؑ کی آنکھوں کی ضیا تھے علی اکبرؑ
جلوہ رخِ پرنور پہ تھا نور نبیؐ کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہراؑ و علیؑ کا

۲

محبوب دل خلق ہے شبیرؑ کا جانی
جن لوگوں نے دیکھی تھی محمدؐ کی جوانی
سب ایک زباں تھے کہ یہ ہے یوسف ثانی
کہتے تھے زہے خامۂ قدرت کی روانی
ایسا تو حسیں عرب تا شرق نہیں ہے
احمدؐ میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

۳

کیا حسن ہے دیکھو تو رخ پاک کی تنویر
نازاں نہ ہو کیونکر قلم صانع تقدیر
نے ماہ میں یہ ضو ہے نہ یہ مہر میں تنویر
کھینچی ہے محمدؐ سے شہنشاہ کی تصویر
جن و ملک و حور میں افسانہ ہوا اسکا
نور رخ خورشید بھی پروانہ ہوا اسکا

۴

اس طرح کا محبوبؑ پسر جس کو خدا دے
کس طرح سے مال دولت اولاد لٹا دے
کیونکر وہ پدر بیٹے کو مرنے کی رضا دے
یہ آگ جو بھڑکے تو کلیجے کو جلا دے
فرزند جواں کوئی بشر کھو نہیں سکتا
یہ صبر بجز ابن علیؑ ہو نہیں سکتا

۵

اٹھارہؑ برس رنج اٹھا کر جسے پالیں
بس ہو سکے تو آپ اس کے عوض برچھیاں کھالیں
کس طرح سے داغ اس کی جوانی کا اٹھالیں
ناچار ہیں کس طرح کلیجے کو سنبھالیں
واں رحم دل فوج جفا جو میں نہیں ہے
یاں دل کا یہ عالم ہے کہ قابو میں نہیں ہے

۶

فرزند کا منھ دیکھ کے فرماتے ہیں سرورؑ
دشمن کو بھی یہ داغ دکھائے نہ مقدر
عباسؑ نہیں مر گئے ہم مر گئے اکبر
ہو نجا گئے بھائی کو لب گور برادر
باباکے عوض عترت حیدرؑ کو سنبھالو
ہم مرنے کو جاتے ہیں تم اب گھر کو سنبھالو

۷

کہتا ہے پسر آپ سے کیونکر نہ جدا ہوں
مشہور ہوں ہم صورت محبوب خدا ہوں
حضرت پہ تصدق ہوں سب اپنے ہیں فدا ہوں
رخصت نہ تھی [illegible] تھے کہ شریک شہدا ہوں
گھر جانے کو فرمائیے اس دم نہ پسر سے
جب آپ نہ ہوں گھر میں تو کیا کام ہے گھر سے

۸

شہ نے کہا کس طرح کہوں مرنے کو جاؤ
اے لال رضا مرنے کی مادر سے تو لاؤ
ہیں آنکھوں سے دیکھا کر دیں تم برچھیاں کھاؤ
زینبؑ کو تو راضی کرو آنسو نہ بہاؤ
پوچھا بھی ہے دونوں سے جو مرنے کو چلے ہو
رخصت نہیں دے کون کہ نازوں کے پلے ہو

۹

یہ سن کے گئے خیمہ میں روتے ہوئے اکبرؑ
رنگ اڑ گیا بیتاب ہوئی شاہ کی خواہر
ناموس رسولؐ عربی ہو گئے مضطر
بانوؑ نے کہا خیر تو ہے اے مرے دلبر
کیا ظلم ہوا ایسا جو یوں روتے ہو بیٹا
ان آنکھوں کے ماں صدقہ ہو کیوں روتے ہو بیٹا

۱۰

اکبرؑ نے کہا رو دوں نہ کیونکر غضب آیا
سر دینے کو جاتا ہے ید اللہ کا جایا
اب اٹھتا ہے سر پر سے مرے باپ کا سایا
کیں منتیں پر اذنِ وغا میں نے نہ پایا
فرماتے ہیں اماں کی اجازت نہ ملے گی
بے مرضیٔ مادر تجھے رخصت نہ ملے گی

۱۱

ہاں تم ہی کہ میری ہی طرف ہے یہ اشارا
بھیجوں تو تجھے بے اجل اس داغ نے مارا
پردے میں طلب کرتا ہے رخصت مرا پیارا
روکوں تو جدائی نہیں حضرت کی گوارا
کیونکر کوئی کوہِ غمِ جانکاہ اٹھائے
ان دونوں سے پہلے مجھے اللہ اٹھائے

۱۲

یہ ذکر تھا جو خیمہ میں آئے شہِ عالم
شہ نے کہا باقی کوئی مونس ہے نہ ہمدم
بس دوڑ کے قدموں پہ گری بانوئے پُرغم
روکو نہ کہ اب جاتے ہیں مرنے کے لئے ہم
ہم شکلِ نبی بعد مرے تھامے گا گھر کو
میں چھوڑ چلا ہوں علی اکبرؑ سے پسر کو

۱۳

ہے شادیٔ اکبرؑ کا نہایت مجھے ارماں
نوشاہ بنے گا جو مرے بعد یہ ذی شاں
جاؤ جو وطن میں تو کرو بیاہ کہا ماں
ہوویں گے نہ ہم روح مگر ہووے گی قرباں
جس وقت قدم مسندِ شاہی پہ دھریں گے
اکبرؑ بھی یقیں ہو کہ ہمیں یاد کریں گے

۱۴

اس لال کی جس وقت دلہن بیاہ کے لانا
میری بھی طرف سے اُسے چھاتی سے لگانا
بانوؑ یہ رہے یاد ہمیں بھول نہ جانا
پوتا ہو تو مرقد پہ ہمارے اُسے لانا
جب آن کے وہ کھیلتا تربت پہ چلے گا
ان چھوٹے سے تلوؤں سے حسینؑ آنکھیں ملے گا

۱۵

یہ سن کے جگر ہو گیا اکبرؑ کا دو پارا
رخصت مجھے بابا سے دلا دیجئے خدارا
مادر سے کیا جوڑ کے ہاتھوں کو اشارا
ان باتوں کے سننے کا مجھے اب نہیں یارا
جس طرح ہو اس کام میں کد کیجئے اماں
فرزند کی مشکل میں مدد کیجئے اماں

۱۶

ماں کانپ گئی بیبیاں رونے لگیں ساری
بانوؑ نے کہا شہ سے یہ لونڈی گئی واری
اکبرؑ کے بھی زینبؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
اکبرؑ نہیں جینے کے جدائی میں تمہاری
رخصت انہیں کیوں دیتے نہیں سمجھتے ہیں کیا ہو
کچھ ان کی ہے تقصیر کہ لونڈی سے خفا ہو

۱۷

تم رہتے سلامت تو یہیں بیاہ ان کا رچاتی
کس چاہ سے چھوٹی سی دلہن بیاہ کے لاتی
اور باندھ کے سہرا انہیں نوشاہ بناتی
واللہ اب اس ذکر سے شق ہوتی ہے چھاتی
وہ کیجئے جو ہو مقصد مرے راحتِ جاں کا
جب آپ نہ ہوں کیسی خوشی بیاہ کہاں کا

۱۸

اب تو یہ خوشی ہے کہ یہ کام آپ کے آئیں
صاحب کے پسینے پہ لہو اپنا گرائیں
حضرت کی حفاظت کریں اور برچھیاں کھائیں
لو بخش چکی دودھ بھی سر دینے کو جائیں
رو رو کے کئی بار مرے پاؤں پکڑے تھے
یہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھے کھڑے تھے

۱۹

یہ سنتے ہی قدموں پہ گرے اکبرؑ ذی جاہ
چھاتی سے لگا بیٹے کو فرمانے لگے شاہ
بابا پہ ہے دشوار جدائی تری واللہ
خیر اب یہی مرضی ہے تو میداں کی لو راہ
عرصہ نہیں کچھ زیست سے گھبرائے ہیں ہم بھی
تم آگے چلو پیچھے چلے آتے ہیں ہم بھی

۲۰

یہ کہہ کے جو فرزند سے روئے شہ مظلوم
خیمے میں جواں بیٹے کی رخصت کی ہوئی دھوم
کہنے لگے ہم شکل نبیؐ شہ کے قدم چوم
رکھیے گا دم نزع نہ دیدار سے محروم
ماں بولی نہیں شکل دکھاؤ گے نہ اکبرؑ
صدقے گئی کیا گھر میں پھر آؤ گے نہ اکبرؑ

۲۱

گھبرا کے کہا بیٹے سے دامن کو پکڑ کر
پھر آنے کا وعدہ تو کرو اے مرے دلبر
بانوؑ سے یہ کہنے لگے رو کر علیؑ اکبر
مہلت جو اجل دے گی تو پھر آئیں گے مادر
دانستہ عزیزوں کو بھلاتا نہیں کوئی
واں جاتا ہے جب جائے پھر آتا نہیں کوئی

۲۲

شہ روتے رہے بانوؑ بھی کرتی رہی زاری
میداں میں پہونچی جو علیؑ اکبرؑ کی سواری
مقتل کی زمیں حسن سے روشن ہوئی ساری
اک نور جو چمکا متحیر ہوئے ناری
ثابت ہوا سب کو رخ روشن کی چمک سے
خورشید زمیں پر اتر آیا ہے فلک سے

۲۳

میداں میں یہ غل تھا کہ صدا شاہ کی آئی
اب دلبر زہراؑ کا بچا ہے نہ بھائی
باقی تھا یہ بیٹا تو ہوئی اس سے جدائی
یارو مجھے دیتا نہیں آنکھوں سے دکھائی
مشکل ہے بسر ہو یہ دل بند ہے میرا
اٹھارہ برس کا یہی فرزند ہے میرا

۲۴

اے ظالمو یہ ہے مری پیری کا سہارا
مر جاؤں گا میں جیتے جی گر اس کو کسی مارا
بانوؑ کا بھی پیارا ہے یہ میرا بھی ہے پیارا
تصویر ہے اس کی جو پیمبرؐ ہے تمہارا
قدموں پہ گرو اس کے اگر پاس ادب ہے
احمدؐ کی نشانی کا مٹانا تو غضب ہے

۲۵

ہو صاحب اولاد تو برچھے نہ سنبھالو
زخمی مرا دل ہوتا ہے تیغیں نہ نکالو
بیٹوں کی قسم ہے تمہیں اے برچھیوں والو
اس داغ سے بابا کے کلیجے کو بچا لو
بیکس ہے تمہیں اور تو کیا دیوے گا شبیرؑ
بچ جائے گا اکبرؑ تو دعا دیوے گا شبیرؑ

۲۶

یہ ذکر تھا رن میں جو قیامت ہوئی برپا
ہر سمت سے اکبرؑ پہ کیا فوج نے نرغا
تلواریں کھنچنے لگیں مینہ تیروں کا برسا
اکبرؑ نے بھی لے نام علیؑ تیغ کو کھینچا
غل تھا کہ کبھی ایسی لڑائی نہیں دیکھی
یہ تیغ کی برش یہ صفائی نہیں دیکھی

۲۷

لاکھوں میں عجب شان سے لڑتا تھا وہ صفدر
دو چار ہی حملوں میں صفیں ہو گئیں بے سر
گھوڑوں سے اتر لاشوں میں چھپتے تھے ستمگر
اک برق گری جس پہ پڑی ضربت اکبرؑ
بیٹے کی صدا جس گھڑی سن پاتے تھے شبیرؑ
سجدے کے لئے خاک پہ جھک جاتے تھے شبیرؑ

۲۸

تا دیر تو سنتے رہے تلواروں کی جھنکار
لشکر میں ستم گاروں کے یہ غل ہوا اک بار
تکتے تھے پر اکبرؑ نہ نظر آتا تھا زنہار
برچھی علی اکبرؑ کے کلیجے سے ہوئی پار
لو سید مظلوم کے دلدار کو مارا
مارا اسے کیا احمدؐ مختار کو مارا

۲۹

یہ سنتے ہی گھبرا کے گرے خاک پہ شبیرؑ
اٹھے جو سنبھل کر تو یہ کرنے لگے تقریر
واں چھاتی پہ برچھی لگی یاں دل پہ لگا تیر
تقدیر میں تھا داغ پسر وا رے تقدیر
یاں لٹ گئے آباد جو ہم آئے تھے وطن سے
بیٹے کو اسی واسطے لائے تھے وطن سے

۳۰

تنہا ہوئے آخر نہ رہا کوئی سہارا
پیری میں کیا جسم کی قوت نے کنارا
فریاد کہ اکبرؑ کو ستمگاروں نے مارا
تھا جس کا سہارا وہی دنیا سے سدھارا
مشکل میں مدد باپ کی کرتا علی اکبرؑ
ہم جیتے کوئی دن جو نہ مرتا علی اکبرؑ

۳۱

یہ کہتے ہوئے آئے عجب حال سے رن میں
آنکھوں میں بھرے اشک زباں خشک دہن میں
لغزش جو قدم میں تھی تو رعشہ تھا بدن میں
جوں شیر ترائی میں کبھی اور کبھی بن میں
پایا نہ کسی جا پہ جو اس رشک قمر کو
گھبرائے ہوئے ڈھونڈھتے پھرتے تھے پسر کو

۳۲

اتنے میں یہ پردرد صدا دور سے آئی
بیٹے نے ابی برچھی کی چھاتی پہ ہے کھائی
اے قبلۂ کونین بڑی دیر لگائی
مل لیجئے آ کر کہ ہے درپیش جدائی
غش طاری ہے آنکھوں کو بھی کھولا نہیں جاتا
یہ درد ہے سینے میں کہ بولا نہیں جاتا

۳۳

آواز پسر سنتے ہی دوڑے شہ ذی شاں
لاشے سے لپٹ کر کہا بابا ترے قرباں
دیکھا کہ ہے فرزند جواں خوں میں غلطاں
کیا حال ہے کھایا ہے کہاں زخم مری جاں
رخ زرد ہے سر تا بہ قدم خوں میں بھرے ہو
مجھ سے تو کہو چھاتی پہ کیوں ہاتھ دھرے ہو

۳۴

یہ سنتے ہی دم میں علی اکبرؑ کے دم آیا
مجروح نشاں سینے کو سینے سے جو پایا
بابا کی طرف پیار سے ہاتھوں کو بڑھایا
سر پیٹ کے چلایا کہ فریاد خدایا
دل بند محمدؐ کے جگر بند کو مارا
اٹھارہ برس کے مرے فرزند کو مارا

۳۵

اکبرؑ نے کہا صبر کرو اے شہ عالم
بندے کو تو کچھ مرگ جوانی کا نہیں غم
ہم آپ کی آغوش میں مہماں ہیں کوئی دم
افسوس کہ حضرت رہے بے مونس و ہمدم
دشمن ہے ہر اک دشمن دیں آپ کی جاں کا
تنہائی ہے اور سامنا دو لاکھ جواں کا

۳۶

یہ کہتے ہی جو تیور علی اکبرؑ نے پھرائے
سر پیٹ کے شبیرؑ سخن لب پہ یہ لائے
ہمراہ دم سرد کے آنسو نکل آئے
آغوش سے بابا کی چلے آنکھوں کے جائے
کیا بوسے لئے دنیا سے سفر کر گئے اکبرؑ
سوکھی ہوئی دکھلا کے زباں مر گئے اکبرؑ

۳۷

اس درد سے روتے تھے پسر کو شہِ والا
لکھا ہے کہ جب مر گیا وہ گیسوؤں والا
افلاک کو جنبش تھی زمیں تھی تہ و بالا
تقدیر نے اک بی بی کو خیمے سے نکالا
تھا نور سے چہرے کے گماں بنتِ نبی کا
رفتار میں انداز تھا رفتارِ علی کا

۳۸

تھے بال تو بکھرے ہوئے اور جسم میں رعشا
چلاتی تھی پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا
اشک آنکھوں میں اور صدموں سے فق چاند سا چہرہ
مارا گیا اٹھارہ برس کا مرا بیٹا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے ماہ لقا کی
میں لٹ گئی اس بن میں دہائی ہے خدا کی

۳۹

ہے ہے مرے پیاسے مرے جانی علی اکبر
ہے ہے نہ میسر ہوا پانی علی اکبر
ہے ہے مرے نانا کی نشانی علی اکبر
برباد ہوئی تیری جوانی علی اکبر
بن بیاہے تم اس دارِ فنا سے گئے واری
پانی نہ ملا خلق سے پیاسے گئے واری

۴۰

زینب کی صدا سن کے اٹھے سید ابرار
یہ جائے خموشی ہے انیس جگر افگار
خیمے میں اسے لے گئے بادیدۂ خونبار
حق سے یہ دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
بر لا مری امید کو سرور کا تصدق
اکبر کا تصدق علی اصغر کا تصدق

سلام

واجب الرحم تھے زنداں کے سزاوار نہ تھے
مجرئی اہلِ حرم قابلِ بازار نہ تھے

بولے عابد کہ فدائے شہ دیں غیر ہوئے
اک فقط ہم ہی شہادت کے سزاوار نہ تھے

شاہ فرماتے تھے ایسے ہیں ہمارے انصار
نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے

تیر اصغر کے جو مارا تو کہا سرور نے
ہم گنہگار تھے بچے تو گنہگار نہ تھے

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہنِ زخمِ بدن دیدۂ خونبار نہ تھے

بدھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابنِ حسن
کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے

کہا صغرا نے کہ فرقت نے پدر کی مارا
آگئے اے صبا جو ہم ایسے تو بیمار نہ تھے

شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا ظالم نے
ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے

صبح عاشور تلک ساتھ تھے سوا کے رفیق
عصر کے وقت اکیلے تھے جلودار نہ تھے

کہا زہرا نے فلک میں نے بتایا تھا کسے
میرے بچے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے

گھستے تلوؤں کا یہ عابدؑ کے ہوا تھا احوال
کون سا چھالا تھا وہ جس میں کہ دو خار نہ تھے
گر مسیح دو جہاں کا ہوا انفعال انیس
اچھے یوں ہو جائیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

رباعی

رعب شہ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرز غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

رباعی

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے
ناداں یہ کسے فریب تو دیتا ہے
لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس
خالص جو ہو مشک آپ بو دیتا ہے

رباعی

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

رباعی

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہونچے
بے شبہ و شک وہ مصطفےٰ تک پہونچے
اللہ ہی عز و شانِ زوّارِ حسینؑ
پہونچے جو حسینؑ تک خدا تک پہونچے

رباعی

دو دن کی حیات پر عبث غرّہ ہے
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرّہ ہے
ہر وقت نہاں زندگانی کے لئے
یہ آمد و شد نفس کی بھی آرّہ ہے

رباعی

فردوس ہر اک قبر کا کونا ہوگا
مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت دنیا میں غیر ممکن ہے انیس
آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

رباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرش اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہو جس کی
اے لشکر شام وہ ستارا ہوں میں

رباعی

اے بادشہ کون و مکاں آ دُہائی
اے عقدہ کشائے دو جہاں آ دُہائی
اب تنگ ہیں دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس
یا حضرت صاحب الزماں آ دُہائی

مرثیہ ۱

جب دولت سرور پہ زوال آگیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھو گیا رن میں
جس گل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
جینے کا جو باعث تھا وہ مرا گیا رن میں
ماں باپ کو سہرا ابھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
پیری میں عجب داغ مقدر نے دکھایا

۲

کس دکھ میں فلک نے علی اکبرؑ کو چھوڑایا
قمری سے عجب سرو سمن بر کو چھڑایا
بے مہر نے کس ماہ سے اختر کو چھڑایا
کس فصل میں بلبل سے گل تر کو چھڑایا
یوں دم بھی کسی تازہ جواں نے نہیں توڑا
یوں پھول کو بھی باد خزاں نے نہیں توڑا

۳

یوں باپ کی قسمت کو الٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا
اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا
نازوں سے دعاؤں سے مرادوں سے پلے تھے
واحسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے

۴

بھیگیں جو مسیں ماں نے کیا سجدۂ باری
سبزہ ہوا آغاز تو فرمایا کہ واری
یعنی مرے گلشن میں چلی باد بہاری
صد شکر کہ سرسبز ہوئی کشت ہماری
شادی تھی کہ اب گھر میں دلہن لانے کے دن ہیں
اس کو نہ خبر تھی کہ خزاں آنے کے دن ہیں

۵

گیسو ابھی منت کے بڑھائے تھے نہ ماں نے
آئینہ بنایا جسے رب دو جہاں نے
جو کوچ کیا خلق سے اس تازہ جواں نے
اس سینے کو زخمی کیا دشمن کی سناں نے
توڑا نہیں ایسا گل شاداب کسی نے
کھولا کیے منھ اور نہ دیا آب کسی نے

۶

افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ سے وفا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت میں خدا کی
پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی
کچھ بس نہ چلا آگئے یوں موت کے بس میں
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

۷

ہو تل کے برابر کا پسر قوت بازو
ایسا پسر ماہ لقا صفدر و خوش رو
آرام جگر راحت جاں زینت پہلو
مر جائے تو کیا دل پہ رہے باپ کے قابو
گر گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیرؑ
جیتے ہیں مگر غم سے لب گور ہیں شبیرؑ

۸

اٹھتی ہے کبھی دل میں کبھی ہوک جگر میں
رن میں کبھی جاتے ہیں کبھی آتے ہیں گھر میں
ہے درد کبھی سینے میں اور گاہ کمر میں
ہے دن کا اجالا پہ اندھیرا ہے نظر میں
غل کرتے ہیں اعدا پہ سنائی نہیں دیتا
لاشہ علی اکبرؑ کا دکھائی نہیں دیتا

۹

یہ درد جگر ہے کہ سنبھلنے نہیں دیتا
غم اور حرارت دل کو بہلنے نہیں دیتا
یہ زور نقاہت ہے کہ چلنے نہیں دیتا
رعشہ کف افسوس بھی ملنے نہیں دیتا
غم کون سا خرمن ہے کہ جو برق نہیں ہے
پر صبر کی طاقت میں ذرا فرق نہیں ہے

۱۰

آتی ہے صدا دل سے کہ طاقت نہیں مجھ میں
ہر چشم ہے گریاں کہ بصارت نہیں مجھ میں
کہتا ہے جگر ضعف ہے قوت نہیں مجھ میں
کہتی ہے کمر درد سے طاقت نہیں مجھ میں
بے مہری افلاک نے دل توڑ دیا ہے
پیری کو سب ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے

۱۱

پیری میں یہ اندوہ ضعیفی میں یہ دکھ درد
چہرہ جو مکدر ہے تو نفس بھی ہیں پر گرد
صدمے سے رخ پاک ہے کیسر کی طرح زرد
تن کانپنے لگتا ہے جو بھرتے ہیں دم سرد
جس پھول کے عاشق تھے وہ گلشن میں نہیں ہے
یہ حال ہے گویا کہ لہو تن میں نہیں ہے

۱۲

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو
سر کھینچتا ہے نالوں سے کہ گرد دل کو ہلا دو
کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
شہ کہتے ہیں یا رب علی اکبر کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

۱۳

جو اہل محبت ہیں بلا ان کے لئے ہے
مظلوم جو ہیں لطف خدا ان کے لئے ہے
صابر جو ہیں یہ درد دوا ان کے لئے ہے
ہر رنج میں ایک تازہ مزا ان کے لئے ہے
سو دکھ ہوں تو ہوں محو ہیں الفت میں اسی کی
روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

۱۴

اکبر تھا تو وہ کیا تھا اگر ہم ہیں تو کیا ہیں
کچھ غم نہیں گر ہم سے جدا ہیں تو جدا ہیں
سو ایسے جو بندے ہوں تو خالق پہ فدا ہیں
یہ کس کی عنایت ہے کہ راضی بہ رضا ہیں
غم تھا جو سر اس راہ میں فرزند نہ دیتا
کیا کرتے اگر وہ ہمیں دلبند نہ دیتا

۱۵

فدیہ ہوا فرزند جواں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے
خوشنود ہے رب دو جہاں شکر کی جا ہے
گردن سے گیا بار گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اسے پہونچی
فارغ ہوئے ہم اس کی امانت اسے پہونچی

۱۶

اٹھارہ برس تک جو رہا پاس وہ دلدار
ہر حال میں بندے کو اطاعت ہے سزاوار
تھی یہ بھی عنایت کہ وہ ہے راحم و غفار
مجبور ہیں ہم اور وہ ہے قادر و مختار
اکبر سا جواں رشک قمر جس نے دیا تھا
وہ صبر بھی بخشے گا پسر جس نے دیا تھا

۱۷

جینے کا یقیں رحلت عباس میں کب تھا
اللہ یہ روشن ہے جو کچھ دل پہ تعب تھا
مر جانا برادر کا قیامت تھا غضب تھا
تڑپے نہیں یہ کس کی عنایت کا سبب تھا
بہتر تھا ہمارے لئے تنہائی کا مرنا
سب سہل ہے جب دیکھ چکے بھائی کا مرنا

۱۸

داخل ہوئی خیل شہدا میں مری اولاد
سب اس میں یہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ سجاد
جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
بندہ وہ ہے مالک کی جو بھولے نہ کبھی یاد
طاعت تو [illegible] اطاعت تو نہ چھوٹے
بیٹا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے

۱۹

رونے سے ملیں گر علی اکبرؑ تو میں روؤں
آباد ہو اجڑا ہوا گھر تو میں روؤں
چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں روؤں
رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں روؤں
پر کھوئے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اُسے آتے نہیں دیکھا

۲۰

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل
ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل
ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل
صابر سے رضامند خدا ہوتا ہے اے دل
مطلب ترے پھر حلق طے کر کے ملیں گے
جیتے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

۲۱

باتیں یہ تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بکا کی
بندھتی تھیں صفیں رن میں ادھر اہل جفا کی
سمجھے شہ مظلوم کہ اصغرؑ نے قضا کی
فرمایا کہ یارب انہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دل زار کہ آنسو نکل آئے

۲۲

ڈیوڑھی کے قریب آکے یہ شبیرؑ پکارے
فضہ نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے
جیتے ہیں کہ اصغر سوئے فردوس سدھارے
معصوم کا دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آیئے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

۲۳

روتے ہوئے خیمہ میں شہ بحر و بر آئے
بانو کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے
خوش ہو کے سکینہؑ نے کہا لو پدر آئے
چلائی کہ میداں سے نہ اکبرؑ ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں ان کو
صاحب گئے لڑنے کی خبر کیا نہیں ان کو

۲۴

کہدے کوئی مرتے ہیں علی اصغرؑ گلفام
حضرت نے کہا ان کو کسی سے نہیں کچھ کام
لائیں جو کہیں سے انہیں پانی کا ملے جام
جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
ہم دار محن میں ہیں وہ گلزار جناں میں
درماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں

۲۵

سب قافلے والوں سے وہ منہ موڑ گئے ہیں
ہاتھوں کو دم نزع بھی وہ جوڑ گئے ہیں
اس عالم غربت میں ہمیں چھوڑ گئے ہیں
تنہائی میں بابا کی کمر توڑ گئے ہیں
اپنی بھی کوئی دم میں اجل آتی ہے صاحب
تنہا ہیں جو اُن کی بھی گذر جاتی ہے صاحب

۲۶

فرما کے یہ گہوارۂ اصغرؑ پہ جھکے شاہ
خورشید لب بام نظر آیا جو وہ ماہ
دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد سے کی آہ
چھاتی جو ہوئی ٹھنڈی تو دلبند کے منہ پر
شبیرؑ نے منہ رکھ دیا فرزند کے منہ پر

۲۷

بل کھاتے ہوئے ہاتھ جو تکیوں سے اٹھائے
رعشہ ہوا ہاتھوں کو قدم سرد جو پائے
منہ رکھ دیا بوسے لئے آنکھوں سے لگائے
دودی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
کانٹے جو نظر آگئے ننھی سی زباں میں
اک درد کا نشتر تھا کہ ڈوبا رگ جاں میں

۲۸

ننھے سے جو ہچکیوں سے ڈھل جاتی تھی گردن
دم باپ کا رک جاتا تھا اور کانپتا تھا تن
نیلے تھے لب سرخ جو مثل گل سوسن
روتے تھے ہو زرد تھا شہ کا رخ روشن
چھاتی میں دھڑکتا تھا جو دل ماہ جبیں کا
صدمہ سے اچھلتا تھا کلیجہ شہ دیں کا

۲۹

دیکھی جو مسوڑھوں کی کبودی تو ہوئے زرد
یہ روئے کہ تر ہو گیا شہ کا رخ پُر گرد
وہ ہچکیاں لے لے کے جو بھرتا تھا دم سرد
اٹھتا تھا کلیجے میں شہ دیں کے عجب درد
پتلی جو پھری جاتی تھی اس غنچہ دہن کی
اندھیر تھا آنکھوں میں شہنشاہ زمن کی

۳۰

تھا نزع میں وہ غنچہ دہن پیاس کے مارے
اینٹھی تھی زباں موت کے آثار تھے سارے
چھاتی پہ کبھی ہاتھ دھرے گاہ اتارے
منہ کھول کے پیاس میں پانی کے اشارے
دم رکتا تھا سینے میں تو ڈھل پڑتے تھے آنسو
کھل جاتی تھیں آنکھیں تو نکل پڑتے تھے آنسو

۳۱

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے بھرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقی کوثر
آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغرؑ
کیا ہو گیا اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

۳۲

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
خیمے سے چلے لے کے جو اس نور نظر کو
غش آنے لگا مادر تفتیدہ جگر کو
سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئیں گے رن سے
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے

۳۳

اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رقت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا
رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا
گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانوؑ
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانوؑ

۳۴

سب بیبیاں چلا کے جو کرنے لگیں زاری
گھبرا کے اٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
یا سبط نبیؐ تن سے چلی جان ہماری
اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
اک بار پھر اس ہچکیوں والے کو دکھا دو

۳۵

حضرت نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو
لو آ کے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
بے تاب ہو کیوں اصغرؑ دلگیر کو دیکھو
کیا صبر کیا ہے دل شبیرؑ کو دیکھو
موت آج جواں کی ہو تو چارا نہیں صاحب
کیا لال تمہارا انہیں پیارا نہیں صاحب

۳۶

تم ماں ہو بڑے دکھ سے اسے تم نے ہے پالا
ہو حق بہ طرف گر ہو کلیجہ تہ و بالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا
ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
خوشنود ہیں وہ عشق ہو اللہ سے جن کو
اکبرؑ کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں اب ان کو

۴۶

شہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر
دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر
واللہ بہ دل تم سے رضامند ہے شبیرؑ
صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر
واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودیٔ رب ہے
اکبرؑ گئے جس جا وہیں ان کی بھی طلب ہے

۴۷

لو گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ
بھاری کوئی کرتا علی اصغر کو پنہاؤ
بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
اکبرؑ کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ
دولھا سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا
تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا بڑھے گا

۴۸

یہ سن کے کہا ماں نے کہ آ لے مرے پیارے
کپڑے تھے جو بھاری وہ ننھیال سے آئے
سرمہ بھی دیا بال بھی سب سر کے سنوارے
رو کر کہا تو جاؤ میں قربان تمہارے
جھک جھک کے جو فرزند کا منہ یاس سے دیکھا
ماں کو علیٔ اصغر نے عجب یاس سے دیکھا

۴۹

مادر سے اشارہ تھا کہ دنیا سے چلے ہم
گودی میں تمہاری بہت پہنے تو پلے ہم
افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم
کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
یہ دار محن رہنے کے قابل نہیں اماں

۵۰

اک شور تھا اشرف نگہباں علی اصغر
پیارے علی اصغر مرے ذی شاں علی اصغر
چلاتی تھیں پھوپھیاں مرے نادان علی اصغر
ماں کہتی تھی جاتے ہو میں قربان علی اصغر
جھکتا تھا جو بھائی تو مڑی جاتی تھیں بہنیں
منہ چھاتی پہ رکھے ہوئے چلاتی تھیں بہنیں

۵۱

بچے کو لیے گھر سے جو نکلے شہ والا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا
تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
دامان عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

۵۲

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر
بولا کوئی ہے زیر عبا مصحف داور
یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہ صفدر
تا صلح کریں ہم سے اسے بیچ میں دیکر
معلوم ہوا جنگ سے گھبرائے ہیں شبیرؑ
قرآں کو شفاعت کے لئے لائے ہیں شبیرؑ

۵۳

بولا کوئی بے درد نہیں یہ نہیں اصلا
سادات پہ اس دشت میں ہے تیسرا فاقہ
ہے صابر و شاکر پسر حضرت زہراؑ
بے جاں ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچہ
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریباں کیے ہیں
میت کسی معصوم کی شبیرؑ لیے ہیں

۵۴

سن کر یہ کلام ان کا پکارے شہ عادل
بہت سے نہ قرآں سے یہ اے فرقۂ جاہل
تم تو نہ محمدؐ کے نہ قرآں کے ہو قائل
یہ مصحف ناطق کے سکینے کی ہے حامل
دیکھو مری مظلومی و آزردہ و قلق کو
لے آیا ہوں زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو

۵۵

یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمہارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا
کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمہیں لینا ہو تو کہدو
دریا ہے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہدو

۵۶

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے
پانی دو اسے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے
قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
خالی ہو اگر نہر تو کوثر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے یہ آپ کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

۵۷

مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی
یہ لعل ہے میرا یہ چھ مہینے کی کمائی
اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
مرجائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنوں کی یہ ہی جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے
مرجانے میں اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے

۵۸

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو
تم آپ اسے آن کے چلو سے پلا دو
للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

۵۹

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو
سوچے وہ قضا جس کے جگر بند نے کی ہو
جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
انصاف کرے دل یہ چھری جس کے چلی ہو
غمگیں ہو تو سوز نفس سرد کو سمجھے
جس دل پہ ہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

۶۰

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے
بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یاد دلی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

۶۱

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی
یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
مرجاؤں میں پر اس کی نہ بجھے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

۶۲

یہ کہکے اٹھایا رخ بے شیر سے دامن
دیکھی جو ہیں وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن
چہرے کی تجلی سے جہاں ہو گیا روشن
کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے ان میں
تھرا گئے جو صاحب اولاد تھے ان میں

۶۳

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا
دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
بولا کوئی ایماں بھی گیا دیں بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

۶۴
بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے
بولا کوئی بچہ ہے تو ہو، دھیان کدھر ہے
معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دے گا
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لے گا

۶۵
تب شمر پکارا کہ انہیں رحم نہیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے
یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسیں ہے
اس فوج میں اک ایک شقی دشمن دیں ہے
اب صبر نہیں گو کہ گرفتار قلق ہوں
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجت حق ہوں

۶۶
یہ سن کے بڑھا صف سے بن کاہل بے پیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلے میں ادھر تیر
پیاسے علی اصغر کی ہوئی قتل کی تدبیر
چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیر
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

۶۷
کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را
اک تیر ستم تاک نے معصوم کو مارا
بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

۶۸
گھبرا کے تری کو جو لگے کھینچنے سرور
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوئے انور
سب خون سے کرتا بھی شلوکا بھی ہوا تر
ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

۶۹
ہاتھوں پہ جو مردہ اسے شبیر نے پایا
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اٹھایا
آہ دل مظلوم نے گردوں کو ہلایا
کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا
طالب ہوں فقط مغفرت امت جد کا

۷۰
شیعوں کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم
ناموس پہ انھیں کے ہو ثواب اس کا بھی تقسیم
بخشا انھیں اے راہ رو جادۂ تسلیم
گھبراؤ نہ انہیں اجر گراں مایہ ملے گا
فردوس میں سب کو ترا ہم سایہ ملے گا

۷۱
تو بندۂ صالح ہے تو ہم صادق الاقرار
ناجی ہیں ترے دوست ہوں کیسے ہی گنہگار
تو شافع امت ہے تو ہم راحم و غفار
مالک ہے جہنم کا تو فردوس کا مختار
شبیر نہ غم کھا تجھے ہم شاد کریں گے
شیعوں سے ترے خلد کو آباد کریں گے

۷۲
سن کر یہ ندا شاد ہوئے سبط پیمبر
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
اصغر کو لیے آئے سوئے لاشۂ اکبر
چلائے کہ ہاتھ اٹھا ادھر اے مہ انور
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں
ہشیار کہ یہ پہلے پہل ماں سے چھٹے ہیں

۷۳

جنگل میں درندوں سے برادر کو بچانا
کوثر پہ جو ہو بچوں کے تو پیاس ان کی بجھانا
گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
بھیجوا انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
شل کل تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں
گردن نہ دکھے تیر ستم کھائے ہوئے ہیں

۷۴

فرزند کے لاشے سے یہ کہتے تھے ابھی شاہ
تولے ہوئے تیغوں کو بڑھا لشکر گمراہ
چلنے لگے پھر تیر ستم فوج سے ناگاہ
آزردہ ہوئی خاطر فرزند ید اللہ
حربے کے لیے ہاتھ جو دو ایک کے اٹھے
اک شیر سے شمشیر علی ٹیک کے اٹھے

۷۵

لاشوں کو پکارے کہ خدا حافظ و ناصر
طے جلد ہوئی جاتی ہے یہ منزل آخر
اب مرنے کو جاتا ہے یہ مظلوم مسافر
دو لاکھ عدو جمع ہیں اک جان کی خاطر
بلوہ یہ نہ دیکھا یہ صف آرائی نہ دیکھی
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

۷۶

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جلوہ دیا کرار کی شمشیر دو سر کو
جولاں کیا اس دم فرس برق سیر کو
ہتوا نس لیا حضرت حمزہ کی سپر کو
جوہر تو ادھر برق شرر بار میں چمکے
اک چار ستارے سے شب تار میں چمکے

۷۷

پھیرا جو فرس کو اسد اللہ کے پسر نے
پہونچا دیا سر عرش پہ شمشیر دو سر نے
مجرا کیا اقبال نے تسلیم ظفر نے
دکھلایا عروج شب معراج سپر نے
تھا ہوش نہ پریوں کو نہ انساں کو نہ جن کو
غل تھا کہ جہاں میں شب قدر آئی ہے دن کو

۷۸

اللہ ری چمک صاعقۂ تیغ دو سر کی
گھبرا کے ادھر نور نے ماہی کو خبر کی
جبرئیل کو گردوں پہ ہوئی فکر سپر کی
پڑھنے لگے مولا تو زمیں کانپ کے سرکی
گردوں پہ چھپے مہر کو یہ تاب نہیں تھی
ذرے تھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی

۷۹

خورشید جو ڈر ڈر کے چھپا اور نکل آیا
پھر برق نے بھی خرمن گردوں میں چھپایا
گہ دھوپ تھی سائے پہ کبھی دھوپ پہ سایا
شمشیر کے شعلے کی کوئی تاب نہ لایا
غل چار طرف تھا کہ گھرے قہر خدا میں
آگ آب میں پنہاں ہوئی اور خاک ہوا میں

۸۰

جب اوج دکھاتی تھی وہ تیغ دودم اپنا
افعی بھی اوگل دیتے تھے ڈر ڈر کے سم اپنا
دانتوں میں پکڑتا تھا عطارد قلم اپنا
اژدر بھی پہاڑوں میں چراتے تھے دم اپنا
یوں بھاگتے تھے شیر کہ دم بھول گئے تھے
وحشت تھی کہ وحشت کو ہرن بھول گئے تھے

۸۱

نعروں سے دہلتی تھی زمیں کانپتا تھا رن
وہ تیزی شمشیر وہ چالاکی توسن
وہ تند نظر قہر کی وہ غیظ کی چتون
وہ عطر فشاں زلف سیہ وہ رخ روشن
عنبر میں یہ بو ہے نہ یہ نور کہاں ہو
سارا شب معراج محمد کا سماں ہو

۸۲

شمشیر چمکنے میں یہ کرتی تھی اشارا
وہ بحرِ فنا ہوں کہ نہیں جس کا کنارا
اک ضرب میں عنتر کو کیا میں نے دوپارا
اے قوم مرے گھاٹ سے مشکل ہے اتارا
منھ پر کبھی افواجِ ستم چڑھ نہیں سکتی
دھارے سے مرے کشتیِ تن بڑھ نہیں سکتی

۸۳

دنیا میں کوئی صاحبِ جوہر نہیں مجھ سا
افعی نہیں مجھ سا کوئی اژدر نہیں مجھ سا
سر تیز کوئی دشنہ و خنجر نہیں مجھ سا
فولاد کے دریا کا شناور نہیں مجھ سا
بت توڑ دیے ہیں جو سوئے دیر گئی ہوں
خندق کو تو دو ہاتھ میں میں پیر گئی ہوں

۸۴

خیبر کی لڑائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اعدا کی دوہائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس قلعہ کشائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس منھ کی صفائی کی خبر کس کو نہیں ہے
بے تیغ تشفی کبھی میری نہیں ہوتی
سیروں جو لہو پی لوں تو سیری نہیں ہوتی

۸۵

اس شیر کی شمشیر ہوں جو شیرِ خدا ہے
قبضے میں اب اس کے ہوں جو سلطانِ ہدیٰ ہے
تلواروں سے عالم کی مرا کاٹ جدا ہے
تمغے کی جگہ نقشِ فنا مجھ پہ کھدا ہے
برسوں میں مرے زخم کو مرہم نہیں بھرتا
پیروں جو لہو میں تو کبھی دم نہیں بھرتا

۸۶

گردوں سے جسے حق نے اتارا ہے وہ میں ہوں
جس سے جگرِ کفر دوپارا ہے وہ میں ہوں
جرّاروں کو جس تیغ نے مارا ہے وہ میں ہوں
دریا جو زمانے میں دودھارا ہے وہ میں ہوں
کفار کی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے
اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے

۸۷

پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر
کھولے ہیں یداللہ نے اکثر مرے جوہر
مخفی نہیں جبرئیلِ امیں پر مرے جوہر
کرّار نے دیکھے ہیں مکرر مرے جوہر
ہوں دشمنِ جاں جن بھی یہ سب جان گئے ہیں
جبرئیلؑ بھی لوہے کو مرے مان گئے ہیں

۸۸

اے قوم نکالے ہیں یہ بت میں نے حرم سے
ایماں کے گلستاں میں ہے رونق مرے دم سے
اقبال ہے حیدرؑ کے محمدؐ کے حشم سے
سب سیکھے ہیں سجدے میں یہ جھکنا مرے خم سے
تھا فکر کا رشتہ جسے تسبیح کیا ہے
زنار کو ڈورے نے مرے کاٹ دیا ہے

۸۹

دیکھو مجھے میں نفیِ عدو کے لیے لا ہوں
قصرِ تنِ اعدا کے لیے سیلِ فنا ہوں
کھاتی ہے جو دشمن کا کلیجہ وہ بلا ہوں
کافر کے لیے درد ہوں مومن کی دوا ہوں
ناگن میں نہ ہوگی کبھی جو لہر ہے مجھ میں
چڑھ کر جو اترتا نہیں وہ زہر ہے مجھ میں

۹۰

ناگاہ بڑھے شاہ چلی تیغ چمک کے
جنگل کی طرف دوڑ گئی آگ بھڑک کے
شعلے نے لیا لشکرِ ناری کو لپک کے
تھرانے لگے شیر پہاڑوں میں دبک کے
ہر سو کرۂ نار کا عالم نظر آیا
میدان بلا حشر جہنم نظر آیا

۹۱

تیغ آئی چمک کر کہ قضا آئی سروں پر
لہرائی ہوئی بیل فنا آئی سروں پر
یا کھولے ہوئے منھ کو بلا آئی سروں پر
سر اڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی سروں پر
دم بھر میں نہ صف تھی نہ سواروں کا پرا تھا
اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا

۹۲

جس صف پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
بھاگڑ میں جدھر ششدر و مضطر گئے اعدا
بس خون میں سر تا بہ قدم بھر گئے اعدا
بجھ بجھ گئے بس بس گئے مر مر گئے اعدا
مقتل میں سواروں پہ فرس لوٹ رہے تھے
دو ایک پہ اور پانچ پہ دس لوٹ رہے تھے

۹۳

اک برق چمکتی تھی صف فوج ستم پر
یوں کاٹ کے دستانے کو جاتی تھی جھلم پر
بسمل سی بھڑک جاتی تھی اس فوج کے دم پر
جس طرح چلے تیز چھری نرم قلم پر
ہر شے کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
چار آئینہ قرطاس تھے مقراض تھی شمشیر

۹۴

سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوشوں کے تن سے
ٹوٹی تھیں صفیں تیغ شہ قلعہ شکن سے
جوشن تن کفار میں بدتر تھے کفن سے
آتی تھی جو زن سے تو نکل جاتی تھی سن سے
کیا روکتے ڈھالوں پہ وہ تیغ دو زباں کو
روکا ہے کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو

۹۵

گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
مچھلی سی کبھی پیر گئی موج زرہ میں
ترکش میں کبھی گاہ کماں میں کبھی زہ میں
اک تیغ سے تھا زلزلہ برپا کہ و مہ میں
جب کوند کے اٹھی اسے افلاک پہ دیکھا
دیواروں کو چار آئینہ خاک پہ دیکھا

۹۶

مقتل سے جری تیغ و سپر چھوڑ کے بھاگے
یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
ہلچل تھی کہ بیٹوں کو پدر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہے
لو قوم اذا زلزلت الارض یہی ہے

۹۷

رن میں یہ تڑپتے ہوئے تن اس نے دکھائے
سو رنگ تہ چرخ کہن اس نے دکھائے
پھولے ہوئے زخموں کے چمن اس نے دکھائے
چلنے میں قیامت کے چلن اس نے دکھائے
خود آیۂ نصرت تھی ظفر کام تھا اس کا
مفتاح طلسمات جہاں نام تھا اس کا

۹۸

کس غول میں وہ صاعقۂ کردار نہ چمکی
اس تیغ کے آگے کوئی تلوار نہ چمکی
کس فرق پہ بجلی سی وہ خونخوار نہ چمکی
تلوار تو کیا برق شرربار نہ چمکی
آ تیغ اس کی جلا دینے میں بجلی تھی قضا کی
کہتا تھا جہنم کہ پناہ اس سے خدا کی

۹۹

تن سرد ہوئے گرم ہوا موت کا بازار
جب صورت مقراض اٹھی تیغ شرربار
جاں تن پہ گراں جنگ سے تھی دوش پہ سر بار
ابریشم خورشید مقرض ہوا ہر بار
ٹکڑا ہی مہر آج تلک چرخ بریں پر
ذرے یہ وہی ہیں جو چمکتے ہیں زمیں پر

۱۰۰

اک تیغ سے تھی چار طرف مشتعل آتش
تھی گرمیِ بازارِ اجل سے خجل آتش
اعدا کا تن آتش جگر آتش تھا دل آتش
آتش پہ برستی تھی پڑی متصل آتش
ارزاں تھیں شمشیر اجل دم سے خریدا
خود آگ کے مول اس کو جہنم نے خریدا

۱۰۱

ہر صف کو چمک کر تہ و بالا کیا اس نے
کاسے کو ہر اک سر کے پیالا کیا اس نے
لشکر کے اندھیرے کو اجالا کیا اس نے
خود آ گیا جب منھ پہ نوالا کیا اس نے
چار آئینہ کاٹا ہوئی حیرت کہ دمہ کو
کڑیاں نہ ملیں کھا گئی اس طرح زرہ کو

۱۰۲

لشکر کو ادھر سطوتِ شاہی نے دبایا
تلواروں کو شمشیرِ الٰہی نے دبایا
گر گر کے سپاہی کو سیاہی نے دبایا
اٹھنے لگیں ڈھالیں تو سیاہی نے دبایا
نیزوں سے بھی سر خاک پہ دہشت سے جھکے تھے
کیا چلتیں کہ تلواروں کے دم آپ رکے تھے

۱۰۳

اس تیغ کے منھ پر کوئی جاں باز نہ ٹھہرا
دہشت سے کوئی شعبدہ پرداز نہ ٹھہرا
پلے پہ بھی جا کر قدر انداز نہ ٹھہرا
اک جا قدمِ شمرِ فسوں ساز نہ ٹھہرا
گنجشک کی کیا قدر ہے شہباز کے آگے
جادو کہیں چل سکتا ہے اعجاز کے آگے

۱۰۴

پھل اڑ گئے پتا ہوئے سب برچھیوں والے
دیکھے جو گلِ زخم پڑے جان کے لالے
شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے
تھے ہر شجرِ قد کی جگہ خون کے تھالے
یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا
یوں تیغ خزاں کو بھی چلتے نہیں دیکھا

۱۰۵

جس صف پہ گئی زلزلہ برپا کیا اس نے
گرما کے جو منھ جانبِ دریا کیا اس نے
ہر قصرِ بدن کو تہ و بالا کیا اس نے
پانی کے نگہبانوں کو ٹھنڈا کیا اس نے
گردن پہ دمِ تیغ اجل دم نظر آیا
سونے سے جو چونکے تو جہنم نظر آیا

۱۰۶

تھا شور کہ اس تیغ کا پانی نہیں سم ہے
ناب اس کی نہیں جادۂ صحرائے عدم ہے
دم بھر نہیں تھمتی ہے عجب طرح کا دم ہے
جو سر ہے وہ اس تیغ کی محراب میں خم ہے
جنات کو ڈر ہے اسی تیغ دو زباں کا
جوہر نہ کہو دام ہے یہ طائرِ جاں کا

۱۰۷

سو سو شجرِ باغِ ستم کاٹ کے اٹھی
مغفر پہ جو چمکی تو جھلم کاٹ کے اٹھی
ہر نیزے کو مانند قلم کاٹ کے اٹھی
بیرق کو نہ پایا تو علم کاٹ کے اٹھی
غل تھا یہ بلا وہ ہے کہ ٹالی نہیں جاتی
گر پڑتی ہے جب برق تو خالی نہیں جاتی

۱۰۸

جب آ گئی وہ تیغ کمانوں کے برابر
تھے توڑیں میں جو تیر نشانوں کے برابر
مقتولوں کے تودے بڑھے نشانوں کے برابر
وہ خاک پہ غلطاں تھے نشانوں کے برابر
جا سکتے تھے گوشوں میں کہیں امن و اماں کے
موجود تھی ابرو کی طرح سر پہ کماں کے

۱۰۹

تھی صورتِ تحسین اس لئے وہ صاحبِ توقیر
حلقہ تھا نہ پیکاں تھا نہ گوشہ تھا نہ زہ گیر
اسبابِ شجاعت کی سر آمد تھی وہ شمشیر
کٹ جاتے تھے مثلِ خطِ باطل الفِ تیر
ثابت کسی سرکش کے نہ ترکش کی سری تھی
بے چلّہ کماں جو تھی وہ نونِ نفری تھی

۱۱۰

اللہ ری ہل چل کے جدا ہو گئے یک بار
نیزے سے انی برچھی سے پھل تیر سے سوفار
گردن سے تو سر جسم سے دم ہاتھ سے تلوار
ہاتھوں سے کمانیں تو کمانوں سے کماندار
سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو
تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو

۱۱۱

کونین میں تھا شور ثنائے شہِ اکرم
آتی تھی یہ ہاتف کی صدا چرخ سے پیہم
کرتا تھا مباہات خداوندِ دو عالم
احسنت ہے لے اشرفِ ذرّیتِ آدم
کیونکر نہ ہو تو کس کا گل اندام ہے شبیر
اس پیاس میں یہ جنگ ترا کام ہے شبیر

۱۱۲

بولے شہِ والا کہ یہ سب لطفِ خدا ہے
نے زیست کی خواہش نہ تمنائے وغا ہے
میں کیا ہوں بھلا اور شجاعت مری کیا ہے
اب خنجرِ بے آب کا مشتاق گلا ہے
کچھ منھ سے نہ شکوہ غمِ جاں کاہ میں نکلے
حسرت ہے کہ دم سجدۂ اللہ میں نکلے

۱۱۳

یہ کہہ کے لعینوں کو پکارے شہِ ابرار
یہ عصر کا ہنگام ہے اے لشکرِ کفار
لو آؤ کہ اب میان میں ہم رکھتے ہیں تلوار
قاتل سے کہو تیز کرے خنجرِ خونخوار
تلواروں میں سجدے کے لئے کود پڑیں گے
اکبرؑ کی جوانی کی قسم اب نہ لڑیں گے

۱۱۴

زینبؑ نے جو سنی ڈیوڑھی سے جب شہ کی یہ تقریر
لاؤ صفِ ماتم کہ نہیں بچنے کے شبیر
چلائی کہ لو رانڈ ہوئی بانوئے دلگیر
ہے ہے پسرِ فاطمہؑ نے روک لی شمشیر
عابدؑ کو جگا دو سفر اب کرتے ہیں بھائی
خود شمرِ ستمگر کو طلب کرتے ہیں بھائی

۱۱۵

اب گھر سے نکلتی ہوں میں اے بیبیو آؤ
سوتے ہیں کہاں باپ کے عاشق کو جگاؤ
لو فوج نے گھیرا مرے بھائی کو بچاؤ
سر کھولے کے سب آئیں یتیموں کو بلاؤ
نرغہ مرے ماں جائے پہ ہے اہلِ جفا کا
یہ وقت ہے بن باپ کے بچوں کی دعا کا

۱۱۶

گھبرا کے ادھر کھول دیئے بیبیوں نے سر
ٹکڑے جو ہوا سر سے کمر تک تنِ اطہر
حضرت پہ ادھر ٹوٹ پڑے لاکھ ستمگر
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزندِ پیمبرؐ
پانی کے بھی سائل نہ ہوئے برچھیاں کھا کے
قبلے کی طرف جھک گئے سجدے میں خدا کے

۱۱۷

راوی نے یہ لکھا ہے کہ تھا چار گھڑی دن
تھے عرش کو تھامے ہوئے سب عرش کے ساکن
جس وقت جھکا سجدے میں وہ خلق کا محسن
مقتل میں کھڑے پیٹ رہے تھے ملک و جن
پہلو سے نہ بیٹے کے جدا ہوتی تھی زہراؑ
سب خاک پہ گر پڑتے تھے جب روتی تھی زہراؑ

۱۱۸

جس صوت حسن سے شہ دیں کہتے تھے تکبیر
اے حاکمِ و زاہد ہے تری کونسی تقصیر
ماں کہتی تھی صدقے تری آواز کے شبیرؑ
ہائے ہائے ترے سینے میں گڑے جاتے ہیں سب تیر
چھوڑے نہ مجھے یہ جو عبادت ہوئے بیٹا
بتلاؤ تو زینبؑ سے بھی رخصت ہوئے بیٹا

۱۱۹

واں شمر سے بولا پسر سعد جفا کار
سیدؑ کا نہ یاور ہے کوئی اور نہ مددگار
سجدے میں بڑی دیر سے غش میں ہیں شہ ابرار
کیا دیر ہے جا کھینچ سکے اب خنجر خونخوار
بہتر ہے اگر جلد گلا تیغ سے کٹ جائے
زینبؑ کہیں آ کر نہ برادر سے لپٹ جائے

۱۲۰

تھراتا ہے دل شمر کا آنا کہوں کیونکر
اس سینے کا زانو سے دبانا کہوں کیونکر
اور فاطمہ کا خاک اڑانا کہوں کیونکر
سیدؑ کا زباں خشک دکھانا کہوں کیونکر
بیکس ہوئے سب شیعہ امام دو جہاں کے
کاٹا گیا بیٹے کا گلا سامنے ماں کے

۱۲۱

لے کر سرِ اقدس کو چلا شمر سیہ رو
یاں ٹوٹ پڑے لاشۂ بیکس پہ جفا جو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور ہائے وہ گیسو
لٹنے لگی پوشاک تنِ سیدِ خوش خو
ہتھیاروں کے لینے کو لڑے مرتے تھے ظالم
مظلوم کے لاشہ پہ گرے پڑتے تھے ظالم

۱۲۲

بھاگا کوئی عمامہ پُر خوں کو اٹھا کے
کھینچا کسی بے رحم نے دامن کو عبا کے
دستانے کوئی لے گیا شاہ شہدا کے
ہاتھوں سے کوئی کھولتا تھا بند قبا کے
مر کر بھی بڑے ظلم و ستم سہ گئے شبیرؑ
اس دھوپ میں عریاں پڑے رہ گئے شبیرؑ

۱۲۳

ملبوس بدن لے گئے سب لوٹنے والے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
کیوں چرخ یہ حال اس کا جسے فاطمہؑ پالے
شبیرؑ کا سر نیزۂ خونی کی انی پر
تف ہے بہ سپہر اور خاک ہو دنیائے دنی پر

۱۲۴

اب تاب انیسؔ آگے سماعت کی نہیں بس
یارب مجھے دکھلا دے مزارِ شہ بیکس
مقبول امام دو جہاں ہے یہ مسدس
مر کر مرا مدفن ہو وہی ارضِ مقدس
پاکیزہ و طاہر لحدِ پاک سے اٹھوں
پہنے کفن اٹھوں تو اسی خاک سے اٹھوں

رباعی

ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے ضریح
قربان شہ جن و بشر ہیں اب تک
عباسِ علیؑ سینہ سپر ہیں اب تک

رباعی

جو تن ہے فنا اسے بقا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر مانند حباب
جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

مرثیہ ۱

برہم ہے مرقع چمنستانِ جہاں کا
سایے میں ہے تیغوں کے بدن جانِ جہاں کا
ہوتا ہے سفر خلق سے سلطانِ جہاں کا
جنات میں ماتم ہے سلیمانِ جہاں کا
مضطر ہیں ملک شورِ تظلم ہے فلک پر
آہ دلِ زہراؑ سے تلاطم ہے فلک پر

۲

تھرّاتے ہیں لوح و قلم و عرشِ معظم
باندھے ہیں ملائک کی صفیں حلقۂ ماتم
کرسی پہ یہ صدمہ ہے کہ ہل جاتی ہے ہر دم
ڈر ہے نہ الٹ جائے کہیں دفترِ عالم
ہاتھوں سے عطارد کے قلم چھوٹ پڑا ہے
ہر فرد پہ اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا ہے

۳

منھ ڈھانپے ہے رونے کے لیے چرخ پہ مہتاب
تاروں پہ بھی طاری ہے غم ایسا کہ نہیں تاب
سر کھولے ہے خورشیدِ فلک چشم ہے پُر آب
سیاروں پہ ثابت ہے کہ راحت ہوئی نایاب
قتلِ پسرِ سیدِ لولاک کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنجتنِ پاک کا دن ہے

۴

ہے گلشنِ فردوس کا اس غم سے عجب حال
حوروں کے پرے پیٹتے ہیں کھولے ہوئے بال
پژمردہ ہیں گل باغ خزاں دیدہ کی تمثال
ہے شور کہ گلزارِ علیؑ ہوتا ہے پامال
پانی نہیں ملتا چمنِ مرتضوی کو
اب جان کے لالے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۵

نرگس ہے بیاباں میں کھڑی ششدر و حیراں
ہر سرو ہے شکلِ علمِ آہ نمایاں
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بال پریشاں
در ملتے ہیں پتے کفِ افسوس کو ہر آں
ماتم ہے ہر اک گل کا گریبان پھٹا ہے
فریاد کی غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے

۶

نہروں کو بھی ہے جوشِ غمِ سبطِ پیمبرؐ
روتے ہیں کنارے پہ تڑپتے حیدرؑ صفدر
ہر موج ہے سینے پہ رواں صورتِ خنجر
اک دیدۂ پُر آب کی تصویر ہے کوثر
پیاسوں کے لیے جام جو بھر بھر کے دھرے ہیں
دو چشم کے ساغر ہیں کہ اشکوں سے بھرے ہیں

۷

حضرت پہ ادھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
سیدانیاں دیتی ہیں محمدؐ کی دہائی
تنہا ہیں نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا میں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی
ڈوبے ہوئے خوں میں شہدا گرد پڑے ہیں
گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہیں

۸

ہے تابشِ خور سے عرق افشاں رخِ گلفام
لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام
لب خشک ہیں پانی کا میسر نہیں اک جام
تنہا پہ چلی آتی ہے امڈی ہوئی سپہ شام
یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیروں کی بچاتے نہیں تن کو

۹

ہیں آگے سناں تیغوں کی کھٹکے پہ نہیں کچھ غم
ہیں گرد بیاباں میں اڑے گیسوئے پُر خم
امت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
نیلے ہیں لبِ لعل یہ ہے سب پیاس کا عالم
بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹیں ہیں قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

۱۰

ذکر غم عباس بھی اصلا نہیں کرتے
خون علی اکبر کا بھی دعوا نہیں کرتے
غیرت سے نظر جانب دریا نہیں کرتے
امت کے یہ ہیں ظلم یہ شکوا نہیں کرتے
پانی کے بھی طالب نہیں گو تشنہ دہن ہیں
کلمے میں نصیحت کے محبت کے سخن ہیں

۱۱

فرماتے ہیں باز آؤ مرے قتل سے یارو
کیوں منھ پہ چڑھے آتے ہو چلّوں کو اتارو
مرنا ہے تمہیں خانۂ عقبیٰ کو سنوارو
میں گوشہ نشیں خود ہوں مجھے تیر نہ مارو
دنیا پہ کسی کا کبھی قبضہ بھی ہوا ہے
مہماں کو ستاتے ہو نشانہ یہ خطا ہے

۱۲

مظلوم مسافر پہ یہ لازم نہیں بیداد
کیا فائدہ خلعت کو پہن کر جو ہوئے شاد
برباد مجھے کر کے نہ ہوگے کبھی آباد
جس روز کفن پہنو گے وہ دن بھی ہے یاد
ظاہر میں تو بیکس ہیں گرفتار الم ہیں
کام آتے ہیں جو قبر کی وحشت میں وہ ہم ہیں

۱۳

واں ہوگا نہ یہ اوج نہ یہ زور نہ یہ زر
بر میں تو کفن ہووے گا اور خاک کا بستر
بے خیمہ و مسند نہ علم اور نہ لشکر
کام آئے گی اک دوستی آل پیمبر
دشوار ہے واں خوف نکیرین سے سونا
آرام یہاں دو دن بھی پھر چین سے سونا

۱۴

تم سب مرے دشمن ہو میں ہوں دوست تمہارا
گزار دیے لوٹ چکے گھر مرا سارا
ہاتھ آئے گا کیا ایک مسافر کو جو مارا
بے جاں کیا اس کو جو پسر تھا مرا پیارا
گاڑوں اسے اتنی مجھے مہلت نہیں دیتے
لاشوں کے اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیتے

۱۵

جلتی ہے پڑی دھوپ میں لاش علی اکبرؑ
یہ جسم کہاں اور کہاں خاک کی چادر
یہ گرم ہوا میں کبھی نکلے نہیں باہر
مٹی میں چھپا جاتا ہے پیرامہ انور
دادی سے کہا ہوگا یہ جنت کے چمن میں
بابا نے کفن دے کے نہ گاڑا ہمیں رن میں

۱۶

حضرت کے سخن سن کے یہ بولی سپہ شام
کھائیں گے ابھی دھوپ بہت اکبر گلفام
کچھ جوہر شمشیر زباں کا نہیں یاں کام
ہم مستعد جنگ ہیں ہاں کھینچیے صمصام
صفین میں خیبر میں بڑے کھیت پڑے ہیں
لاکھوں سے اکیلے اسد اللہ لڑے ہیں

۱۷

شہ نے کہا کیا دیکھ کے بیکس کی لڑائی
آنکھوں کی بصارت غم اکبر میں گنوائی
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
جو ہاتھ میں قوت تھی وہ سب لے گئے بھائی
ہمدم نہیں اب گود کا پالا نہیں کوئی
جرأت بھی مری دیکھنے والا نہیں کوئی

۱۸

بابا سا کہوں آپ کو یہ منھ مرا کیا ہے
شبیر تو بیکس ہے غریب الغربا ہے
وہ شیر خدا سیف خدا دست خدا ہے
نے فخر شجاعت ہے نہ دعوائے وغا ہے
اُن کی تیغ عطا حق نے یہ رتبہ انھیں کا
کچھ مجھ میں جو قوت ہے یہ صدقہ ہے انھیں کا

۱۹
یہ سب ہے پر تم لوگوں سے عاجز نہیں شبیر
کہتا ہوں میں اب بھی کہ مری کچھ نہیں تقصیر
جوہر مرے کھل جائیں گے کھینچوں گا جو شمشیر
حاضر ہوں میں سر کاٹ لو اے فرقۂ بے پیر
بے جنگ نہ بکیں تو شمشیر جھکے گا
جب تیغ کھینچی پھر نہ مرا ہاتھ رکے گا

۲۰
کیوں غیظ میں لاتے ہو غریب الغربا کو
آزار نہ دو روح رسول دوسرا کو
دیکھو نہ ستاؤ خلف شیر خدا کو
کوتاہ کرو دست تعدی و جفا کو
کیا فاطمہ کی آہ کا کچھ خوف نہیں ہے
بندے ہو پر اللہ کا کچھ خوف نہیں ہے

۲۱
اس پند و نصائح نے نہ کچھ کی انھیں تاثیر
گویا ہوئی اس دم اسد اللہ کی شمشیر
ہر صف سے بکو شہ پہ بڑا یہ چلے تیر
اب میان سے کھینچو مجھے یا حضرت شبیر
ناری ہیں یہ حضرت سے انھیں بغض و حسد ہے
اب تا بہ کجا صبر رحیمی کی بھی حد ہے

۲۲
پیاروں کا سہا آپ نے غم مجھ کو نہ کھینچا
اکبر نے بھی لی راہ عدم مجھ کو نہ کھینچا
بھائی کے ہوئے ہاتھ قلم مجھ کو نہ کھینچا
قاسم پہ چلی تیغ ستم مجھ کو نہ کھینچا
میں پاس ہوں اور آپ پہ کھینچیں تیر دل کا بہے
کس دن کے لئے پھر مجھے باندھا ہے کمر سے

۲۳
نیام تن سے آب آب ہوں یا سید ذی جاہ
آنے کا نہیں راہ پہ یہ لشکر گمراہ
رکھ لیجئے اب آبرو تیغ ید اللہ
میں کوہ گراں کو بھی سمجھتی ہوں پر کاہ
زندہ نہیں اترا ہے کوئی گھاٹ سے میرے
آگاہ ہیں جبرئیل امیں کاٹ سے میرے

۲۴
اک ضرب میں میں نے سر مرحب کو اتارا
جنات کا لشکر تہ و بالا کیا سارا
اک دم میں کیا عمرو سے نامی کو دو پارا
آگے مرے لاکھوں نے کبھی دم نہیں مارا
بجلی کی طرح جب صف دشمن پہ گری ہوں
دم میں حق و باطل کو جدا کر کے پھری ہوں

۲۵
حضرت نے کہا تجھ پہ جھلکتے ہیں ترے جوہر
خوش صبر سے ہوتا ہے بہت خالق اکبر
امت یہ محمد کی میں کھینچوں تجھے کیوں کر
اے تیغ مناسب ہے توقف ابھی دم بھر
اس دکھ میں ہوں صابر یہ عنایت ہے خدا کی
اک اور مرے پاس امانت ہے خدا کی

۲۶
اس راہ میں جو کچھ تھا وہ سب میں نے لٹایا
پیری میں غم اکبر کی جوانی کا اٹھایا
عباس سے بازو کو بھی ہاتھوں سے گنوایا
جو باقی ہے وقت اس کی طلب کا بھی ہے آیا
کس طرح ابھی جنگ پہ تیار ہو شبیر
ہو تجھ سے اسے بھی تو سبکبار ہو شبیر

۲۷
یہ ذکر تھا جو ڈیوڑھی سے آواز یہ آئی
اٹھارہ برس کی تو لٹی میری کمائی
بچہ مرا مرتا ہے محمد کی دہائی
اب اصغر معصوم سے ہوتی ہے جدائی
جلد آئیے رن سے دم امداد ہے آقا
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے آقا

۲۸

میداں سے پھرے شاہ صدا بانو کی سنکر
فضہ نے کہا بیبیو لو آتے ہیں سرور
ڈیوڑھی کے اُدھر جمع تھے ناموس پیمبرؐ
دوڑی علیؑ اصغر کو لیے بانوئے مضطر
اشکوں سے رخ پاک کو دھونے لگے شبیرؑ
پردے کے قریب آن کے رونے لگے شبیرؑ

۲۹

زینبؑ نے کہا صدقے گئی خیمے میں آؤ
حضرت نے کہا بانوئے بیکس کو بلاؤ
کیا حال ہے بھائی مجھے صورت تو دکھاؤ
گھبرائے سے جلدی مرے معصوم کو لاؤ
شبیرؑ طلب گار رضامندی رب ہے
سرکار خدا میں علی اصغر کی طلب ہے

۳۰

گھبرا گئی سن کر یہ سخن بانوئے ناچار
حاضر ہے کنیز آپ کی یا سید ابرار
پردے کے قریب آن کے بولی وہ دل افگار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اصغرؑ کے بھی مختار
دودھ انکا بڑھاتی یہ مرے دل میں ہوس تھی
خالق نے بلایا ہے تو پھر کیا مرا بس ہے

۳۱

آغوش میں لیجئے انہیں اے سید والا
وہ مر گئے اٹھارہ برس تک جنھیں پالا
صدقے گئی حاضر ہے مرا ہنسلیوں والا
رو لی پہ زباں سے نہیں کچھ حرف نکالا
طاقت ہے مری آپ کو میں ٹوک سکوں گی
روکا تھا انہیں کب جو انہیں روک سکوں گی

۳۲

بانو نے دو عالم کو رضامند جو پایا
دے کر علیؑ اصغر کو یہ بانو نے سنایا
فرزند ید اللہ نے ہاتھوں کو بڑھایا
آقا نہ مجھے آخری دیدار دکھایا
برگشتہ یکایک مری تقدیر ہوئی ہے
لونڈی سے بھلا کون سی تقصیر ہوئی ہے

۳۳

فرمایا شہ دیں نے کہ اے بانوئے بے پر
جینا اب مجھے دنیا میں گوارا نہیں دم بھر
شرمندہ بہت تم سے ہے فرزند پیمبرؐ
کیا سامنے میں آؤں کہ ہیں [illegible] اکبرؑ
بے غسل و کفن خاک پہ ہے لال ہمارا
جو حال ہے اکبرؑ کا وہی حال ہمارا

۳۴

فرما کے یہ میداں کو چلے حضرت شبیرؑ
زینبؑ نے کہا ہائے علیؑ اصغر بے شیر
اور خاک پہ غش کھا کے گری بانوئے دلگیر
تھا شور کہ فریاد ہے اے مالک تقدیر
مڑ مڑ کے ہر اک رانڈ کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے مقتل کو چلے جاتے تھے شبیرؑ

۳۵

اعدا کے قریں سر کو جھکائے ہوئے آئے
معصوم کو چھاتی سے لگائے ہوئے آئے
آنسو رخ انور پہ بہائے ہوئے آئے
اصغر کو ردا اپنی اوڑھائے ہوئے آئے
روتے تھے یہ صدمہ تھا شہ جن و ملک کو
بچے کو کبھی دیکھتے تھے گاہ فلک کو

۳۶

کچھ سوچ کے دامن رخ اصغر سے اٹھایا
ہر صاحب اولاد کو رو کر یہ سنایا
گویا کہ قمر ابر سے باہر نکل آیا
دو روز سے پانی نہیں اس لال نے پایا
حاضر ہوں میں خنجر مری گردن سے ملا دو
پر تھوڑا سا پانی مرے بچے کو پلا دو

۳۷
تم لوگوں کے نزدیک جو مجرم ہے تو شبیرؑ بچہ ہے بُرا اس کی ہے بھلا کون سی تقصیر
حضرت کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ تقریر مشتہر ستم آرا نے پکارا کہ چلیں تیر
تھی سب کو عداوت خلفِ شاہِ نجف سے
نیچے پہ چلے تیر ستم چار طرف سے

۳۸
چلے پہ کمانداروں کے تھا شمر سیہ رو جھک جھک کے بچاتے تھے اُسے سیّدِ خوشخو
ناگاہ لگا حلق پہ اک تیرِ سہ پہلو بچے کا گلا چھد گیا اور باپ کا بازو
دم بند ہوا باپ کو تکنے لگے اصغرؑ
منہ کھول کے ہاتھوں پہ سسکنے لگے اصغرؑ

۳۹
وہ چاند سا رخ زرد ہوا درد کے مارے بس مٹھیاں باندھے ہوئے دنیا سے سدھارے
شہ لاش کو رہتی پہ لٹا کر یہ پکارے اکبرؑ انھیں تو آئے ہیں یہ پاس تمہارے
اصغرؑ بھی رہِ حق میں فدا ہو گئے بیٹا
ہم اس کی امانت سے ادا ہو گئے بیٹا

۴۰
بانو نے سنی سبطِ پیمبرؐ کی جو زاری خیمے سے کئی بار نکل کر یہ پکاری
مٹی میں چھپاؤ نہ کمائی کو ہماری لاشِ علی اصغرؑ مجھے دے جاؤ میں واری
راحت سے مری گود میں آرام کریں گے
تنہا کبھی سوئے نہیں جنگل میں ڈریں گے

۴۱
حضرت نے کہا قتل ہوئے اصغرِؑ گلفام اب پہلوئے اکبرؑ میں انھیں کرنے دو آرام
تم سے انھیں مطلب ہے نہ کچھ دودھ سے ہے کام تو خیمے میں پھر جاؤ یہ ہے صبر کا ہنگام
اب بعد مرے اپنے جگر بند سے ملنا
مقتل میں جو آؤ گی تو فرزند سے ملنا

۴۲
لکھا ہے کہ جب لاش پسر رکھتے تھے سرورؑ سیدانیاں سب خیمے سے نکلی تھیں کھلے سر
تھا شور کہ ہے ہے علی اصغرؑ علی اصغرؑ بیتاب تھی تیغِ کمرِ حیدرِؑ صفدر
رقت سے یہ احوال تھا تیغِ دو زباں کا
جس طرح کہ مر جاتا ہے بچہ کسی ماں کا

۴۳
سینے میں تڑپتا تھا جو حضرت کا دلِ زار لاشِ علی اصغرؑ سے لپٹ جاتے تھے ہر بار
گویا ہوئی یہ حیدرِ کرارؑ کی تلوار اب تو کوئی حجت نہیں یا سیّدِ ابرارؐ
دیکھو تو مرا کاٹ کہ میں سیل فنا ہوں
حضرت نے کہا منتظرِ حکمِ خدا ہوں

۴۴
ناگاہ صدا آئی کہ اے سبطِ پیمبرؐ تو صبر کے رتبے میں ہے ایوبؑ سے بہتر
دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے ترا ہمسر ہاں لشکرِ اعدا کو دکھا تیغ کے جوہر
گو جمع ادھر تیس ہزار اہلِ ستم ہیں
کیا غم ہے تجھے تیرے مددگار تو ہم ہیں

۴۵
جو چاہے کرے ہم نے وہ قدرت تجھے دی ہے ہمت تجھے بخشی ہے شجاعت تجھے دی ہے
جو دی ہے ہے کسی کو نہ کبھی طاقت تجھے دی ہے اور اس کے سوا صبر کی دولت تجھے دی ہے
تجھ کو تو رسولوں سے سوا پیار کیا ہے
کونین کا ہم نے تجھے مختار کیا ہے

۴۶
تو کہہ تو ابھی خاک میں ان سب کو ملا دیں
پیاسا ہو تو پانی تجھے کوثر کا پلا دیں
جو مانگ وہ اصغرؑ کی شہادت کا صلہ دیں
عباسؑ کو زندہ کریں اکبرؑ کو جلا دیں
باقی رہے تو اور فنا فوجِ ستم ہو
جو اجرِ شہادت ہے کچھ اس میں سے نہ کم ہو

۴۷
مولا نے یہ کی عرض سرِ عجز جھکا کر
اولاد بھی صدقے ہے تصدق ہے مرا سر
اے بندہ نوازی کے فدا سبطِ پیمبرؐ
مشتاق ترے قرب کا ہے بندۂ احقر
یہ قوم جفا پیشہ و نا اہل ہے مولا
گر تیری عنایت ہو تو سب سہل ہے مولا

۴۸
خوش ہوں جو تری راہ میں سینے پہ لگیں تیر
غیظ آئے نہ جب برچھیاں ماریں مجھے بے پیر
پروا کروں نہ سپر کی جو پڑے جسم پہ شمشیر
تسبیح ترے نام کی ہووے دمِ تکبیر
چھاتی پہ تو قاتل ہو تہِ تیغ گلا ہو
ان سب کے عوض امتِ عاصی کا بھلا ہو

۴۹
خونِ علی اصغرؑ کا صلہ ہو یہ عنایت
دنیا سے اٹھیں جب تو ملے گلشنِ جنت
یارب مرے شیعوں کی ہو اولاد کو راحت
نے قبر میں ایذا ہو نہ تنہائی میں وحشت
کوثر پہ میں جاؤں تو گذر ساتھ ہو ان کا
دامن ہو مرا حشر میں اور ہاتھ ہو ان کا

۵۰
دے امن انہیں گرمیٔ محشر سے خدایا
آئی یہ ندا ان کو ملے گا یہی پایا
ہو سب کے سروں پر علمِ احمدؐ کا سایا
ہووے گا جہاں شاہ وہیں ہوگی رعایا
خوش ہو تو کہ رتبے ترے شیعوں کے بڑھیں گے
وہ حشر کے دن نور کے ناقوں پہ چڑھیں گے

۵۱
ہمراہ ترے حشر میں ہوں گے ترے زوار
وہ دوست ہمارے ہیں جو ہیں تیرے عزادار
پل راہِ صراط ان پہ نہیں ہوئے گی دشوار
بن جائے گا ہر اشک کا قطرہ درِ شہوار
فردوس انہیں خلعتِ رحمت انہیں دیں گے
رونے کے عوض اجرِ شہادت انہیں دیں گے

۵۲
یہ سن کے ہوئے شاد ید اللہ کا جایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
پھر سر کو کئی بار سرِ عجز جھکایا
جو کچھ کہ شہادت کا صلہ تھا سو وہ پایا
نازاں ہوں کہ تو خوش ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے
اس وقت کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے

۵۳
یہ کہہ کے بڑھے پھر سوئے اعدا سرورِ عالی
دیکھی جو چمک روحوں سے قالب ہوئے خالی
تیغ کمرِ حیدرِ کرار نکالی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی کالی
فرمایا کہ ہاں ضربتِ شمشیر کو دیکھو
تو فاطمہ کے دودھ کی تاثیر کو دیکھو

۵۴
باندھی ہیں صفیں گرد بتاؤ کدھر آؤں
کس غول میں رہوار کو چمکا کے در آؤں
خالی کروں کس صف کو کسے خون میں بھر آؤں
خالق کا غضب آئے ادھر میں جدھر آؤں
پانی ہے ظفر قبضے پہ جب ہاتھ دھرا ہے
رگ رگ میں مری زورِ یداللہ بھرا ہے

۵۵
مجھ سا نہیں دنیا میں کوئی آج اولوالعزم
سر کاٹنے کا اب بھی تمہارے جو کروں عزم
تنہا ہوں سفر کر گئے جو تھے مرے ہم بزم
ہو زیر و زبر چشم زدن میں یہ صف رزم
یاں مد نظر رحم ہے گو بے ادبی کی
پیش آیا ہے یہ امر کہ امت ہو نبیؐ کی

۵۶
میں وہ ہوں کہ جس کا ہے پدر شیر الٰہی
مشہور ہے کفار کے لشکر کی تباہی
خیبر سی لڑائی میں مدد جس نے نہ چاہی
اقلیم شہادت کی ملی ہے ہمیں شاہی
قبضہ ہے وہی اور وہی تیغ دو سر ہے
جب ہاتھ اٹھایا تو سر دست ظفر ہے

۵۷
برق غضب خالق اکبر ہے یہ شمشیر
اعدا کے نگل جانے کو اژدر ہے یہ شمشیر
اے لشکریو! قاتل عنتر ہے یہ شمشیر
مقراض اجل بہر تن و سر ہے یہ شمشیر
پانی ہے اور آتش سے خمیر اس کا بنا ہے
بجلی ہے کبھی اور کبھی سیل فنا ہے

۵۸
گھاٹ اس کا ہے بحر غضب حضرت معبود
ہے نصرت و اقبال و ظفر بات میں موجود
اک دم میں رہ امن و اماں ہوتی ہے مسدود
پشتہ اسی شمشیر کا ہے قاتل مردود
خوں سر اعدا ہے ہمیشہ خورش اس کی
پوچھے کوئی جبرئیل امیں سے برش اس کی

۵۹
مرحب سا جواں گر ہو تو اک ضرب میں مر جائے
دو کر کے تہیں گاؤ زمیں سے بھی گذر جائے
عنتر ہو تو سر تا بہ قدم خون میں بھر جائے
میں کہہ دوں کہ اے تیغ ٹھہر جا تو ٹھہر جائے
دو کوں نہ تو دم لے نہ پر روح امیں پر
پھل جا کے لگے شاخ سر گاؤ زمیں پر

۶۰
فرما کے یہ گھوڑے کو جو رانوں میں دبایا
روباہوں کے انبوہ پہ اک شیر سا آیا
شبدیز نظر کیا کہ ہوا نے بھی نہ پایا
اللہ ری سرعت کہ ہرن ہو گیا سایا
غل تھا کبھی یوں آگ سے پارا نہیں اڑتا
اس شان سے جنگل میں چکارا نہیں اڑتا

۶۱
ملعونوں کو ٹاپوں سے کچلتا ہوا آیا
انبوہ میں ڈٹ ڈٹ کے سنبھلتا ہوا آیا
ہر سو دل کفار کو ملتا ہوا آیا
غصے سے کنوتی کو بدلتا ہوا آیا
سب زیر قدم جرأت و سرعت کا چلن تھا
اس غول میں تھا شیر تو اس صف میں ہرن تھا

۶۲
کیجے جو خیال آنکھوں میں بجلی سی چمک جائے
ساتھ اس کے خیال شعرا دوڑ کے تھک جائے
یوں فکر منجم بھی نہ بالائے فلک جائے
چتون وہ کہ شیروں کی نگہ جس سے جھپک جائے
صیحہ جو وہ کرتا تھا تو ہٹ جاتے تھے گھوڑے
ہر صف میں الف ہو کے الٹ جاتے تھے گھوڑے

۶۳
مشرق سے جو راکب اسے ہاں کہہ کے اڑائے
ہے ہے سے الف ہاں ابھی یاں دس نہ پائے
عقل ملک دنگ ہو سرعت وہ دکھائے
مغرب سے یہ خورشید فلک جا کے پھر آئے
دھوکا پر پرواز کا ہے دامن زیں پر
طاؤس ہوا پر ہے تو بجلی ہے زمیں پر

۶۴

ہیں صانعِ قدرت نے کفل سانچے میں ڈھالے
سب پیار سے گردن میں عناں ہاتھوں کو ڈالے
کہتے ہیں رکابوں کو جو ہیں دیکھنے والے
ہیں دو مہِ نو زین کے دامن کو سنبھالے
گردن پہ عجب حسن سے یال اس کی پڑی ہے
گویا کہ پری کھولے ہوئے بال کھڑی ہے

۶۵

یہ تا حدِ امکاں صفتِ عقلِ رسا جائے
بالائے فلک صورتِ شبدیزِ دعا جائے
کہسار سے دریا کی طرف مثلِ صدا جائے
دریا پہ جو دوڑا دو تو مانندِ ہوا جائے
سیر اس کی اگر چشم کو منظورِ نظر ہو
آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ پتلی کو خبر ہو

۶۶

اڑ جاتے ہیں رنگِ رخِ عاشق سے سبک خیز
کاکل وہ کہ زلفِ سرِ لیلیٰ سے دلآویز
پوئی میں غزالوں کے طراروں سے کہیں تیز
آقا کے ارادے کو سمجھتا تھا وہ مہمیز
جوں سایۂ آہو نہ قرار اس کو کہیں تھا
راکب نے جدھر آنکھ سے دیکھا وہیں تھا

۶۷

بجلی سا چمکتا تھا ادھر فوج میں رہوار
شعلہ سی چمکتی تھی ادھر تیغِ شرربار
سرگرمِ دعا تھا خلفِ حیدرِ کرار
اک آگ لگا دی تھی جلے جاتے تھے کفار
سوزاں شجرِ قد تھے چناروں کی طرح سے
اڑتا تھا لہو تن کا شراروں کی طرح سے

۶۸

اس برق سے نیزوں کے نیستاں میں لگی آگ
چلاتے تھے ناری کہ بیاباں میں لگی آگ
مارا جسے اس کے تنِ بے جاں میں لگی آگ
دامن سے جو بھڑکی تو گریباں میں لگی آگ
دوزخ میں انھیں الفتِ دنیا نے کھینچا
یہ آگ ہوئی سرد تو اس نار نے کھینچا

۶۹

جو نیزۂ خطی تھا سواروں کا قلم تھا
یہ خطِ شکست ان کے مقدر میں رقم تھا
کفار کی تلواروں کا سر شرم سے خم تھا
یاں دم بدم افزوں دمِ شمشیرِ دو دم تھا
بجلی سی گری جس پہ لہو چاٹ کے اٹھی
ہر غول سے دس بیس کے سر کاٹ کے اٹھی

۷۰

جس وقت چمک کر کسی سفاک پہ آئی
سر سے کمرِ ظالمِ ناپاک پہ آئی
واں سے جو پھری توسنِ چالاک پہ آئی
توسن کو بھی دو کر کے ہوئی خاک پہ آئی
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

۷۱

ہر غول میں ضربِ شہِ ذی جاہ کا غل تھا
ہر سو روشِ تیغِ ید اللہ کا غل تھا
مقتل میں کہیں آہ کہیں واہ کا غل تھا
افلاک تک العظمۃ للہ کا غل تھا
پانی تھے جگر خوف سے بیداد گروں کے
ڈوبے ہوئے تھے خون میں بادل سپروں کے

۷۲

آتے تھے جو پر باندھ کے اسوار چپ و راست
چلتی تھی عجب شان سے تلوار چپ و راست
دو بجلیاں گرتی تھیں ہر بار چپ و راست
لاشوں کے نظر آتے تھے انبار چپ و راست
مقتل میں سواروں کے رسالے بھی قلم تھے
بھالے بھی قلم برچھیوں والے بھی قلم تھے

۶۳

اس شعلۂ آتش سے ہوا تھی شرر افشاں
گلزار خزاں دیدہ ہوا جنگ کا میداں
پامال تھے سبزے کی روش دشمن ایماں
بکھرے ہوئے تھے چار طرف غنچۂ پیکاں
ٹکڑے شجر تیر قلم شاخ کماں تھی
کیا غم تھا کہ ڈھالوں کے پھولوں پہ خزاں تھی

۶۴

گھوڑا کسی سرکش نے پرے سے جو نکالا
مارا ستم آرا نے قریب آکے جو بھالا
چلتی ہوئی تلوار کو حضرت نے سنبھالا
بجلی سی گری کوند کے تیغ شہ والا
اک وار میں ظالم کے سر اک بند کو کاٹا
جوشن کو چلتے کو کمر بند کو کاٹا

۶۵

آیا کوئی شہ زور اگر زد میں آ کر
چاہا کہ پٹک دوں اسے گھوڑے سے اٹھا کر
ضرب ابھی نہ کی شاہ نے وار اس کا بچا کر
اک ہاتھ میں لی تیغ اور اک ہاتھ بڑھا کر
یوں بند کمر شاہ سرافراز نے پکڑا
تھا شور کہ کنجشک کو شہباز نے پکڑا

۶۶

مارا جو زمیں پر تو زمیں سے نہ اٹھی گرد
تھے تیغ کی دہشت سے سیہ کاروں کے منہ زرد
مقتل سے گیا قعر جہنم کو وہ نامرد
گرم اس کی ہوا لگ گئی جس کو وہ ہوا سرد
اعجاز یہ ہنگام روانی نظر آیا
پانی میں تو آگ آگ میں پانی نظر آیا

۶۷

ٹکڑے تھے کمانداروں کے ترکش لب دریا
سیماب تھا شبدیز پہ روش لب دریا
بے جان تھا کوئی اور کوئی غش لب دریا
برسائی تھی شمشیر نے آتش لب دریا
خشکی میں تری میں نہ کہیں امن کی جا تھی
ہر صف میں محمد کی دہائی کی صدا تھی

۶۸

تھا شور کہ اے سید ابرار اماں دو
آواز بھی آئی کہ دلدار اماں دو
اب روک لو شمشیر شرربار اماں دو
بس ہو چکے سزا کو یہ ستمگار اماں دو
مظلومی و غربت میں بڑا نام ہے بیٹا
جنگ اب نہ کرو عصر کا ہنگام ہے بیٹا

۶۹

سنتے ہی یہ آواز تھمے سید ابرار
چمکار کے گھوڑے کو رکھی میان میں تلوار
یاد آگیا امت پہ فدا ہونے کا اقرار
بھر کر نفس سرد کھڑا ہو گیا رہوار
ڈر کر جو چھپے تھے وہ ستمگر نکل آئے
خیمے سے حرم قبر سے حیدر نکل آئے

۷۰

بادل کی طرح شہ پہ جھکا شام کا لشکر
دیکھی نہ چمکتی ہوئی جب تیغ دو پیکر
تلواریں کھنچیں چلنے لگے نیزہ و خنجر
سر پیٹ کے چلانے لگی زینب مضطر
کیوں تھم گئے کس نے شہ ابرار کو روکا
ہے ہے مرے ماں جائے کی تلوار کو روکا

۷۱

ہاں ضعف سے ہر سمت پہ جھک جاتے تھے سرور
ٹوٹا ہوا تھا تیر دل سے سب سینۂ انور
لگتا تھا بدن پر کہیں نیزہ کہیں خنجر
تھے ایک ہزار اور کئی سو زخم بدن پر
شانے پہ سکتے تیغ عنانے کے پڑے تھے
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑے تھے

۸۲
زخمی تھی جبیں تیروں سے تلواروں سے ابرو
بھالوں سے ستمگاروں کے مجروح تھے پہلو
رخساروں پہ تھے خون میں ڈوبے ہوئے گیسو
ٹکڑے تھیں سنانوں کی اور الماس سے بازو
زخمی نہ ہو ایسی نہ کوئی تن میں جگہ تھی
ہاں خنجر خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی

۸۳
اُمڈے چلے آتے تھے سواروں کے رسالے
سینے سے اگر کھینچ کے دو تیر نکالے
خود بیچ میں اور چار طرف برچھیوں والے
اس عرصے میں اک جسم پہ سو چل گئے بھالے
رہ جاتی تھی برچھی کوئی سینے میں جو اڑ کر
جھک جاتے تھے ہر بار سینے کو پکڑ کر

۸۴
دریا کی ترائی کی طرف دیکھ کے ہر بار
اٹھو مرے ہمدم مرے صفدر مرے غمخوار
چلاتے تھے کیا سوتے ہو عباسؑ علمدار
بھالے مرے سینے پہ لگاتے ہیں ستمگار
تلواروں سے بھائی کو بچاتے نہیں بھائی
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے نہیں بھائی

۸۵
پھر رو کے پکارے علی اکبر تمہیں آؤ
واں آ نہیں سکتا ہے یہ بے پر تمہیں آؤ
عباسؑ تو آتے نہیں دلبر تمہیں آؤ
بیکس کی مدد کو مرے صفدر تمہیں آؤ
ہاں آن کے تھامو یہ پدر تم پہ فدا ہو
بیٹا تمہیں بابا کی ضعیفی کے عصا ہو

۸۶
یہ کہتے تھے حضرت جو لگا پشت پہ بھالا
جبرئیل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
قربوس پہ تھرا کے گرے سیدِ والا
اور ہاتھوں کو گردن میں ید اللہ نے ڈالا
غش ہو گیا طاری جو شہ عرش نشیں پر
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

۸۷
مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہ ابرار
فرمایا کہ منزل پہ تو پہنچا ترا اسوار
گرد شہ دیں پھرنے لگا اُٹھ کے وہ رہوار
رخصت ہو کہ سر کٹتا ہے تو ہم بھی ہوں سبکبار
اب تیغ لئے ذبح کو جلاد بڑھے گا
قاتل ترے اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

۸۸
نیزے کی سواری ہے اب اور فاطمہؑ کا لال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہووے گی پامال
الفت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
زینبؑ نہ نکل آئے کہیں کھولے ہوئے بال
سجاد کو آگاہ مرے حال سے کر دے
جا بانوئے بیکس کو رانڈاپے کی خبر دے

۸۹
اب آئیں گے خیمے کے جلانے کو ستمگار
سجادؑ سے کہنا کہ میں صدقے ترے بیمار
کہہ دیجو بہن سے کہ سکینہ سے خبردار
گر بیڑیاں پہنائیں نہ کچھ کیجیو تکرار
خاصان خدا کے لئے ایذا و محن ہے
بندھوائیو گردن کہ یہ دادا کا چلن ہے

۹۰
گھوڑے کو شہ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینبؑ
مقتل سے چلا سر کو پٹکتا ہوا مرکب
یاں قبلۂ عالم پہ عدو ٹوٹ پڑے سب
زخمی تھا سراپا نہ کہاں زخم لگے تھے
تیغیں وہیں لگتی تھیں جہاں زخم کھلے تھے

۹۱

خیمے سے جو زینبؑ کے نکل آنے کا تھا دھیان
ڈیوڑھی سے یہ بانو کی صدا آتی تھی ہر آن
گر پڑتے تھے اٹھ اٹھ کے زمیں پر شہِ ذیشان
ہے ہے مرے سید تری تنہائی کے میں قربان
تیغوں کے تلے باپ کو تکتی تھی سکینہؑ
چھاتی سے لپٹنے کو بلکتی تھی سکینہؑ

۹۲

شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
حیدرؑ نے تو ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالا
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زہراؑ نے کہا ہائے مری گود کا پالا
فرزند کے پہلو سے نہ ہٹتے تھے محمدؐ
تھر تھر کے نواسے سے لپٹتے تھے محمدؐ

۹۳

قرآں پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
دریا میں تلاطم ہوا ہلنے لگے کہسار
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوّار
مجروح تھے سر تا بہ قدم سیدِ ابرار
سینہ جو دبا تیروں کی سریاں نکل آئیں
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں

۹۴

کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیوں کر
سر پیٹ کے عُمرو پاس گیا شمرِ ستمگر
کافی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
ریتی پہ تڑپتا رہا شہ کا تنِ اطہر
لاشے پہ ادھر ٹوٹ پڑی فوج شقی کی
لٹنے لگی پوشاک حسین ابنِ علیؑ کی

۹۵

جابر نے تو مظلوم کی دستار اٹھا لی
لی اسودِ بد نے تیغِ شہِ عالی
لیکر بن اشعث نے عبا دوش پہ ڈالی
مالک نے زرہ جسمِ مطہر سے نکالی
دستانے گئے ہاتھوں سے غازی کے اتارے
بیدینوں نے موزے بھی نمازی کے اتارے

۹۶

تاجِ سرِ شاہِ شہدا لے گیا کوئی
پیراہنِ محبوبِ خدا لے گیا کوئی
تیروں سے چھدی تن کی قبا لے گیا کوئی
خاتونِ قیامت کی ردا لے گیا کوئی
عریاں تھا بدن خاک پہ تھی پشتِ مبارک
خاتم کے لئے کاٹ لی انگشتِ مبارک

۹۷

خاموش بس اب روک انیسؔ جگر افگار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار
خالق سے دعا مانگ کہ دے ایزدِ غفار
غیر از غمِ شبیرؑ اُن کو نہ ہو غم کوئی زنہار
آنکھوں سے عزادارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

سلام

۱
رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

۲
گرچہ جو سچ نہ زیارت کی نہیں پروا ہو کیا
اب ادھر بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

۳
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

مصرع اول	نمبر	مصرع ثانی
صورت محراب خم ہو کر بصد عجز و نیاز	۴	سر نہ رکھیں گر تو منبر پر قدم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اُن کے سر	۵	آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
کٹتے تھے اعدا کہ بیچے بھی علیؑ کے شیر ہیں	۶	جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں
دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمال زشت	۷	ہم تری پروا کچھ اے ابر کرم رکھتے نہیں
جو سخی ہیں مال دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ	۸	اہل دولت وہ ہیں جو دست کرم رکھتے نہیں
جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے	۹	ہم ہیں صابر کچھ خیال بیش و کم رکھتے نہیں
	قطعہ	
زور سے اُس کے لیا ہے ہم نے میدان سخن	۱۰	اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہے ملک فصاحت کا نشاں	۱۱	کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
نقد جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں ہو وقت کوچ	۱۲	عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں
ایک کشکول توکل ایک نقد جاں ہے پاس	۱۳	ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں
کہتے تھے سجاد کھینچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں	۱۴	کیا کریں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں
	قطعہ	
کہتی تھیں رانڈیں کہ لوٹو گے آ کر ظالمو (؟)	۱۵	سیم و زر شبیرؑ کے اہل حرم رکھتے نہیں
فقر و فاقہ میں ہمیشہ ہو گئی سب کی بسر	۱۶	ان رداؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں
یہ مکاں محبوب حق کا ہے نہ آنا اس طرف	۱۷	بے اجازت یاں ملک بھی قدم رکھتے نہیں
چادریں جب چھینیں رانڈوں کی تو عابدؑ نے کہا	۱۸	کچھ حیا و شرم یہ اہل ستم رکھتے نہیں
مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اُٹھو گے انیس	۱۹	ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں
	رباعی	
دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ	۲۰	غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

مرثیہ

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

۲
ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
یاں خوں بہے گا آج محمد کی آل کا
گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جنکے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

۳
یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
لکھے خدا نماز گزاروں میں اپنا نام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

۴
یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۵
سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور
فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور
خوف ہراس رنج و کدورت دلوں سے دور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے حظ بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

۶
ساونت بُردبار فلک مرتبت دلیر
گردانِ دہر اُن کی زبردستیوں سے زیر
عالی منش سبا میں سلیماں وغا میں شیر
فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے ہیں

۷
تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لاجواب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب
نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
سوکھی زبان شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

۸
لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

۹
پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

۱۰

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرت خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال — اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا — اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

۱۱

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے — جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

۱۲

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے — پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

۱۳

قربان صنعت قلم آفریدگار — تھی ہر ورق پہ صنعت ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرت شعرائے ہنر شعار — ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل سادہ کار
عالم تھا محو قدرت رب عباد پر — مینا کیا تھا وادی مینو سواد پر

۱۴

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالۂ مرغان خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے — تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

۱۵

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے — شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

۱۶

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح — ہر خار کے بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

۱۷

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار — تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں — جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

۱۸

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاض نبی کے پھول — خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینت کاشانۂ بتول — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہ عزا کے عشرۂ اول میں کٹ گیا — وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

۱۹

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں چٹک گئیں

۲۰

وہ دشت اور خیمۂ زنگار گوں کی شان
بے چوبہ سپہر بنے جس کا سائباں
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اسی میں تھے

۲۱

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں
پردے تھے رشک پردۂ چشمان حور عیں
کہتا تھا آسمان وہم چرخ ہفتمیں
تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح گل آفتاب پر

۲۲

ناگاہ چرخ پر خط ابیض ہوا عیاں
سجادے بچھ گئے عقب شاہ انس و جاں
تشریف جانماز پہ لائے شہ زماں
صوت حسن سے اکبرؑ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

۲۳

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر
محو ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در
تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبر شبیرؑ کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

۲۴

ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا صفت ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسفؑ جمال کی

۲۵

یہ حسن صوت اور یہ قرأت یہ شد و مد
گویا ہے لحن حضرت داؤد با خرد
حقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسولؐ میں

۲۶

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
وہ لونڈی ہے جس کی کہ طاقت دلوں کو بھائے
عین الکمال سے تجھے ننھے خدا بچائے
دو دن سے ایک بوند بھی پانی کی جو نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر

۲۷

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ
وہ نور کی صفیں وہ مصلے ملک صفات
قائم ہوئی نماز اٹھے شاہ کائنات
سردار کے قدم کے تلے تھی رہ نجات
مولا تھے جانماز ہدایت نما طیر
یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیماںؑ کے سب طیر

۲۸
قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہ سرفراز
بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہ حجاز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحف ناطق کے نور کی

۲۹
امید مغفرت تھی غنی علیم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہ مستقیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
حبل المتیں یہی ہیں نجات اِنکے ہاتھ ہو
قرآن کا اور آل محمدؐ کا ساتھ ہو

۳۰
باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند
کروبیان عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
خوف خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں جانتے تھے نہ لوٹتے رکوع میں

۳۱
اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار
پر سب جگر فگار حق آگاہ خاکسار
اٹھارہ نوجواں تھے اگر کیجیے شمار
پیرو امام پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھیں کی ہے
جن پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے

۳۲
دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
وہ عجز وہ طول رکوع اور وہ سجود
ان کے لئے تھی بندگی واجب الوجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

۳۳
ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خدا
تھرائے آسمان ہلا عرش کبریا
خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائر دعا
وہ خاکسار محو تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

۳۴
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہ خاص و عام
آئے مصلّے کو جوانانِ تشنہ کام
آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

۳۵
سجدے میں شکر کے کوئی تھا مرد باخدا
نعت نبیؐ کہیں تھی کہیں حمد کبریا
پڑھتا تھا کوئی لحن سے قرآں کوئی دعا
مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یا رب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

۳۶
زاری تھی التجا تھی مناجات تھی اِدھر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر
واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

۳۷

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر
دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر
ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
عباسؑ اٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
دو کی سپر حضور کرامت ظہور پر

۳۸

اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
تم جا کے کہدو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغر ہدف نہ ہو

۳۹

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے کہ اے خلق کے امیر
اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

۴۰

باقر کہیں پڑا ہے سکینہؑ کہیں ہے غش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش
گرمی کی فصل یہ تب و تاب الاماں یہ عطش
بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر جفا پے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

۴۱

اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار
ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
اکبر سے کہو جلد یہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

۴۲

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر
جوشن پہن کے حضرتِ عباسؑ نامور
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
دروازے پہ ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

۴۳

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خود سر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر
کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

۴۴

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذو الجلال
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوؑ کے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

۴۵

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا
بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا
ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسولؐ کی ہم آلِ پاک ہیں

۴۶

سر پر نہ اب علیؑ نہ رسولؐ فلک وقار
اماں کے بعد رو لی حسنؑ کو میں سوگوار
گھر لٹ گیا گزر گئیں خاتون روزگار
دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
بچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

۴۷

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
مضطر نہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

۴۸

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس
سر پر رکھا عمامۂ سردار حق شناس
کشتی میں لائیں زینبؑ ڈوبے شاہ دیں کے پاس
پہنی قبائے پاک رسولؐ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

۴۹

شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار
بل کھا رہا تھا زلف سمن بو کا تار تار
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں

۵۰

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولؐ زمن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو
دولہا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دولہن کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتنؑ کی بو
لٹتا تھا عطر وادی عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضوان بہشت میں

۵۱

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہ زمن
چلائے ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ
لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
اماں کہاں سے لائے تھیں اب یہ بو ہمن
رخصت ہے اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

۵۲

صندوق اسلحے کے جو کھلوائے شاہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے
پیٹا منہ اپنا زینبؑ عصمت پناہ نے
بازو پہ جو خفتن پڑھے عز و جاہ نے
جو ہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

۵۳

یاد آ گئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار
تولی جو بیٹھکے ہاتھ میں شمشیر آبدار
قبضے کو چوم کر شہ دیں روئے زار زار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو

۵۴

باندھی کمر سے تیغ جو زہراؑ کے لال نے
دستانے پہنے سرور قدسی خصال نے
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہؑ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہر نبوت کی شان تھی

۵۵

ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
تیار اُدھر ہوا علم سیدِ انام
روتی تھی تھامے چوب علم خواہر امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

۵۶

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار
جعفرؓ کا رعب و دبدبۂ شیرِ کردگار
مرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار نامدار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

۵۷

گہ ماں کو دیکھتے تھے گہ جانبِ علم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ امم
آہستہ پوچھنے لگے ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا

۵۸

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش خصال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
ہم بھی بحق ہیں آپ کو اس کا ہے خیال
اسکا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں

۵۹

بے مثل تھے دلاوری لشکر کے سب جواں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکر گراں
لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
پایا علم علیؑ نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو ہو سکے بچے ہیں
پوتے انھیں کے ہم ہیں انھیں کے نواسے ہیں

۶۰

زینبؑ نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہے کام
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

۶۱

سرکو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم میرے حواس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس
بس قابل قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم جو برا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

۶۲

عمریں قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

۶۳

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھے گا یہ علم
نکلیں تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم
چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں سبھوں سے کم
عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

۶۴
پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر مختصر روزگار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
زیبا نہیں ہے وصف اضافی پہ افتخار
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں

۶۵
کیا کچھ علم سے جعفر طیار کا تھا نام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام
یہ بھی تھی اک عطائے رسول فلک مقام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے تو نخل وفا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

۶۶
لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب
مرحب کو قتل کرکے بڑھا جب وہ شیر رب
بخشا علم رسول خدا نے علی کو تب
در بند کرکے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح توڑے کوئی پتا درخت سے

۶۷
نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال
بولو بھلا یہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال
اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

۶۸
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام
غصے کو آپ تھام لیں اے خواہر امام
کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ یاد گار غلام
فوجیں بھگا کے گنج شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

۶۹
بس کہنے یہ پہنچے جو سعادت نشاں پسر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو بچے خبر
بھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

۷۰
زینب کے پاس آکے یہ بولے شہ زمن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن
کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنی بہن
زینب وحید عصر ہیں دونوں یہ گلبدن
دونوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور انداز ہی اور ہیں

۷۱
نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے
اقبال کیوں نہ ان کے قدموں سے منہ ملے
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بیشک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں
پھر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

۷۲
بس جس کو تم کہو اسے دیں فوج کا علم
فرمایا جب یہ اٹھ گئیں زہرا کے باکرم
کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

۷۳

بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام
ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے تو علیؑ کا ہے کچھ کلام
شوکت حشم میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

۷۴

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار
جرّار یادگار پدر فخر روزگار
فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
راحت رساں مطیع نمودار نامدار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

۷۵

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن
ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اکبرؑ چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلئے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

۷۶

عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
زینبؑ وہیں علم لیے آئیں بہ عز و جاہ
جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
بوسے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

۷۷

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

۷۸

کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بد گہر
دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
سادات ہیں پسر اسد ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

۷۹

منہ کر کے سوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب
یہ عرض خاکسار ہے بس یا ابو ترابؑ
ذرے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے دور گرے
شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

۸۰

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور
لیں سبطِ مصطفےٰؐ کی بلائیں بچشم تر
شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

۸۱

سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں گر فدا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
شبیرؑ جیئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

۸۲
قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لیکے جائے
ام البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
جلدی شب عروسی اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

۸۳
ناگاہ آ کے بالی سکینہؑ نے یہ کہا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا
کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
لوگو نے مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

۸۴
عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ
عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجئے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

۸۵
زیر علم تھے خاک بسر شاہ خاص و عام
کی عرض آ کے ابن حسنؑ نے کہ یا امام
باتوں پہ اُس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام
شہ بولے یہ علم لئے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

۸۶
ڈیوڑھی پہ خادمان محل کی ہوئی پکار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار
آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

۸۷
ناگہ بڑھے علم لیے عباسؑ باوفا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
دوڑے سب اہلبیت کھلے سر برہنہ پا
لو الوداع اے حرم پاک مصطفےٰ
صبح شب فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

۸۸
شہ کے قدم پہ زینبؑ ناشاد و حزیں گری
کلثومؑ تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
باقرؑ کہیں گرا تو سکینہؑ کہیں گری
اجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

۸۹
دیکھی جو شان حضرت عباسؑ عرش جاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نشتر بدل تھی بنت علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گل آفتاب سے

۹۰
مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
ترکش لگا یا ہرنے پہ کس آن بان سے
اترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبک دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلہن کا ہے چہرہ پری کا ہے

۹۱

غصے میں اکھڑے دل کے اُبلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
جو بن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
لگّا ان ہیں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دری میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے

۹۲

تھم کر ہوا چلی فرس خوش قدم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
رایت بڑھا کہ سرو ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

۹۳

پنجہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
ذرّیں علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اس کی عرش پر
دولہا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
الجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

۹۴

اللہ ری سپاہ خدا کی شکوہ و شاں
کریں سے علم کے تلے ہاشمی جواں
جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشاں
دنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جاں
ایک ایک دودمانِ علی کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

۹۵

لڑکے وہ سات آٹھ بھی قد سمن عذار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
کھیلیں جو پنجوں سے کریں شیر کا شکار
نیزوں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عید گاہ میں دولہا بنے ہوئے

۹۶

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
ہم شکلِ مصطفیٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

۹۷

دنیا سے اٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

۹۸

ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانبِ امام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

۹۹

نکلے لیے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیر خشمگیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پرے پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

۱۰۰
اللہ ری علی کے نواسوں کی کارزار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار
دونوں کے تیغ تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کئے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

۱۰۱
دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں
آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں
شوکت بھی ہو بہو تھی جناب امیر کی
طاقت دکھا دی شیر دلوں نے زینب کے شیر کی

۱۰۲
کس حسن سے حسن کا جوان حسیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
گھر گھر کے صورت اسد خشمگیں لڑا
سہرا الٹ کے یوں کوئی دولہا نہیں لڑا
سکتے دکھا دیئے اسد کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرق شامی کو مار کے

۱۰۳
چمکی جو تیغ حضرت عباس عرش جاہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسر سعد رو سیاہ
وہ رُخ الامان پکارے کہ اللہ کی پناہ
کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے

۱۰۴
سب بے سر ہوئے ہو گیا سر چشمۂ فرات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بدصفات
اک جل میں مثل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ نبات
عباس بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہروان میں امیر عرب لڑے

۱۰۵
آفت تھی حرب و ضرب علی اکبر دلیر
سب سر بلند پست زبردست سب تھے زیر
غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے جو کچھ بن چڑھے ہوئے
عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

۱۰۶
تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
کانپا کئے بدن کو سمیٹے ہوئے ملک
ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
نورے دو پہر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

۱۰۷
لاشے سبھوں کے سبط نبی خود اٹھا کے لائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

۱۰۸
لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

۱۰۹

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ
اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

۱۱۰

مقتل سے آئے خیمہ کے در پر شہ زمن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن
پر شدت عطش سے نہ تھی طاقت سخن
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایکبار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

۱۱۱

جیسے ہی دوڑی آل پیمبر برہنہ سر
نیچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
منہ سے سنے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگر چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسین نے زانوی پاک پر

۱۱۲

نیچے سے قصد تھے شہ آسمان سریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
تھا اس طرف کمیں میں ابن کاہل شریر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

۱۱۳

جب دم تڑپ کے مر گیا وہ طفل شیرخوار
بچے کو دفن کرنے چلے شاہ ذی وقار
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحال زار
اے خاک پاک حرمت مہمان نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت نبی کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی امانت علی کی ہے

۱۱۴

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
اے قبر ہوشیار رہے گلعذار سے
واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سید ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

۱۱۵

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
زیب بدن سلیح تھے بصد عز و احتشام
آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
پیراہن مطہر پیغمبر انام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جناب رسول خدا کی تھی

۱۱۶

رستم تھا درعہ پوش کہ پاکھر میں راہوار
کیا خوشنما تھا زین طلاکار و نقش کار
جرار بردبار سبک رو وفا شعار
اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوشخو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

۱۱۷

گرمی کا روز جنگ کی کیونکر کروں بیاں
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آب خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

۱۱۸

وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

۱۱۹

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تابہ شام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام
سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
سایہ کنوؤں میں اترا تھا پانی کی چاہ سے

۱۲۰

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

۱۲۱

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ہنستا تھا کوئی گل نہ مہکتا تھا سبزہ زار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱۲۲

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۲۳

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

۱۲۴

آئینہ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

۱۲۵

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ امم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دمبدم
نے دامن رسولؐ تھا نے سایۂ علم
اودے تھے لب زباں میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۲۶

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بے شمار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہؑ کے لیے قحط آب تھا

۱۲۷

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
کرتے تھے آب پاش بکھر، زمیں کو تر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں ادھر اُدھر
فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ شدت کی وہ جلال آفتاب کا
سنولا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۸

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب
بیعت جو کیجئے اب بھی تو حاضر ہے جامِ آب
دریا کو خاک جانتا ہے ابنِ بو ترابؑ
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

۱۲۹

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ
کیا جامِ آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

۱۳۰

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے
روح الامینؑ زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
کوثر ابھی رسولؐ کے احکام لے کے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

۱۳۱

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
آوازِ کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کھل گئے

۱۳۲

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش
تھرائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش
کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ زرہ پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شام کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

۱۳۳

جب بن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے
گیتی کے تھام لینے کو روح الامیںؑ بڑھے
گویا عیسیٰؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

۱۳۴

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا
جیسے کنارِ شوق سے ہو خوب رو جدا
سینے سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

۱۳۵

آئی لپک کے تیغ یوں کہ عقاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

۱۳۶

گرمی میں تیغ برق جو چمکی شرر اڑے
پرکالۂ سپہر جو ادھر اور ادھر اڑے
بھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشان اسم عزیمت اثر ہوئے
جن پر لکھے لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

۱۳۷

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اسے
دال تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

۱۳۸

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی
ایک ایک قصر تن کو زمیں پر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو چڑھ کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

۱۳۹

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان
پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اتر گیا دریا بڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

۱۴۰

قلب و جناح میمنہ و میسرا تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ
گردن کشان امت خیر الورا تباہ
بے جان جسم روح مسافر ہوا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اجڑ گئے

۱۴۱

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اترتی تھی

۱۴۲

تیغ خزاں تھی گلشن ہستی سے کیا اسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اسے
گھر جس کا خود اجڑ گیا بستی سے کیا اسے
جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

۱۴۳

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا
گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
جو اس کے منہ پہ آ گیا بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

۱۴۴

بچ بچ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی
اس سمت سے چمک کے ادھر ناگہاں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گرد پے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

۱۴۵

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

۱۴۶

اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بد صفات کا
زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درعہ پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

۱۴۷

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
منہ کھولے پھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر
تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

۱۴۸

آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
کھنچتی ہوئی زمیں پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوترابؑ کی

۱۴۹

بس بس کے کشمکش سے کماندار مر گئے
گوشے سکڑ کے کمانوں کے تیروں کے پر گئے
چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گذارا گذر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے کر و دم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

۱۵۰

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
لشکر میں خوف جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

۱۵۱

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے
اٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
مخبر پہ پیک پیک پہ مر کر عسس گرے
ٹوٹے پرے شکستہ وہ فوج ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

۱۵۲

غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا
تیغ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا
چھوڑے تھا گرگ منزل و ماوائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کے قریے اجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمیں سروں کے پہاڑ تھے

۱۵۳

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
تھی طرفہ کشمکش فلک پیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے
اس تیغ بیدریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

۱۵۴
چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
وہ شور و صیحہ، وہ ابلق و سرنگ
رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارش خدنگ
وہ لُوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشت کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسینؑ سے

۱۵۵
سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے ادھر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہل شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہان خراب کو
پیتے تھے سب حسینؑ ترستے تھے آب کو

۱۵۶
گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
آنکھوں میں ٹیس دیتی جو پڑتی دھوپ پر نظر
اف اف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
جھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا ادھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۱۵۷
سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
رکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

۱۵۸
سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

۱۵۹
گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
سو سو صفیں الٹ گئیں جب جست و خیز کی
تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرائے تھے کارزار سے

۱۶۰
اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوترابؑ کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۱۶۱
پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی
اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

۱۶۲
اکبرؑ کا نام سن کے جگر پر لگی سناں
مڑ کر پکارے لاش پسر کو شہ زماں
آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
تم نے نہ دیکھی جنگ مری اے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

۱۶۳

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد
اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہو خلاف وعد
اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

۱۶۴

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر
رو میں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

۱۶۵

ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار ستمگار و پُر دَغل
جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

۱۶۶

کھینچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیئے
دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیئے
تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہیئے
فولاد کا قلم دم تحریر چاہیئے
نقشہ کھنچے گا صاف صف کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

۱۶۷

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
سادات بے حواس ہراسان دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ اب چلی
غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر ادھر علیؑ
کون آج سر بلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھئے کس کی شکست ہو

۱۶۸

آواز دی یہ ہاتف غیبی نے تب کہ ہاں
بسم اللہ اے امیر عرب کے سرور جاں
اٹھی علیؑ کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہ زماں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے

۱۶۹

لشکر کے نوجواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اُدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سیاہ کی یا ابر گڑگڑائے
غصے میں آکے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاو زمیں کے پاؤں

۱۷۰

نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند
چلا اُدھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو دراتے تھے تنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

۱۷۱

ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر
طاری ہوا غضب خلف بوتراب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر
بجلی گری شقی کے سر پر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

۱۷۲

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار
بچنے سے پر اجل کے کہاں جا سکے تنکار
یاں سر سے آئی پشت کے مہرے پہ ذوالفقار
قربان تیغ تیز شہ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

۱۷۳

پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کے پکارے شاہ
سرشار تھا شراب تکبر سے رو سیاہ
کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
تو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

۱۷۴

آتا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں پلٹ پڑا
تیغہ خفی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا
ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبد دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدر زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

۱۷۵

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانک کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

۱۷۶

آئی صدائے غیب کہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا
اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

۱۷۷

بس اب نہ کر دغا کی ہوس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس
دم لے ہوا میں چند نفس اے حسینؑ بس
وقت نماز عصر ہے بس اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں
اب اہتمام چاہیے امت کے کام میں

۱۷۸

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں
پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر گھس گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

۱۷۹

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظل الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

۱۸۰

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر
یہ دکھ نبیؐ کے گود کے پالے حسینؑ پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

۱۸۱
لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور دو پہلو سے شمشیر ہائے ہائے
فرزند فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کئے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

۱۸۲
وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقت جنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبط نبی کا رنگ
اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

۱۸۳
لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوک ستم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشم نم
منہ کھل گیا الٹ گئی گردن رکا جو دم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
ابلا جو خوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چلو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

۱۸۴
دشمن تماشہ کا تھا اور سلمی عدو سے دیں
ماری جگر پہ ابن انس نے سنان کیں
سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
بھالا گاڑ دکے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

۱۸۵
گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب
نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحل زیں سے سر فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

۱۸۶
گر کر کبھی اٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
ابلا لہو کبھی تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی ادھر
اٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بل گرے

۱۸۷
جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

۱۸۸
پردہ الٹ کے بنت علی نکلی ننگے سر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خون جگر
اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

۱۸۹
اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ
لوگو! خدا کے واسطے مجھ کو بتا دو راہ
کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

۱۹۰

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
بس اب سفر قریب ہے شہ گھر میں جاؤ
یا مرتضیٰؑ عزیزوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

۱۹۱

بنتِ علیؑ تو بیٹھتی پھرتی تھی ننگے سر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا اُدھر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

۱۹۲

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار
سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا کے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہو ابھی یاد آ کہ میں

۱۹۳

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبرؐ جواب دو
چلا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو
کیونکر جئے گی زینبؑ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

۱۹۴

بھیا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں
کیا کہکے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

۱۹۵

ہے ہے تمہارے آگے نہ خواہر گذر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی
بھیا بتاؤں کیا تہِ خنجر گذر گئی
صد شکر جو گذر گئی بہتر گذر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

۱۹۶

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار
خیمہ میں جبکہ آگ لگا دیں ستم شعار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
رہیو مری یتیم سکینہؑ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

۱۹۷

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
عالم پسند بند ہیں سلطاں پسند بند
یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے میں خزاں کی بہار ہے

رباعی

گر لاکھ برس جئے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

مرثیہ

جب جاں نثار سبط پیمبر ہوئے شہید
عباسؑ قتل ہو گئے اکبرؑ ہوئے شہید
مظلوم کے غریب کے یاور ہوئے شہید
یاں تک کہ تیر سے علی اصغرؑ ہوئے شہید
بچا نہ بازا اپنی شجاعت دکھا گئے
تنہا امام نرغۂ اعدا میں آ گئے

۲

جب قتل رن میں ہو چکا لشکر حسینؑ کا
دشمن جو تھا ہر ایک ستمگر حسینؑ کا
باقی رہا نہ یار نہ یاور حسینؑ کا
غل پڑ گیا کہ کاٹ لو اب سر حسینؑ کا
پہلے سے یہ ابر شام کے لشکر کا چھا گیا
مظلوم اہل ظلم کے نرغے میں آ گیا

۳

اس خاصۂ خدا پہ ہوا اک ہجوم عام
نیزے لئے کوئی کوئی تولے ہوئے حسام
کالی گھٹا کی طرح سے اٹھی سپاہ شام
غل تھا کہ تیر مار دو اکیلے ہیں اب امام
گھوڑے سے ہاں گرا دو شہ سرفراز کو
پانی نہ ملنے پائے امام حجاز کو

۴

لشکر ہوا تمام مہیائے کارزار
تھی پشت پہ تو برچھیوں والوں کی اک قطار
نکلے پروں سے نیزوں کو تانے ہوئے سوار
اور سامنے کھڑے تھے کماندار دس ہزار
یہ ظلم تھا نبی کے نواسے کے واسطے
تلواریں تیز ہوتی تھیں پیاسے کے واسطے

۵

تھی سبط مصطفیٰؐ پہ عجب بے کسی و یاس
تھا دشمنوں میں یکہ و تنہا وہ حق شناس
شدت تھی آفتاب کی اور تین دن کی پیاس
بیتاب روح فاطمہؑ پھرتی تھی آس پاس
تنہائی پر پسر کی علیؑ اشکبار تھے
اور قبر میں رسولؐ خدا بیقرار تھے

۶

جن تیروں سے کہ ہوتا تھا شہ کا جگر فگار
پڑتی تھی جسم پاک پہ جب تیغ آبدار
وہ تیر ہوتے تھے جگر مصطفیٰؐ کے پار
جلتی تھی دل پہ شیر الٰہی کے اس کی دھار
نیزہ جو لگتا سینے پہ سبط رسولؐ کے
اٹھتا تھا درد دل میں جناب بتولؑ کے

۷

اک یہ الم تھا جس سے کہ یہ بیقرار تھے
اک تن تھا اس پہ زخم لگے بے شمار تھے
اک سر تھا اس کے لینے کے گاہک ہزار تھے
درپے اس ایک جان کے سب نابکار تھے
تدبیر قتل شاہ وہ گمراہ کرتے تھے
امت کی مغفرت کی دعا شاہ کرتے تھے

۸

تھا چتر زر لگائے ہوئے شمر روسیاہ
میداں میں چار سمت پہ تھی کثرت سپاہ
تابش میں آفتاب کی تھا فاطمہؑ کا ماہ
جانے کی خیمہ گاہ تلک ملتی تھی نہ راہ
سر ضعف سے جھکاتے تھے گھوڑے کی یال پر
فاقہ تھا تین روز کا زہراؑ کے لال پر

۹

پیتے تھے آب نہر چرند و پرند سب
نیلے تھے مارے پیاس کے وہ برگ گل سے لب
محروم ابن ساقی کوثر تھا ہے غضب
پڑتے تھے تیر پانی اگر کرتے تھے طلب
سو نہ پہر کی پیاس کلیجہ جلاتی تھی
کچھ بات کرتے تھے تو زباں اینٹھی جاتی تھی

۱۰

چھڑکاؤ سقے کرتے تھے میداں میں جا بجا
افراط آب دیکھ کے سلطان کربلا
اور گھوڑوں کو بھی پانی پلاتے تھے اشقیا
دل سے بیاں یہ کرتے تھے آنسو بہا بہا
اس پانی کو ترس کے مرے لال مر گئے
اصغرؑ جہاں سے تشنہ دہن کوچ کر گئے

۱۱

دریا کو دیکھ دیکھ کے فرماتے تھے یہ بات
پیتے ہیں پانی سب کے تجھ سے زبوں صفات
تو ملک فاطمہؑ میں ہے اے چشمۂ فرات
قطرے کو ہم ترستے ہیں ظرفہ ہے واردات
اعدا تو مشکیں بھر کے زمیں پر چھڑکتے ہیں
بچے ہمارے پانی کی خاطر سسکتے ہیں

۱۲

آیا نظر جو لاشۂ عباسؑ نیک نام
بھائی تمہاری لاش کے قربان ہو امام
ٹوٹی کمر کو تھام کے کرنے لگے کلام
تم کیا تمام ہو گئے ہم ہو گئے تمام
فرزند فاطمہؑ کی مدد آن کر کرو
بھائی یہ تیر پڑتے ہیں سینہ سپر کرو

۱۳

کچھ تم کو اپنی پیاری سکینہؑ کی ہے خبر
چلاتی ہے یہ ڈیوڑھی سے سر پیٹ پیٹ کر
اب تک نہیں ہوئے ہیں لب خشک اس کے تر
لوگو بتا تو دو مرے عمو گئے کدھر
تم سے بڑا عجب مجھے لے بھائی جان ہے
میری خبر ہے کچھ نہ سکینہ کا دھیان ہے

۱۴

اے میرے شیر اے مرے ہمدرد و خیر خواہ
ساحل پہ آپ کو تو ملی سرد خواب گاہ
اٹھو کمک کرو کہ ہمیں گھیرے ہے سپاہ
لاشہ زمین گرم پہ میرا رہے گا آہ
بے غسل اس زمیں پہ بہت دن رہیں گے ہم
چالیس روز دھوپ کی ایذا سہیں گے ہم

۱۵

بھائی کی لاش سے جو نہ ملتا تھا کچھ جواب
بابا کا بھی خیال ہے کب تک کرو گے خواب
کرتے تھے رو کے لاشۂ اکبرؑ سے یہ خطاب
بیٹا خبر لو نرغہ میں ہے ابن بو تراب
گھوڑے سے نیزے مار کے اعدا گراتے ہیں
ہاتھوں کو آ کے تھامو کہ ہم ڈگمگاتے ہیں

۱۶

راوی نے یہ لکھا ہے کہ وقت زوال تھا
سوکھی زباں سے بات کا کرنا محال تھا
اور غلبۂ پیاس کا شہ دیں پر کمال تھا
پانی جو ان سے مانگتا زہراؑ کا لال تھا
اس بات کا جواب بھی ظالم نہ دیتے تھے
منہ پیٹنے کی جا ہے کہ منہ پھیر لیتے تھے

۱۷

کہتا تھا کوئی تیر لگاؤ حسینؑ کو
کہتا تھا شمر گھیر کے لاؤ حسینؑ کو
تلواروں سے لہو میں ڈباؤ حسینؑ کو
گھوڑے سے جلد نیچے گراؤ حسینؑ کو
کیا چپکے دیکھتے ہو منہ اس تشنہ کام کا
سر کاٹ لو حسین علیہ السلام کا

۱۸

جب تیر آ کے لگتا تھا جسم حسینؑ پر
کہتے تھے دل سے رو رو کے یہ شاہ بحر و بر
خیمے کو تکتے جاتے تھے منہ پھیر پھیر کر
زینبؑ کہیں نہ خیمہ سے نکلے برہنہ سر
یارب تو اے کریم مرے غم میں صبر دے
زینبؑ کو اے خدا مرے ماتم میں صبر دے

۱۹

کرتے تھے ہاتھ اٹھا کے کبھی حق سے یہ دعا
بیٹے بھتیجے سب تری رہ میں ہوئے فدا
تو ہے کریم بندۂ عاجز ہوں میں ترا
میں بھی اب اپنا پیاسا گلا دیتا ہوں کٹا
بر یہ دعا قبول ہو مجھ دل ملول کی
امت کو بخش دے مرے نانا رسولؐ کی

۲۰

زینبؑ نے اپنے بھائی کی جب یہ سنی صدا
دیکھا کہ شہ کو گھیرے ہے سب فوج اشقیا
گھبرا کے آئی ڈیوڑھی پہ وہ غم کی مبتلا
امت کی مغفرت کی ہیں شہ کر رہے دعا
کوئی قریب آ کے ہے شمشیر مارتا
اور جسم پاک پہ ہے کوئی تیر مارتا

۲۱

زینبؑ پکاریں تیر یہ مجھ پہ لگاؤ تم
نیزے پہ کاٹ کر مرے سر کو چڑھاؤ تم
بھائی کے بدلے خوں میں مجھ کو ڈوباؤ تم
فرزند فاطمہؑ پہ نہ اب ہاتھ اٹھاؤ تم
پانی کو تین روز سے محروم ہے حسینؑ
سید ہے بے گناہ ہے مظلوم ہے حسینؑ

۲۲

گر جائے یہ حسینؑ کا تن پائے گی بتولؑ
دکھیا کو کیوں ستاتے ہو غم کھائے گی بتولؑ
پایہ پکڑ کے عرش کا چلّائے گی بتولؑ
جنت سے سر برہنہ چلی آئے گی بتولؑ
یہ کیا سلوک کرتے ہو تم بے گناہ سے
مانگو پناہ فاطمہ زہراؑ کی آہ سے

۲۳

اس قوم سے یہ کہتی تھی زینبؑ تو غل مچا
زینبؑ نے سر کو پیٹ کے تب اس طرح کہا
وہ شہ کو زخمی کرتے ہیں نیزہ لگا لگا
فریاد بنت فاطمہؑ کرتی ہے اے خدا
چلتے ہیں وار فاطمہؑ کے نازنین پر
کیوں آسماں گر نہیں پڑتا زمین پر

۲۴

یہ بات کہہ کے رونے لگی ڈاڑھیں مار کر
پھر شاہ سے وہ کہنے لگی یوں پکار کر
سر سے زمیں پہ پھینک دی چادر اتار کر
زینبؑ کو مار ڈالے کوئی تیغ وار کر
اس بیکسی غریبی کے قربان جاؤں میں
کچھ بس نہیں ہے مرا تمہیں کیونکر بچاؤں میں

۲۵

اس وقت چپکے رہنے کے قربان ہو بہن
اعدا سے کچھ نہ کہنے کے قربان ہو بہن
یہ ظلم و جور سہنے کے قربان ہو بہن
زخموں سے خون بہنے کے قربان ہو بہن
کیوں صدقہ ہو کے آپ پہ زینبؑ نہ مر گئی
بھائی تمہاری شکل سب خوں میں بھر گئی

۲۶

سینہ ستم کے تیروں سے غربال ہو گیا
زینبؑ کو تم بن ایک دم اک سال ہو گیا
ہے ہے یہ جسم خون سے سب لال ہو گیا
کیسی ہوئی جدائی یہ کیا حال ہو گیا
ناحق ہے ظلم فاطمہؑ کے نور عین پر
ہا ہا ستم یہ بھوکے پیاسے حسینؑ پر

۲۷

جس دم بہن کے رونے کی شہ نے سنی صدا
غل اس سے ہے خیمے میں فریاد و آہ کا
سنتے کہ مجھ پہ زندہ جو اعدا نے ہے کیا
اعدا کو زور ہے کسی اس وقت رو کے دکھا
تنہا ہے سامنا جو ہے ساری خدائی کا
پھر چادر ہے جہاں میں ہماری لڑائی کا

۲۸
کہہ کے سوچنے لگے پھر دل میں کچھ امام / حجت بھی اس گروہ سے کر لیجے تمام
پھر شاہ ظالموں سے یہ کرنے لگے کلام / کیوں مجھ پہ ظلم کرتے ہو اے ساکنانِ شام
خیر النسا ہے ماں مری بنتِ رسول ہے / میرے ستانے سے تمہیں کچھ بھی حصول ہے

۲۹
بیٹا علی کا ہوں تمہارے پیمبر کا ہوں پسر / سبطِ نبی ہوں شیرِ خدا ہے مرا پدر
محبوبِ حق نے مجھکو چڑھایا ہے دوش پر / نا منصفو خیال تمہارا گیا کدھر
پیراہنِ رسول کو کیوں خوں میں بھرتے ہو / بتلاؤ کس گنہ پہ مجھے قتل کرتے ہو

۳۰
ماں میری فاطمہ نہیں نانا نبی نہیں / بابا مرا رسولِ خدا کا وصی نہیں
امت ہو جن کی تم ہو میں اُن کا کوئی نہیں / یہ بات میرے حق میں نبی نے کہی نہیں
واجب ہے اعتقاد مرے نورِ عین سے / یعنی حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے

۳۱
اصحاب سے یہ کہتے تھے اکثر شہِ ہدا / جو دوست ہے حسین کا وہ دوست ہے مرا
دشمن ہے وہ مرا جو ہے دشمن حسین کا / دشمن نبی کی آل کا ہے دشمنِ خدا
ہو دوست تم میں گر کوئی خیر الانام کا / پوچھے اسی سے مرتبہ مجھ تشنہ کام کا

۳۲
اکبر شہید ہو گیا مارا نہ میں نے دم / اصغر کو تیر مارا کیا میں نے کچھ نہ غم
عباس کے الم سے کمر ہو گئی ہے خم / قاسم کے مرنے کا بھی مجھے سخت ہے الم
اب بھی کہو تو یاں سے کسی سمت جاؤں میں / اس جلتی ریتی سے ابھی خیمہ اٹھاؤں میں

۳۳
اس واسطے یہ کہتا ہوں اے لشکرِ جفا / اہلِ حرم کا اب کوئی وارث نہیں رہا
بیمار ایک ہے سو مصیبت میں مبتلا / اہلِ حرم میں شور ہے زیادہ آہ کا
کس طرح سے مرے دلِ بیکل کو کل پڑے / زینب کہیں نہ پردے سے باہر نکل پڑے

۳۴
اعدا نے تب کہا تمہیں پہچانتے ہیں ہم / خیر النسا کے بیٹے ہو تم جانتے ہیں ہم
پر دل پہ قتل آپ کا اب ٹھانتے ہیں ہم / اس وقت تو کسی کو نہیں مانتے ہیں ہم
گر ہو رسولِ حق کے نواسے تو کیا کریں / دو دن کے ہو جو بھوکے پیاسے تو کیا کریں

۳۵
ہم تو تمہارے خون کا دریا بہائیں گے / جتنا ستایا جائے گا تم کو ستائیں گے
احمد کی بوسہ گاہ پہ خنجر چلائیں گے / سر کو تمہارے نیزے کے اوپر چڑھائیں گے
شہ بولے خیر ہم نے تو حجت تمام کی / پر تم نے کوئی بات نہ مانی امام کی

۳۶
فرماتے تھے یہ اعدا سے سلطانِ بحر و بر / چلایا فوج کو عمرِ سعدِ بد گہر
دیتے ہو علی کے لال کو کیوں مہلت اس قدر / ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہ کا سر
خنجر سے ذبح لختِ دلِ فاطمہ کرد / اب بہ تنش کارِ زد ہم خاتمہ کرد

۳۷

یہ سنتے ہی برسنے لگے شہ پر تیر کیں
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے سیکڑوں لعیں
زخمی ہوئی امام کی وہ چاند سی جبیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے امام دیں
تم نے بہت ستایا ہے مجھ دل فگار کو
لو اب حسینؑ کھینچتا ہے ذوالفقار کو

۳۸

تم نے مرے رفیقوں کے کاٹے بدن سے سر
برچھی سے چھید ڈالا اکبرؑ مظلوم کا جگر
بازو اتارے بھائی کے میرے فرات پر
مارا اسے بھی تھا چھ مہینے کا جو پسر
ایذا اٹھائی پیاس کی شکر خدا کیا
میں نے نہ کچھ زبان سے تمھارا گلا کیا

۳۹

بس میرے قتل سے اب ہاتھ اٹھاؤ تم
میں جاؤں اپنے شہر میں کوفہ میں جاؤ تم
سید کو بے وطن کو نہ اتنا ستاؤ تم
جسم نبیؐ ہوں مجھکو نہ نیزے لگاؤ تم
کیوں خاک میں ملاتے ہو گھر بوترابؑ کا
میرا لہو لہو ہے رسالت مآبؐ کا

۴۰

واللہ مرا ہے قتل رسولؐ زمن کا قتل
محسنؑ کی ظالمو ہے شہادت حسنؑ کا قتل
زہراؑ کا خوں ہے اور علیؑ صف شکن کا قتل
ذبح حسینؑ خلق میں ہے پنجتن کا قتل
مرنا مرا نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو
مجھکو کیا شہید تو مارا رسولؐ کو

۴۱

مظلوم کو یہ ظالموں نے تب دیا جواب
حضرت کا قتل کرنا سمجھتے ہیں ہم ثواب
ہے آپ کو جو بیعت حاکم سے اجتناب
حیدرؑ شہید ہوں کہ رسولؐ فلک جناب
نیزے لگا کے گھوڑے سے ٹکرائیں گے
پانی نہ دیں گے حلق پہ خنجر چلائیں گے

۴۲

یہ سن کے آ گیا شہ مظلوم کو جلال
اس غیظ میں کھڑے ہوے سارے بدن کے بال
غصے سے ہو گیا رخ انور کا رنگ لال
فرمایا ظالموں سے کہ اے قوم بد خصال
تم جانتے ہو ابن علیؑ کو ہراس ہے
مجھکو فقط رسولؐ کی امت کا پاس ہے

۴۳

یہ کہہ کے ذوالفقار کو کھینچا نیام سے
جوں برق نکلی کوندتی وہ فوج شام سے
ظاہر ہوا یہ معجزہ دست امام سے
دم میں ہٹا دیا انہیں ان کے مقام سے
غصہ میں صورت اسد حق جدھر گئے
بن تیغ کتنے شاہ کی دہشت سے مر گئے

۴۴

فرمایا ہے کشندۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوجھتا نہیں کہ ہوا ہے جواں پسر
لنگر اکھاڑوں کوہ کا ٹوٹی ہے گو کمر
لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
وارث ہوں ذوالفقار جناب امیرؑ کا
رگ رگ میں میری زور ہے زہراؑ کے شیر کا

۴۵

لاشے پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن میں
کس طرح آ سکے وہ شجاعت بیان میں
اک تہلکہ سا پڑ گیا کون و مکان میں
ایسا لڑا نہیں کوئی پیاسا جہان میں
پیدل تو کیا سوار ہزاروں بھگا دیے
کشتوں کے پشتے رن میں ہر اک جا لگا دیے

۴۶

غصہ میں تھا زبس خلف شیر کردگار
گھوڑوں سمیت ٹکڑے پڑے تھے کہیں سوار
بے سر کہیں تھے خاک پہ اک سمت نیزہ دار
ہرگز کمان کشوں کے نہ لاشوں کا تھا شمار
شبیر باگ اٹھاتے تھے جب نعرہ مار کے
گھٹتے نہ تھے زمیں پہ قدم راہوار کے

۴۷

جوں برق تیغ شاہ سروں سے گزر گئی
جس جس کو چھو گئی بس اُسے خوں میں بھر گئی
سب دیکھتے رہے کدھر آئی کدھر گئی
اک دو ہوئے جو دو تھے انھیں چار کر گئی
اک دم میں شہ نے خون کے دریا بہا دیئے
حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھا دیئے

۴۸

جس شخص کے پڑا الف تیغ فرق پر
با دست چار آئینہ و جوشن و سپر
تھا لام الف کی طرح وہ دو ٹکڑے ٹوٹ کر
اعدا کے جوں نقاط غلط کٹ گئے تھے سر
ہر صف بصورت صف باطل قلم ہوئی
ایسی بھی جنگ صفحۂ عالم میں کم ہوئی

۴۹

گوشوں میں جا چھپے تھے کماندار ہرزہ کار
دست اماں اٹھاتی تھیں تلواریں بار بار
چادر ہلا رہے تھے شجاعان نامدار
نیزے بلند کرتے تھے انگشت زینہار
خود صاحب کمند اسیر کمند تھے
دم خنجروں کے تیغ کی دہشت سے بند تھے

۵۰

کشتوں کے ڈھیر دشت ستم میں لگا دیئے
ہر حملے میں سواروں کے ٹکڑے اڑا دیئے
دریا کے پاس خون کے دریا بہا دیئے
پیدل بھی ایک دم میں ہزاروں بھگا دیئے
اللہ ری ضرب راحت جان بتول کی
چلاتے تھے مدد کو دہائی رسول کی

۵۱

بہر مدد فرشتے بھی آئے تھے بے شمار
سب کہتے تھے کہ اے خلف شیر کردگار
اور قوم جن بھی حرب کی تھی بس امیدوار
گر حکم ہو تو آپ پہ ہو جائیں ہم نثار
شہ کہتے تھے کہ گو مرا تن زخم دار ہے
فرزند مرتضیٰ کو مدد ناگوار ہے

۵۲

میری مدد کو کافی ہے سر پر مرا خدا
حلال مشکلات پدر جس کا ہو بھلا
جز ذات حق کسی کا نہیں ہم کو آسرا
پھر غیر کی مدد کا وہ محتاج کب رہا
کٹوا کے اقربا کو نہ خاطر ملول کی
اولاد سے عزیز ہے امت رسول کی

۵۳

اور اس گھڑی جو فوج مخالف سے میں لڑا
لیکن فقط یہ تھا بشریت کا مقتضا
فریاد اہلبیت نے تھا مضطرب کیا
اب دیکھو کیسا صبر سے کٹواتا ہوں گلا
طاقت تو دیکھ لی مری غربت بھی دیکھ لو
دیکھا غضب تو صبر شہادت بھی دیکھ لو

۵۴

یہ سن کے سب ملائکہ کرنے لگے بکا
کیسا لڑا ہے آج مرا شیر واہ وا
ناگاہ آئی پردۂ گردوں سے یہ صدا
سر پر ہو کوئی تجھ سے جہاں میں مجال کیا
ہاں اے حسین مہر پیمبر بھی یاد ہے
کچھ تم کو اپنے خون کا محضر بھی یاد ہے

۵۵

سب طرح کا دیا ہے تجھے ہم نے اختیار
پر دے گا تو نہ حلق پہ گر تیغ کیں کی دھار
تو چاہے گر تو ہوں ابھی غارت یہ نابکار
تو امت نبی نہیں ہونے کی رستگار
موقوف تیرے قتل پہ اُن کی نجات ہے
حرمت گناہگاروں کی اب تیرے ہاتھ ہے

۵۶

سُن کر صدا یہ کانپ گئے شاہِ نامدار
کی عرض کبریا سے بصد عجز و انکسار
رکھ لی نیام میں وہیں شمشیر آبدار
شبیر تیری راہ میں سو جان سے نثار
ہر امر میں تجھی سے عنایت ہوں چاہتا
اور امت نبی کی شفاعت ہوں چاہتا

۵۷

تیری مدد سے جرأت و ہمت دکھا چکا
اولاد کا بھی داغ کلیجہ پہ کھا چکا
دو دن کی بھوک پیاس کی لذت اٹھا چکا
اصغر سے طفل کو قبر کے اندر سلا چکا
اب آرزو یہ ہے کہ یہ خادم نثار ہو
سجدے میں سر ہو حلق پہ خنجر کی دھار ہو

۵۸

یہ کہہ کے بس ٹھہر گئے سلطان کربلا
بس تو مری سواری کا حق کر چکا ادا
ماتھے پہ ہاتھ پھیر کے گھوڑے سے یہ کہا
تیرا سوار ہوتا ہے بس تجھ سے بھی جدا
یہ بات کہہ کے شاہ حجازی نے رو دیا
حضرت کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

۵۹

یہ کہہ کے ظالموں کو پکارے امام دیں
تن پر لگاؤ نیزہ و شمشیر و تیر کیں
کیوں بھاگ گئے ہو آؤ کہ لڑنے کے ہم نہیں
حاضر ہے سر کٹانے کو زہرا کا نازنیں
اب دم کشی نہ مجھ پہ کوئی مطلقاً کرے
قاتل کہاں ہے آ کے مرا سر جدا کرے

۶۰

سن کر سخن یہ ٹوٹ پڑی فوج نابکار
تیر ستم گزر گئے سینے سے بے شمار
نورانی جسم برچھیوں سے ہو گیا فگار
نیزوں کے چار سو سے کیے ظالموں نے وار
تیغوں سے پیچ سارے عمامے کے کٹ گئے
گیسو لہو میں ڈوب کے رخ سے لپٹ گئے

۶۱

تھے دو ہزار جسم شہ بحر و بر پہ زخم
گردن پہ زخم سینہ پہ زخم اور کمر پہ زخم
ماتھے پہ زخم تیر کے تیغوں کے سر پہ زخم
اور اس کے ماورا تھے بہتر جگر پہ زخم
گھوڑے پہ گہ سنبھلتے تھے گہ ڈگمگاتے تھے
غش آتا تو ہرنے [?] پہ سر کو جھکاتے تھے

۶۲

گھوڑے پہ جب سنبھلنے کی باقی رہی نہ تاب
گرنے لگا زمیں پہ وہ چودہ آسماں جناب
ہاتھوں سے باگ چھوٹ گئی پاؤں سے رکاب
مرقد میں بے قرار ہوئی روحِ بوتراب
غل تھا کہ خاک پہ شہ کون و مکاں گرا
بس اب زمیں الٹ گئی اور آسماں گرا

۶۳

راوی یہ شہ کے زخموں کا لکھتا ہے ماجرا
تفصیل اس کی سن کے کلیجہ ہے کانپتا
کب دو ہزار زخموں کی ہوتی ہے تن میں جا
یعنی جو زخم تیغ تن شاہ پہ لگا
اس زخم میں بھی سیکڑوں تیروں کے وار تھے
ہر زخم نیزہ میں کئی سو تیر پار تھے

۶۴

ہرگز بہجوم زخم سے تن میں رہی نہ تاب
ہونٹوں پہ پھیرتا تھا زباں کو بغیر آب
بیٹھا زمیں پہ جھومتا تھا ابن بوتراب
چلاتی تھی یہ ڈیوڑھی سے زینبؑ جگر کباب
ہے ہے ترس حسینؑ پہ کھاتا نہیں کوئی
مرتا ہے میرا بھائی بچاتا نہیں کوئی

۶۵

ظالم کھڑا تھا سینے پہ گرد وہ بیٹھا تھا خاک پر
آنے لگا جو غش تو جھکایا زمیں پہ سر
ڈوبا ہوا تھا خون میں ملبوس سر بسر
سجدے میں عرض کی یہ خداوند بچشم تر
یا رب تو میرے نانا کی امت کو بخش دے
اور میرے بھی قصور عبادت کو بخش دے

۶۶

شرمندہ ہوں میں شکر لئے آیا تھا کیا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لا انتہا کیا
جو حق بندگی تھا نہ وہ بھی ادا کیا
یاں تک کہ ساری خلق کا مشکل کشا کیا
صدقہ ہو آج فاطمہؑ کے نور عین پر
آسان کر دے ذبح کی مشکل حسینؑ پر

۶۷

رو رو دعا یہ حق سے ابھی کرتے تھے امام
اُس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا کلام
جو ظالموں نے شہ پہ کیا اور ازدحام
ہاں جلد کاٹ تن سے سر سید امام
بلوہ نہ سن کے فاطمہ زہرا کی آہ کو
گل کر دے شمع قبر رسالت پناہ کو

۶۸

یہ سنتے ہی چڑھائی ستمگر نے آستیں
تھے قبلہ رو جھکے ہوئے سجدے میں شاہ دیں
خنجر کمر سے کھینچ کے آگے بڑھا لعیں
لب ہلتے دیکھے شاہ کے آیا جو جب قریں
سمجھا کہ تشنگی سے جو صدمے گذرتے ہیں
اُس وقت بد دعا مجھے شبیر کرتے ہیں

۶۹

جھک کر قریب کان جو لایا تو یہ سنا
جاری زبان خشک سے ہے یہ کہ اے خدا
حق میں گنہگاروں کے شہ کرتے ہیں دعا
کر حاجتوں کو میرے محبوں کی تو روا
شیعوں کا حشر روز جزا میرے ساتھ ہو
میرا یہ خوں بہا ہے کہ اُن کی نجات ہو

۷۰

یہ سن کے متعد ہوا شہ کے وہ قتل پر
گردن پہ پھیرنے لگا خنجر وہ کینہ ور
زانو رکھا حسینؑ کی چھاتی پہ بے خطر
آئی صدا عقب سے کہ ہے ہے مرا پسر
زہراؑ پکاری کچھ بھی نبیؐ سے حجاب ہے
ظالم یہ بوسہ گاہ رسالت مآبؐ ہے

۷۱

کیوں ذبح میرے لال کو کرتا ہے بے گناہ
کشتی کو اہلبیت نبیؐ کی نہ کر تباہ
کیوں کاٹتا ہے میرے کلیجہ کو روسیاہ
میں فاطمہؑ ہوں عرش ہلا دے گی میری آہ
جس سینے میں ہیں علم الٰہی بھرے ہوئے
تو پاؤں بے حیا ہے اُسی پر دھرے ہوئے

۷۲

آواز اپنی ماں کی یہ زینبؑ نے جب سنی
دیکھا کہ ذبح کرتا ہے خنجر سے وہ شقی
ڈیوڑھی نکل کے خیمے سے وہ پیٹتی ہوئی
سر پیٹ کر یہ کہنے لگی وہ جگر جلی
ہے ہے نہ میں رسول کے پیارے کو ذبح کر
ظالم نہ مصطفےٰ کے نواسے کو ذبح کر

۷۳

بانوؑ پکارتی تھی یہ کیا کرتا ہے لعین
چلاتی تھی سکینہؑ کہ جینے کی میں نہیں
پیاسا ہے تین روز سے زہراؑ کا نازنین
باباکو ذبح کرتا ہے کیوں اے عدوئے دیں
خنجر نہ پھیر شاہ کی گردن پہ رحم کر
باباکو چھوڑ دے مرے بچپن پہ رحم کر

۷۴

زخموں سے چور چور ہے زہراؑ کا یادگار
باباکے حلق پر تو نہ پھیر اب چھری کی دھار
جس چھاتی پہ میں سوتی تھی اس پہ ہو تو سوار
بدلے پدر کے سر کے مرے سر کو تو اتار
سید پہ تشنہ لب پہ ستم اس قدر نہ کر
پوتی ہوں فاطمہؑ کی مجھے بے پدر نہ کر

۷۵

رو کر بیان کرتی تھی بچی وہ تشنہ کام
کرتا تھا ذبح شاہ کو وہ نطفۂ حرام
دیکر دوہائی پیٹتی تھیں بیبیاں تمام
سوکھی زباں دکھا کے یہ فرماتے تھے امام
خنجر ابھی نہ حلق پہ دھرتا تو خوب تھا
پانی پلا کے ذبح جو کرتا تو خوب تھا

۷۶

یہ کہتے تھے حسینؑ کہ بس حلق کٹ گیا
ننھا سا دل سکینہؑ کا سینے میں پھٹ گیا
نورانی جسم ریگ بیاباں میں اٹ گیا
اک شور تھا کہ دفتر عالم الٹ گیا
فوج لعیں تو فتح کے باجے بجاتی تھی
فریادِ فاطمہؑ کی صدا رن سے آتی تھی

۷۷

سر کٹ گیا جو سبط رسالت پناہ کا
بس اے انیسؔ شور ہے فریاد و آہ کا
غارت گروں نے قصد کیا خیمہ گاہ کا
عرض اس سے کر غلام ہے جس بادشاہ کا
خلقت کے مدد و رنج و مصیبت کو دور کرو
آقا مدد کرو مرے مولا مدد کرو

سلام

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آ گئی جدھر دیکھا
علیؑ کو حق نے اتارا جو عین کعبہ میں
کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا
بروز عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو
غم حسینؑ میں عابدؑ کو نوحہ گر دیکھا
قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر
تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا

قطعہ

سحر ہوئی شب معراج کی تو لوگوں نے
جمال پاک رخ سید البشرؐ دیکھا
کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجئے ارشاد
جو کچھ حضور نے یا شاہ بحر و بر دیکھا
گہر فشاں ہوئے لعل لب رسولؐ کریم
کہ سب سے رتبۂ حیدرؑ زیادہ تر دیکھا
ورائے کرسی و عرش عظیم و لوح و قلم
وصیؑ کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا

دل دلی کی صدا تھی جہاں جہاں پہونچا
عُلّے عُلّے نظر آئے جدھر جدھر دیکھا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

رباعی

مینا نہ کوثر کا شرابی ہوں میں
کیا قبر کا خوف [illegible] ترابی ہوں میں
کہتی ہے یہ چشم اشک دکھو نہ مجھے
اے اہل نظر مردم آبی ہوں میں

رباعی

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
زمی سے مطیع سنگ دل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

رباعی

مشہور ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدح امام نامی کا ہے
یہ کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا
آقا یہ شرف تری غلامی کا ہے

رباعی

کب دزد سے دولت ہنر بچتی ہے
وے بھاگتے ہیں جب کہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دزدان مضامیں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

رباعی

نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے
باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو
ہو طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

رباعی

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے
دعویٰ ہنر نہ عیب خود بینی ہے
مداح گل گلشن زہرا ہوں میں
غنچہ کی طرح زباں میں رنگینی ہے

رباعی

کس منہ سے کہوں لائق تحسیں میں ہوں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں میں ہوں
ہوتی ہے حلاوت سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں

رباعی

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سے روشن ہے کمال اپنا انیس
ہم اس کو نظر آئیں کہ جو بینا ہے

مرثیہ ۱

اے شمع قلم روشنیٔ طور دکھا دے
اے بحر طبیعت گہر نور دکھا دے
اے لوح تجلیٔ رخ حور دکھا دے
اے شاہد معنی رخ مستور دکھا دے
بزم غم شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشید جہاں تاب چراغ سحری ہو

۲

اے جیب رسا خلد کا گلزار دکھا دے
اے شمع زباں معجزہ انوار دکھا دے
اے باغ سخن گلشن بے خار دکھا دے
اے حسن بیاں خوبیٔ گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغ زباں آج تو کر کام قلم کا

۳

مانی کو بھی حیرت ہو وہ نقشہ نظر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
سب بزم کو حیدر کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہے رخ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو تصویر تجلی کا ورق ہو

۴

اے رتبۂ مدح چمن فاطمہ عالی
ہر مصرعۂ شاداب ہو اک پھولوں کی ڈالی
ہاں باندھ تو گلدستۂ مضمون خیالی
لفظوں سے کبھی غنچہ ہوں نزاکت سے نہ خالی
لبریز نزاکت سے ہو رنگیں سخن ایسا
رضواں بھی پکارے نہیں دیکھا چمن ایسا

۵

خاموش زباں دعویٰ بے جا نہیں اچھا
بس بس یہ غرور اور یہ دعوا نہیں اچھا
ہو جس میں تکبر سخن ایسا نہیں اچھا
آپ اپنی ثنا واہ یہ شیوا نہیں اچھا
کم مایہ کمال اپنا جتا دیتا ہے اکثر
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے اکثر

۶

خورشید کو کچھ حاجت زیور نہیں زنہار
اصلی ہے اگر جنس تو کیا حاجت اظہار
پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار
جو بد ہے سو بد ہے جو نکو ہے وہ نکو ہے
چھپنے کی نہیں آپ اگر عود میں بو ہے

۷

انساں کے لئے عجز ہی لازم ہے بہر کیف
گر صاحب جوہر نہ چلے جھک کے تو صد حیف
ہے خانۂ دنیا میں ہر اک پیر و جواں ضعیف
خارج ہے اصالت سے وہ کستی نہیں جو سیف
آفاق میں یوں فیض نگیں عام نہ ہوتا
ہوتا نہ فروتن تو کبھی نام نہ ہوتا

مطلع دوم ۸

یارب مری فریاد میں تاثیر عطا کر
دولت کے عوض فقر کی جاگیر عطا کر
بلبل بھی پھڑک جائے وہ تقریر عطا کر
توفیق ثنا خوانیٔ شبیرؑ عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہے نہ اعجاز بیاں ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

۹

اے باعث ایجاد جہاں وقت مدد ہے
اے خضر رہ گم شدگاں وقت مدد ہے
اے منتظم کون و مکاں وقت مدد ہے
اے دادرس پیر و جواں وقت مدد ہے
چلنا ہے دم تیغ دو دم پر کوئی دم کو
یوں ہاتھ پکڑیے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

اے قبلۂ کونین اعانت کی طلب ہے	مطلع سوم ۱۰	اے ہادیٔ دارین ہدایت کی طلب ہے
اے بحر عطا ہمت و رحمت کی طلب ہے		اے نور خدا نور بصیرت کی طلب ہے
مقبول ہے وہ تو جسے منظور کرے گا		اس ذرہ کو خورشید ترا نور کرے گا
اے ساقیٔ کوثر مئے فردوس عطا کر	۱۱	اے عیسیٰؑ دوراں مرض دل کی دوا کر
اے دست خدا قلب مکدر کی صفا کر		اے نور حق آئینۂ خاطر کی جلا کر
مستی میں نہ فکر خرد و ہوش کروں میں		کیفیت دنیا کو فراموش کروں میں
اندیشۂ توصیف شہنشاہ امم ہے	۱۲	زانو پہ سر فکر ہے سجدے میں قلم ہے
یہ راہ ہے باریک کہ لغزش میں قدم ہے		اے دست زبردست خدا وقت کرم ہے
انجام سے نہ کچھ طبع خداداد سے ہوگا		یہ مرحلہ طے آپ کی امداد سے ہوگا
بلبل سے کبھی وصف گل تر نہیں ممکن	۱۳	آئینے سے اوصاف سکندر نہیں ممکن
ذرے سے ثنائے شہ خاور نہیں ممکن		جبریلؑ سے تعریف پیمبرؐ نہیں ممکن
مقدور کسے شیر الٰہی کی ثنا کا		ہو سکتا ہے بندے سے کہیں شکر خدا کا
ہے عرش جہاں فرش یہ کاشانہ ہے کس کا	۱۴	ہر سو ہے تجلی یہ جلو خانہ ہے کس کا
جلتا ہے دل شمع یہ افسانہ ہے کس کا		سرگشتہ ہے مہتاب یہ پروانہ ہے کس کا
روشن ہے جہاں جلوۂ نور ازلی ہے		ہاں بزم معلائے حسینؑ ابن علیؑ ہے
اللہ رے رتبہ یہ فلک ہے کہ زمیں ہے	۱۵	ہے عرش مکاں جس کا وہ آج اس میں مکیں ہے
جو دل ہے سو وابستۂ لطف شہ دیں ہے		مجلس ہے کہ گلدستۂ فردوس بریں ہے
یہ اوج یہ رتبہ کسی محفل کو ملا ہے		ان پھولوں کے قربان عجب باغ کھلا ہے
فرماتے ہیں شیعوں کے یہ حق میں شہ اکرم	۱۶	یہ بزم عزا ہوتی ہے جس گھر میں فراہم
بن جاتے ہیں اشک ان کے مرے زخموں کے مرہم		یہ لوگ ہیں سب میرے مصاحب مرے ہمدم
مر جاتا ہے کوئی تو بکا کرتا ہوں میں بھی		ان کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی
کیسا ہی گنہگار مرے میرا عزادار	۱۷	ہے اس کے گناہوں سے فزوں رحمت غفار
فرماتے ہیں بخشش کی دعا احمد مختار		اللہ سے میں ہوتا ہوں بخشش کا طلبگار
گر نزع میں سختی ہو تو زہراؑ و نبیؐ ہیں		اور قبر کی مشکل میں شریک اس کے علیؑ ہیں
کیوں مومنو کیا فیض ہے کیا لطف و عطا ہے	۱۸	کیا مرتبۂ اشک ہے کیا اجر بکا ہے
گوہر ہیں یہ وہ جن کا خریدار خدا ہے		جو کچھ ہے سو بس دوستی آل عباؑ ہے
دنیا پہ نہ دولت پہ توجہ ہے نہ زر پر		زہراؑ کی نظر پڑتی ہے اشکوں کے گہر پر

۱۹

کیا اشکِ عزادار کا رتبہ کوئی جانے
کی ہے نظرِ عین عنایت شہدا نے
یہ گنجِ گہر بخشا ہے مردم کو خدا نے
دکھلائیں گے کیا کیا ثمر ان اشکوں کے دانے
یاں اس کا نہ عقدہ دلِ مضطر پہ کھلے گا
یا قبر میں یا چشمۂ کوثر پہ کھلے گا

۲۰

یاں اشک کا دانہ ہے تو واں دُرِ ثمیں ہے
یاں آنسوؤں کا تار ہے واں حبلِ متیں ہے
یاں آب ہے واں غازہ کشِ چہرۂ دیں ہے
یاں قطرہ ہے واں خاتمِ رحمت کا نگیں ہے
قطرہ ہے مگر بحر کو بھی گرد کرے گا
دوزخ کے شررادل کو بھی سرد کریگا

۲۱

جو لوگ ہیں باکی انھیں دوزخ سے نہیں باک
ہے دولتِ ایماں غمِ سبطِ شہِ لولاکؐ
منہ اشکوں سے دھویا تو گناہوں سے ہوئے پاک
ہو جاتی ہے کیا بعد بُکا طبع فرحناک
آنکھوں کی ضیا رخ کی صفا دل کی جلا ہے
سب ایک طرف گلشنِ فردوس صلا ہے

۲۲

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اُسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اُسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اُسے جانو
ایذا بھی ہو مجلس میں تو راحت اُسے جانو
فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

۲۳

تکلیف یہ کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
کچھ گرمیِ عاشور کا بھی حال سنا ہے
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے فریاد کی جا ہے
گذری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

۲۴

وہ گرم ہوا آہ وہ آندھی وہ بگولے
دو گام چلے گر تو ہرن چوکڑی بھولے
اٹھے جو ترائی سے تو دم شیر کا پھولے
کیا تاب ہے اس کی جو کوئی سنگ کو چھوے
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

۲۵

حدت تو یہ خورشید کی اور پیاس کا وہ حال
سایہ نہ علم کا تھا نہ عباسؑ خوش اقبال
لب خشک تھے سنولا گیا تھا فاطمہؑ کا لال
گہ رخ پہ سپر روکتے تھے اور کبھی رومال
تھی دھوپ کڑی فاطمہؑ کے رشکِ چمن پر
تھی گرم زرہ جلتے تھے اعضا بدن پر

۲۶

زلفیں وہ جنھیں سونگھتی تھی فاطمہؑ ہر شب
کہتے تھے جنھیں فاطمہؑ کا رشتۂ جاں سب
غیرت دہِ مشکِ ختن و عنبرِ اشہب
کیوں دل نہ پریشاں ہو وہ مٹی میں اٹیں سب
آہوں کا دھواں کیوں نہ اٹھے کون و مکاں سے
فریاد کہ باندھا انھیں خولی نے سناں سے

۲۷

وہ چاند سی پیشانیِ نورانیِ شبیرؑ
سجدے کریں محرابِ حرم کی ہے یہ توقیر
اندھیر ہے اس پر بنِ اشعث کا لگا تیر
ان ابروؤں پہ ہائے چلی ظلم کی شمشیر
آہو کو ستاتے نہیں درندے حرم میں
آنکھیں وہ جو روتی تھیں فرزندوں کے غم میں

۲۸

وہ ریش جو ہالا تھی تو چہرہ مہِ انور
فانوس سے یہ تھا زرد وہ تھی آنسوؤں سے تر
وہ پھول سے رخسار وہ لعلِ لبِ اطہر
اُس کے لیے تلواریں تھیں اِس کے لیے پتھر
دنداں دہنِ پاک میں سب رنگِ گہر تھے
گذرے تھے کئی روز کہ دنداں بجگر تھے

۲۹

وہ حلق جسے چومتے تھے احمدِ مختار
تیر اس کے لیے ہوتے تھے واں خنجرِ خونخوار
وہ دوش جو امت کا اٹھائے ہوئے تھا بار
لگتا تھا تبر اُس پر کبھی اور کبھی تلوار
لڑنے کی نہ طاقت تھی شہِ تشنہ گلو میں
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں بازو کی لہو میں

۳۰

وہ شمعِ سرِ طور سی پُر نور کلائی
اُس پر خطِ شمشیر دہائی ہے دہائی
منہ دیکھ لو صاف ایسی ہتھیلی میں صفائی
ہو سب پہ کھلی انگلیوں کی عقدہ کشائی
نسبت نہیں ناخن سے کبھی بدر کی ضو کو
ہفتہ میں دکھائے تو کوئی دس مہِ نو کو

۳۱

وہ سینۂ روشن کہ جو تھا مطلعِ انوار
گنجینۂ علمِ احمدی مخزنِ اسرار
قرآن کو رکھ لیتے ہیں سر پر جو ہیں دیندار
کیا قہر ہے واں پاؤں دھرے شمرِ ستمگار
سینے پہ نہ تھا اس کا قدم حشر بپا تھا
ہو جاتی جو دنیا تہ و بالا تو بجا تھا

۳۲

صابر سے بھائی کا جو تھا صدمۂ جانکاہ
ٹکڑے تھا جگر ٹوٹ گئی تھی کمرِ شاہ
اس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پاؤں تھے آگاہ
پایا تھا ثبات قدمِ پاکِ ید اللہ
سب خاک پہ ٹکڑے تو کلیجے کے پڑے تھے
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ ثابت تھے کھڑے تھے

۳۳

منہ کر کے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے ہر بار
عالم مری نیت سے ہے تو اے مرے مختار
گھر سے نہ علاقہ ہے نہ بچوں سے سروکار
ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاہِ زمن ہوں پہ ترے در کا گدا ہوں
محتاج ہوں بیکس ہوں غریب الغربا ہوں

۳۴

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے
ہے ناطقہ عاجز کہ زیادہ ہے بیاں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرارِ نہاں سے
دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
پیاس آج سہ دن کی مجھے مرغوب ہے مولا
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا

۳۵

ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل
پیدا کیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بخشا وہ مکاں رہنے کو اے خالقِ عادل
بے اذن ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبریل و سرافیل کھڑے رہتے تھے در پر

۳۶

نانا تو دیا اشرفِ ذریتِ آدم
بابا شہِ مرداں سا دیا فخرِ دو عالم
ماں سیدۂ کون و مکاں ثانیٔ مریم
بھائی وہ کہ تو جس کی بزرگی سے ہے محرم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کسی ایسا
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

۳۷
ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک
رحمت سے تری کیوں نہ ہو ایسوں کا پسر پاک
گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک
پھولے وہ شجر جس کو ثمردار کرے تو
جس قطرے کو چاہے دُرِ شہوار کرے تو

۳۸
بچپن میں محمدؐ نے زبان اپنی جو چسائی
قربان رہی احمد مختار کی جائی
اب تک کسی نعمت میں وہ لذت نہیں پائی
جب دودھ چھٹا نعمت فردوس بھی کھائی
افلاک سے دن میں کئی بار آتے تھے جبریلؑ
ڈوری مرے جھولے کی ہلا جاتے تھے جبریلؑ

۳۹
دم بھر کبھی تنہا نہ رہا آٹھ پہر میں
ماں ساتھ مرے ہوتی تھیں پھرتا تھا جو گھر میں
گر دوشِ نبیؐ پر تھے کبھی آغوشِ پدر میں
پتلی کی طرح رکھتے تھے سب مجھکو نظر میں
اس رتبۂ اعلیٰ کا سزاوار میں کب تھا
مولا یہ تری چشمِ عنایت کا سبب تھا

۴۰
تھا عید کو عریاں کہ عنایت ہوئی پوشاک
مرکب جو نہ تھا اونٹ بنے سید لولاکؐ
عمامہ و پیراہن و پاجامہ و ردا پاک
بالا رہا سب سے مرا رتبہ تہِ افلاک
یہ تخت سلیمانؑ کو نہ یہ تاج ملا تھا
بچپن میں مجھے رتبۂ معراج ملا تھا

۴۱
رجعت ہوئی خورشیدِ فلک کو پئے حیدرؑ
روزہ جو رکھا میں نے تو اُسے خالق اکبر
یعنی نہ قضا ہوئے نماز شہِ صفدر
دن تھا یہ ہوئی رات چھپا مہرِ منور
منظور تھی خوشنودی میں بندگی مرے سن کی
دن ہو گیا واں شب کا تو یاں شب ہوئی دن کی

۴۲
کیا عمر تھی جب سر سے اُٹھا باپ کا سایا
تھا تو جو نگہباں تو نہ اعدا نے ستایا
دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور ویسا ہی پایا
ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا
رحمت سے تری خلق کے مختار ہوئے ہم
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوئے ہم

۴۳
دولت مجھے دی گوہرِ عزت مجھے بخشا
مسند مجھے دی تختِ امامت مجھے بخشا
بابا کی طرح اوجِ شرافت مجھے بخشا
ان سب کے سوا تاجِ خلافت مجھے بخشا
اختر کو قمر قطرے کو گوہر کیا تو نے
ذرہ تھا سو خورشیدِ منور کیا تو نے

۴۴
انصار دیے وہ جو پیمبرؐ نے نہ پائے
احباب وہ یک رنگ جو شبیرؑ نے نہ پائے
اصحاب وہ بخشے کہ جو حیدرؑ نے نہ پائے
لوگ ایسے کسی صاحبِ لشکر نے نہ پائے
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
خادم کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

۴۵
فرزند وہ امداد دیا خورشید شمائل
خورشید زمیں برجِ شرف کا مہِ کامل
تھی جس کی زیارت کے سبب روشنی دل
یہ بھی تری امداد تھی اے خالق عادل
دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا
کیا کرتا اگر تو نہ مجھے فرزند دیتا

٤٦

اکثر ترے بندے ہیں کہ جن کے نہیں اولاد
کتنے ہیں کہ غمگیں ہیں کبھی اور کبھی شاد
نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
بچے ہوئے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد
مرتے ہوئے دیکھا ہے برابر کے پسر کو
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

٤٧

سو مرتے جو فرزند تو بے صبر نہ ہوتا
دامن کو ترے خوف میں اشکوں سے بھگوتا
خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا
اکبر کو ہی فرزند سمجھ کر نہیں روتا
یوں تو وہ کلیجہ تھا مرا اور مرا جی تھا
میں اس لئے روتا ہوں کہ ہمشکل نبی تھا

٤٨

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا
جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا
پیری کا عصا تھا وہی اور گھر کا اجالا
تھا سینے میں خادم کا کلیجہ تہ و بالا
اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں
تو رحم کر اے خالق اکبر کہ بشر ہوں

٤٩

دریا پہ جو عباسؑ نے جان اپنی گنوائی
باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی
خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی
مولا مجھے یاد آ گئی بابا کی جدائی
صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھکو
پھر داغ یداللہ دوبارا ہوا مجھکو

٥٠

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم
اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم
موجود ہے تو سر پہ کچھ اس کا بھی نہیں غم
بہتر ہے گزر جائے تری یاد میں جو دم
وابستۂ تسبیح رکھوں رشتۂ جاں کو
جب تک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو

٥١

گو روح کو راحت نہیں اور قلب کو آرام
کم ہے ترے سجدے میں رہوں گر سحر و شام
ہے تقویت جان و دل و روح ترا نام
قاصر ہے زباں شکر میں اے خالق علام
آنکھیں تری جانب ہیں دل تیری طرف ہے
گر تو اسے مقبول کرے عین شرف ہے

٥٢

نے پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقہ کی شکایت
وہ بھی ترا انعام تھا یہ بھی ہے عنایت
ہر طرح سے راضی ہے پسر شاہ ولایت
الطاف کا پایاں ہے نہ بخشش کی نہایت
وہ کون سی دولت ہے جو موجود نہیں ہے
ہاں ایک شہادت ہے سو وہ بھی قریں ہے

٥٣

ہر چند کہ ہے سخت بہت ذبح کی منزل
زانو جو رکھے سینۂ مجروح پہ قاتل
تو چاہے تو ہو جائے گی آسان یہ مشکل
وہ صبر عطا کیجو کہ تڑپے نہ مرا دل
سجدہ تہ شمشیر یہ ناشاد نہ بھولے
سب محو ہوں دل سے پہ تری یاد نہ بھولے

٥٤

حضرت تو یہ کرتے تھے سخن سرور رضا کے
چلاتا تھا یوں شمر کمانداروں میں آ کے
بند سنتے تھے ادھر رن میں سپہ اہل جفا کے
تا کے رہو سینہ کو امام دوسرا کے
یاں تک خلف شاہ نجف آنے نہ پائے
یہ شیر ترائی کی طرف آنے نہ پائے

۵۵
برچھے لئے ہاتھوں میں سواران جفا کار — بڑھ بڑھ کے صف جنگ میں چمکاتے تھے رہوار
آلودۂ خوں برچھیاں تولے ہوئے خونخوار — تھی ڈھال پہ ڈھال اور تھی تلوار پہ تلوار
لشکر کے جواں گرز گراں تولے ہوئے تھے — ہر صف میں علمدار نشاں کھولے ہوئے تھے

۵۶
وہ غل عربی باجوں کا وہ بوق کے نالے — وہ شور وہ ہل سر پہ جو گردوں کو اٹھا لے
دہشت کی نہ طاقت تھی جو واں دل کو سنبھالے — دب جائے اگر دیو بھی آواز نکالے
پیدا تھی جگر جل سے اک افسوس کی آواز — جاتی تھی کئی کوس تلک کوس کی آواز

۵۷
رو رو کے یہ پُر درد صدا دیتی تھی شہنا — اچھا نہیں سید کا لہو خاک پہ بہنا
فانی ہے زمیں اس پہ ہمیشہ نہیں رہنا — در پے نہ ہو مظلوم کے مانو مرا کہنا
دو روز کے پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہیں — اس غم سے کلیجے میں مرے چھید پڑے ہیں

۵۸
چلّے سے جو بد کیش لگانے لگے سوفار — خود پھیر کے گھوڑے کو بڑھے سیدِ ابرار
فرمایا ستم ہے تمہیں اے قوم ستمگار — کس شخص کا دلبند ہوں میں بیکس و ناچار
انصاف سے کہدو کہ طلب گار ہوں جس کا — جد کس کا ہے تم سب کلمہ پڑھتے ہو کس کا

۵۹
ہے کون گل سرسبد گلشن اسلام — آباد کن کعبۂ حق کاسر اصنام
آتی تھی کسے وحی الٰہی سحر و شام — جو نام خدا سے ہے بہم کس کا ہے وہ نام
جبریل امیں ہمدم و ہمراز ہے کس کا — قرآں جسے کہتے ہو وہ اعجاز ہے کس کا

۶۰
برپا علم نظم و نسق کر دیا کس نے — عالم کو سوئے کعبۂ حق کر دیا کس نے
بنگاہ رخ کفار کو فق کر دیا کس نے — ہاں بدر کو انگشت سے شق کر دیا کس نے
لب ہل گئے جب نخل دعا میں ثمر آیا — انگشت شہادت کو اٹھا کر شجر آیا

۶۱
بخشا کسے اللہ نے معراج کا پایا — سو مردوں کو عیسیٰؑ کی طرح کس نے جلایا
پڑتا نہ تھا اس خاک پہ کس شخص کا سایا — جد کس کا ہے وہ سورۂ کوثر جسے آیا
کس رخ کو تجلی صفت بدر عطا کی — دنیا میں کسے حق نے شب قدر عطا کی

۶۲
سب بولے کہ اس بات سے واقف ہے زمانا — لاریب ہیں محبوب خدا آپ کے نانا
روشن ہے شب ماہ سے معراج کا جانا — کافر ہے وہ اس بات کو جس نے نہیں مانا
وہ قبلۂ دیں باعث ایجاد فلک ہے — آپ ان کے نواسے ہیں کہ اس میں نہیں شک ہے

۶۳
پیغمبر نے فرمایا کہ وہ کس کی ہے مادر — قرآں میں جسے حق نے کہا طاہر و اطہر
دنیا کا شرف زینت دین عرش کا زیور — خاتون جہاں نور خدا بنت پیمبرؐ
بخشی ہے انہیں چادر تطہیر خدا نے — امت کے گنہ ڈھانپ دیے جن کی ردا نے

۶۴
کہنے لگے بے شرم کر اے خاصۂ قیوم
وہ آپ کی مادر ہیں یہ کس کو نہیں معلوم
سب جانتے ہیں ساکن شام و عرب و روم
وہ سیدۂ معصوم ہے اور آپ بھی معصوم
زہرا کا پدر فخر رسولان سلف ہے
حوا کا نہ رتبہ نہ یہ مریم کا شرف ہے

۶۵
اس حجت باری نے یہ فرمایا پھر اک بار
من بعد نبی کون ہے کونین کا سردار
کس کا ہے لقب شیر خدا حیدر کرار
اللہ نے بھیجی ہے کسے عرش سے تلوار
ہر جنگ میں کفار پہ در کون رہا ہے
محبوب الٰہی کی سپر کون رہا ہے

۶۶
آباد ہوئی کس کی رعایت سے رعایا
کس شاہ نے دینداروں کی بستی کو بسایا
کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا
اتممت علیکم کا صلا ہے کسے پایا
یکتا ہے جہاں کون ہو جرأت میں سخا میں
دو حصے ہیں قرآن خدا کس کی ثنا میں

۶۷
وہ کون ہے جو اللہ و نبیؐ کو ہے پیارا
جو عرش کی زینت ہے وہ ہے کون سا تارا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا
اللہ نے کس گھر میں ستارے کو اتارا
اعلیٰ نے کسے فرمایا علیؑ کس کو کہا ہے
اللہ نے قرآں میں ولی کس کو کہا ہے

۶۸
طاعت سے جو افضل ہو اطاعت ہو وہ کس کی
پوچھے گا خدا جس کو محبت ہے وہ کس کی
پہونچا دے جو کوثر پہ رفاقت ہو وہ کس کی
جو اجر رسالت ہے مودت ہے وہ کس کی
انصاف کا اس وقت طلب گار ہوں تم سے
ہو کون مراد آیۂ لا اسئلکم سے

۶۹
جو والیٔ کونین ہے وہ کون ولی ہے
قرآن میں کس کے لیے وہ نص جلی ہے
وہ کون ہے جو شاہ امام ازلی ہے
سب نے کہا برحق وہ علیؑ ہے وہ علیؑ ہے
برعکس ہیں جو لوگ وہی باغی تر ہیں
سب پہ ہو یہ آئینہ کہ آپ اُن کے پسر ہیں

۷۰
گردوں کی طرف دیکھ کے بولے شہ بیکس
کافی ہے شہادت کو تری ذات مقدس
یارب سنے ان سے کوئی حجت نہیں بس
کرتے ہیں ستم دیدہ و دانستہ یہ ناکس
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں دیتے
مہمان ہوں اور پانی کا قطرا نہیں دیتے

۷۱
جاہل نہیں سب ہیں مرے رتبے کے شناسا
خود اس کے مقر ہیں کہ نبی کا ہوں نواسا
اس پر بھی پانی نہیں دیتے ہیں ذرا سا
شاہد تجھے کرتا ہوں کہ دو دن سے ہوں پیاسا
ٹکڑے ہو بدن یا تہ شمشیر گلا ہو
اس سب کے عوض حشر میں شیعوں کا بھلا ہو

۷۲
سن کر یہ سخن رونے لگے فوج کے بے پیر
مظلوم کی فریاد نے کی سنگ میں تاثیر
بولا پسر سعد کہ یا حضرت شبیر
تنہا ہو اب کیوں نہ کرو عجز کی تقریر
میداں سے ہٹاتے نہیں اس فوج گراں کو
ایسا ہے مرا رعب کہ لکنت ہے زباں کو

۷۳
اس عجز کو مانے گا نہ یہ لشکر سفاک
سو مل گئے ہیں خاک میں ایسے گہر پاک
پھر کیا کریں گر ہو پسر سید لولاک
حاکم ہیں کہ ہے دور ہمارا تہ افلاک
ڈرتے نہیں گر شکوہ بیداد کروگے
کیا ہوگا جو اللہ سے فریاد کروگے

۷۴
عباسؑ سے کہہ دو کہ مدد کرنے کو آئیں
قاسمؑ ہیں کدھر خون کے دریا جو بہائیں
جعفرؑ کے پسر جوہر شمشیر دکھائیں
اکبرؑ سے کہو جنگ کرو برچھیاں کھائیں
اب آپ کی جرأت کا بھی وہ طور نہیں ہے
شاید کوئی زینبؑ کا پسر اور نہیں ہے

۷۵
بیدرد نے چھڑکا جو نمک زخم جگر پر
سرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر
طاری ہوا غصہ شہ مرداں کے پسر پر
کی تیز نظر قبضۂ شمشیر دو سر پر
شہ کی نظر غیظ نہ تھی قہر خدا تھا
شمشیر جدا اثر جدا میان جدا تھا

۷۶
خود تیغ علیؑ شاہ کے اعجاز سے نکلی
کس شان و تحمل سے کس انداز سے نکلی
فریاد دل فوج دغاباز سے نکلی
پریوں کے بھی ہوش اڑ گئے اس ناز سے نکلی
فانوس سے خود شمع تجلی نکل آئی
محمل سے تڑپتی ہوئی لیلی نکل آئی

۷۷
تھیں تیغ کی دونوں جو زبانیں شرر افشاں
غل چار طرف تھا کہ زہے قدرت یزداں
موسیٰؑ کا عصا کہتا تھا کوئی کوئی ثعباں
ہیں ایک جگہ دو مہ نو دست و گریباں
شہباز اجل بازوؤں کو تولے ہوئے ہے
پر اوج سعادت کا ہما کھولے ہوئے ہے

۷۸
نعرہ کیا ہاں اے پسر سعد جفاکار
ہر چند کہ ہے عجز ہی بندے کو سزاوار
سے دیکھ تو ان کانپتے ہاتھوں کا کوئی وار
مجبور نہیں تخت دل احمدؐ مختار
شاید مرا رتبہ تجھے معلوم نہیں ہے
وہ کونسی شے ہے کہ جو محکوم نہیں ہے

۷۹
حاکم ہوں میں سب خلق خدا ہے مرے تابع
مختار قدر ہوں میں قضا ہے مرے تابع
میں باب اجابت ہوں دعا ہے مرے تابع
آتش مری محکوم ہوا ہے مرے تابع
قبضہ ہے مرا خاک کے ہر گنج نہاں پر
جاری ہے مرا حکم رواں آب رواں پر

۸۰
آتش کو جو دوں حکم ابھی سب کو جلا دے
پانی کا یہ طوفاں ہو کہ عالم کو ڈبا دے
ہستی کے چراغوں کو ہوا دم میں بجھا دے
ہل ہل کے زمیں خاک زمانے کی ہلا دے
ہستی ہو نہ پستی نہ مکیں ہوں نہ مکاں ہوں
آثار اذا زلزلت الارض عیاں ہوں

۸۱
سنے رنج سے کچھ بیم نہ دہشت ہے بلا سے
خائف ہوں نہ جن سے نہ بشر سے نہ قضا سے
مضطر ہوں نہ دکھ سے نہ ستم سے نہ جفا سے
ہاں ایک جو ڈرتا ہوں تو ڈرتا ہوں خدا سے
کیا غم ہے اگر لاکھ سواروں کے پرے ہیں
روباہ کے لشکر سے کہیں شیر ڈرے ہیں

۸۲

تو کیا ہے ترا رعب ہے کیا او سگ ناپاک
اُلٹ کر دوں تو جل کر ترا لشکر ہو یہ سب خاک
میں بیشۂ حیدر کا ہوں اک شیر غضبناک
مشتاق اجل ہوں نہ مجھے مرنے سے نہیں باک
باتوں میں کروں بند فصیحان جہاں کو
یہ پیاس سے لکنت ہے مری خشک زباں کو

۸۳

نازاں نہ ہو اے بانی ظلم و ستم و جور
تو آج جو حاکم ہے تو کل ہوگا کوئی اور
مٹ جاتا ہے اک گردش افلاک میں یہ دور
کیا ہو گئی کر دولت قاروں پہ ذرا غور
نمرود نہیں حشمت ضحاک نہیں ہے
ڈھونڈھو جو خزانے میں تو اب خاک نہیں ہے

۸۴

قیصر کا وہ افسر ہے نہ وہ تاج کیاں ہے
آئینہ پئے روئے سکندر نگراں ہے
نے قصر خورنق کا مکیں ہے نہ مکاں ہے
چینی کی صدا یہ ہے کہ فغفور کہاں ہے
ٹھکرا کے جو چلتا ہے ہر اک راہگذر میں
سو بال شکستوں سے ہیں دال کاسۂ سر میں

۸۵

جام سر جمشید تہ خاک ہے وائے دل
نے تاج قباد آج ہے نے تخت فریدوں
کاؤس کی دولت ہے نہ گنجینۂ قاروں
دارا ہے نہ پرویز نہ خسرو ہے نہ گلگوں
دانا تھے پہ کس طرح پھنسے دام اجل میں
گھر وحشیوں کے بن گئے کسریٰ کے محل میں

۸۶

مشہور ہے فرعونیوں کے غرق کا احوال
وہ باغ کہ زر جس پہ کیا صرف مہ و سال
شداد کو کس طرح کیا اُس نے پامال
دیکھا بھی نہ اس کو کہ اجل آ گئی دنبال
لوٹا ہے وہ گلشن کہ نہ پھل پائے گا ظالم
اب تو بھی جہنم میں یونہیں جائے گا ظالم

۸۷

کیا غم جو مجھے عباس علمدار نہیں گر
بہتر ہوا اس راہ میں گر مر گئے اکبر
چاہوں تو مدد کرنے کو آئیں ابھی حیدر
خود سینہ سپر ہونے کو حاضر ہیں پیمبر
جعفر بھی شریک الم و یاس ہیں میرے
تو دور نہ جان اُن کو یہ سب پاس ہیں میرے

۸۸

پہچان تو میں کون ہوں او جاہل مطلق
نفرین کروں گر تو اُڑے خلق سے رونق
انگلی سے قمر کو مرے نانا نے کیا شق
طبقے سے زمیں کی برکت سلب کرے حق
فریاد جو میرے دل صد چاک سے نکلے
تا حشر نہ دانہ کبھی اس خاک سے نکلے

۸۹

فرما کے یہ جلوہ دیا تیغ دو زباں کو
ہر نیزے نے اونچا کیا انگشت اماں کو
عبرت ہوئی بجلی کے چمکنے سے جہاں کو
خود چھوڑ دیا سہم کے تیروں نے کماں کو
چڑھ سکتا ہے دنیا میں کوئی شیروں کے منہ پر
تیزی نہ رہی خوف سے شمشیروں کے منہ پر

۹۰

اس شان سے لشکر پہ امام امم آئے
اتنا تو پکارے کہ خبردار ہم آئے
جیسے صف آہو پہ ہزبر اجم آئے
اک دم میں ستمگر تہ تیغ دو دم آئے
بل بندھ گئے لاشوں کے نہ اک پل ہوئی آخر
ثابت نہ ہوا کب صف اول ہوئی آخر

۹۱

جب تیغ علیٰ قبلۂ عالم نے علم کی
اللہ ری چمک سیف شہنشاہ امم کی
اک برق سی میدان بلاخیز میں چمکی
اعدا کو نظر آنے لگی راہ عدم کی
گلرنگ لہو سے جو ہر اک جسم شفقی تھا
تھی دوپہر اور دامن صحرا شفقی تھا

۹۲

شمشیر ید اللہ نے نئی چال دکھائی
ہر بار چمک برق کی تمثال دکھائی
سرداروں کی صف فوج کو پامال دکھائی
سب خون سے مقتل کی زمیں لال دکھائی
جل جل کے بدن ناریوں کے سرد ہوئے تھے
ڈر ڈر کے سیہ کاروں کے منہ زرد ہوئے تھے

۹۳

کٹ کٹ کے صفیں خاک پہ بے جاں نظر آئیں
بے چلہ کمانیں سر میداں نظر آئیں
جو برچھیاں یاں جمع تھیں وہ واں نظر آئیں
ساری سپریں خون سے افشاں نظر آئیں
چلاتے تھے وہ ہوش نہ تھا خوف سے جن کو
فریاد کہ شب خون گرا فوج پہ دن کو

۹۴

خالی نہ کوئی وار گیا تیغ دو سر کا
سینہ جو بچا اس سے کسی بانی شر کا
ہاتھ اڑ گئے گر پاؤں بچا کر کوئی سر کا
تھی عقدہ کشا کھول دیا بند کمر کا
تیغ اُس نے سپر اُس نے زرہ اُس نے نہ چھوڑی
دس انگلیوں میں ایک گرہ اُس نے نہ چھوڑی

۹۵

رہ رہ کے چمکتی تھی جو شمشیر قضا دم
فوجیں تھی بنی جان کی سب درہم و برہم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظ عالم
مضطر تھا فلک کانپتا تھا عرش معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ
یا شیر خدا کہکے جھک جاتے تھے جبریلؑ

۹۶

ناگاہ محمدؐ کی صدا آئی کہ شبیرؑ
یہ سنتے ہی بس تھم گیا وہ تابع تقدیر
اب عصر کا ہے وقت کرو میاں میں شمشیر
تلوار کا تھمنا تھا کہ چھاتی پہ لگا تیر
تھا دھیان غلاموں کا جو اس خاصۂ حق کو
بس روکا خود اُلٹے ہوئے دنیا کے ورق کو

۹۷

حضرت پہ جھکے اہل ستم چار طرف سے
پڑنے لگیں شمشیریں دمادم چار طرف سے
نیزے ہوئے بیکس پہ علم چار طرف سے
بس گھر گیا اک کشتۂ غم چار طرف سے
تر خون میں سر تا بقدم ہو گئے شبیرؑ
برچھی جو لگی پشت پہ خم ہو گئے شبیرؑ

۹۸

جھکنا تھا کہ تیغوں کے برابر سے چلے وار
جب گرنے لگا خاک پہ وہ بیکس و ناچار
قدموں سے رکابیں بھی جدا ہو گئیں اک بار
زہراؑ کی صدا آئی کہ یا حیدر کرارؑ
گھیرا ہے لعینوں نے اکیلا اسے پا کر
گرتا ہے مرا لال مدد کیجئے آ کر

۹۹

گھوڑے نے جو دیکھا کہ سنبھلتے نہیں سرورؑ
زخموں سے جو تھا چور تن سبط پیمبرؐ
بس بیٹھ گیا ٹیک کے گھٹنوں کو زمیں پر
غش ہو گئے رہوار سے ریتی پہ اتر کر
افراط جراحت سے بدن رشک چمن تھا
سب فوج کے حربے تھے اور اک شاہ کا تن تھا

١٠٠

دس سو کا نشانہ تھے اک سینۂ شبیرؑ
یا شاہ نجف کہتے تھے جب پڑتی تھی شمشیر
برچھی کا جہاں زخم تھا لگتا تھا وہیں تیر
چلاتی تھی دروازے سے یہ زینبؑ دلگیر
تم کھاتے ہو تلوار، میں موئی جاتی ہوں بھائی
اب سینہ سپر ہونے کو میں آتی ہوں بھائی

١٠١

اس وقت بھی شہ ہاتھ سے کرتے تھے اشارا
رتبہ ہے فزوں مریمؑ و حواؑ سے تمھارا
تشہیر نہ اس دم تن صد پاش پہ آنا
ہٹ جاؤ بہن گھر سے نکلیو نہ خدارا
دم تن میں ہے جب تک نہیں یہ مجھکو گوارا
سر تن سے اترے تو مری لاش پہ آنا

١٠٢

تھی رانڈوں میں ڈیوڑھی پہ عجب گریہ و زاری
کہتی تھی سکینہؑ کی پھوپھی جان میں واری
ہاں چھوڑ کے ہم سب کو چلے جائیں گے بابا
سر کھولے ہوئے روتی تھیں واں بیبیاں ساری
مجھکو تو دکھا دو مرے بابا کی سواری
کیوں روتی ہو کیا گھر میں نہ آئیں گے بابا

١٠٣

ڈیوڑھی سے ہٹو تن سے نکلتا ہے مرا دم
کہتی تھی اسے تھامے ہوئے زینبؑ پر غم
واں چلتی ہے تلوار کہاں جاؤ گی بی بی
میں جاؤں وہاں رن میں جہاں ہیں شہ عالم
اصغرؑ کی طرح تیر نہ ماریں تمھیں ظالم
بابا کو بس اب حشر کے دن پاؤ گی بی بی

١٠٤

ناموس نبیؐ میں تو قیامت یہ تھی برپا
راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی تھیں
سر کھولے ہوئے پیٹتی تھی دختر زہراؑ
روتا ہوا اک طفل حسیں خیمے سے نکلا
منہ چاند سا تھا ہنسلیاں گردن میں پڑی تھیں

١٠٥

چہرے پہ جھلکتی تھی سیہ زلف مسلسل
تھا طوق گلو رشک ہلال شب اول
کرتے کا عجب رنگ تھا اس گل سے بدن پر
ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
ہاتھوں میں کڑے کان میں در سینے پہ ہیکل
معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر

١٠٦

ماں ڈیوڑھی کے پردے کو اٹھا کر یہ پکاری
پھر آؤ کہ بیتاب ہوں میں درد کی ماری
کہنا مرا مانو نہ ارادہ کرو رن کا
میں بھی نکل آتی ہوں کہاں جاتے ہو واری
بیوہ ہوں کرو رحم غریبی پہ ہماری
میں واسطہ دیتی ہوں تمھیں روح حسنؑ کا

١٠٧

وہ کہتا تھا ماں ہمیں قسمیں نہ دلاؤ
قاسمؑ کی طرح داغ ہمارا بھی اٹھاؤ
لاکھوں میں کہاں جاتے ہو اس آن اکیلے
ہم گھر میں نہ اب آئیں گے تم خیمے میں جاؤ
ماں کہتی تھی اک بات تو سن لو ادھر آؤ
وہ کہتا تھا ہیں میرے چچا جان اکیلے

١٠٨

میداں میں چچا قتل ہوں ہم خیمے میں آئیں
ہم سایہ میں ہوں دھوپ میں وہ برچھیاں کھائیں
بس صبر کرو قید ہوں کیا خیمے میں آکے
جیتے رہیں بعد ان کے تو منہ کس کو دکھائیں
تیغوں میں نہ عمو کی سپر ہونے کو جائیں
فردوس میں اب جاویں گے ہمراہ چچا کے

۱۰۹

چلاتی تھی رو رو کے یہ بیوہ جگر افگار
کس طرح لڑو گے نہ سپر پاس نہ تلوار
صدقے میں ارادے کے ترے اے مرے دلدار
پھرتا ترا سن جنگ کے قابل نہیں زنہار
وہ کہتا تھا قربان شہنشاہ امم ہیں
کیا ہم علی اصغرؑ سے بھی کچھ عمر میں کم ہیں

۱۱۰

دروازے پہ خیمے کے تڑپتی رہی مادر
بند آنکھیں تھیں اور جھومتے تھے سبط پیمبرؐ
جنگاہ میں جا پہونچا وہ سخت دل شبیرؑ
لپٹا پسر فاطمہ زہراؑ سے وہ دلبر
کہتا تھا کہ سب خوں سے بدن لال ہوا ہے
اے میرے چچا جان یہ کیا حال ہوا ہے

۱۱۱

میں تھامے ہوں یا شاہ ذرا غش سے سنبھلیے
زخموں کا لہو چہرۂ انور پہ نہ ملیے
کیوں آپ جھکے جاتے ہیں زانو کو بدلیے
سر ننگے نکلتی ہیں پھوپھی خیمے میں چلیے
سب روتے ہیں اس وقت نہیں ہوش کسی کو
پیٹتی ہیں یہ سینہ کہ غش آیا ہے چچی کو

۱۱۲

فرمانے لگے کھول کے آنکھیں شہ ذی جاہ
ان تیغوں سے اے لال بچائے تمہیں اللہ
کیوں گھر سے نکل آئے یہ کیا تم نے کیا واہ
لو خیمے میں اب جاؤ کہ مجبور ہے سر راہ
کٹتا ہے گلا تیغ ستم سے کوئی دم میں
گھر میں تمہیں لے چلنے کی طاقت نہیں ہم میں

۱۱۳

یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھا ایک جفا کار
ہاتھ اس نے سر شہ پہ سپر کر دیے یکبار
چاہا کہ قریب آن کے حضرت پہ کرے وار
بچے کے کہاں ہاتھ کہاں ظلم کی تلوار
ریتی پہ وہ ننھے سے گرے ہاتھ کٹ کر
غش ہو گیا شبیرؑ کی گردن سے لپٹ کر

۱۱۴

گودی میں اٹھا کے پکارے شہ دلگیر
گودی میں تڑپتا تھا کہ گردن میں لگا تیر
صدقے ترے ان دونوں کٹے ہاتھوں کے شبیرؑ
چلایا کہ قربان علی اصغرؑ بے شیر
لپٹا جو تڑپ کر وہ شہ تشنہ گلو سے
تر ہو گئیں سب ہنسلیاں گردن کے لہو سے

۱۱۵

شہ زدہ ہوا جان نکلنے لگی تن سے
جس وقت سفر کر گیا ہستی کے چمن سے
خوں ہچکیوں کے ساتھ اگلتا تھا دہن سے
رونے کی صدا آنے لگی قبر حسنؑ سے
فردوس سے زہراؑ بصد افغاں نکل آئی
خیمے سے ادھر خاک بسر ماں نکل آئی

۱۱۶

بیٹھے تھے سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لب اطہر
یہ آیا لہو تا بہ زنخدان مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

۱۱۷

نیزے کا بن وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بن کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبر خولی خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا

۱۱۸

لکھا ہے کہ جب مر گیا محنت دلِ شبیرؑ
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
مقنع تھا نہ برقع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
چلاتی تھیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہیں بچانے کو پسر کے

۱۱۹

اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
اے سبطِ نبیؐ ابنِ علیؑ عاشقِ باری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمہاری
مرجاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۱۲۰

اس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

۱۲۱

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجے میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

۱۲۲

دوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی سید کے سر و تن میں جدائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچی تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا

۱۲۳

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِؐ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۱۲۴

بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سرورِ ذی جاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہونچا گئے بھائی

۱۲۵

اے میرے شہید لے مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
انسان پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

۱۲۶

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے تو چین
تا حشر رہے طلاقت انیسؔ اس کی بیاں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

مرثیہ

جب آمد سردار دو عالم ہوئی رن میں
اک جلوہ گری نور کی جس دم ہوئی رن میں
سب فوج عدو درہم و برہم ہوئی رن میں
بجرے کو صف فوج ملک خم ہوئی رن میں
غل تھا کہ حسینؑ آج لڑائی پہ چڑھے ہیں
یا صاحب معراج لڑائی پہ چڑھے ہیں

۲
کیا دبدبۂ و رعب ہے العظمۃ للہ
ہے ایک فقط فاطمہؑ کی روح تو ہمراہ
شیر آنکھ چراتا ہے یہاں صورت روباہ
خادم بھی جلو میں نہیں اور ہے حشم و جاہ
حلقے میں ملک اسپ صبا دم کو لئے ہیں
اور فرق پہ جبریلؑ امیں سایہ کیے ہیں

۳
بخشا ہے خدا نے انھیں اقبال محمدؐ
شوکت جو علیؑ کی ہے تو اجلال محمدؐ
خال و خط رخسار خط و خال محمدؐ
کیا مرتبہ ہے صل علیٰ آل محمدؐ
حق کے کرم نامتناہی سے بنے ہیں
یہ پانچ بشر نور الٰہی سے بنے ہیں

۴
اعجاز رسولان سلف ان میں ہے موجود
اُف کر دیں تو جل جائے یہ سب لشکر مردود
آہن کو ابھی موم کریں صورت داؤدؑ
پر ہیں یہ طلبگار رضامندی معبود
صدقہ کیا اکبرؑ سا پسر راہ خدا میں
خوش ہو کے لٹا دیتے ہیں گھر راہ خدا میں

۵
دو ٹکڑے ہو تیغ ان کی اگر کوہ پہ چل جائے
نعرہ جو کریں شیر کا دم تن سے نکل جائے
فولاد بھی شمشیر کی آتش سے پگھل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صف فوج سے ٹل جائے
خود شیر ہیں یہ اور خلف شیر خدا ہیں
ضرب ان کی رکے کیا کہ یہ شمشیر خدا ہیں

۶
ہے قہر خدا غیظ شہنشاہ دو عالم
پیری میں قیامت ہے جواں بیٹے کا ماتم
مجموعۂ عالم ہوا ابھی درہم و برہم
رونے کے عوض شکر خدا کرتے ہیں پیہم
صابر کوئی آفاق میں ایسا نہیں دیکھا
یہ دل نہیں دیکھا یہ کلیجا نہیں دیکھا

۷
تنہائی میں دیکھو تو ذرا شان سواری
چالاکی توسن سے خجل باد بہاری
کیا شوکت و صولت ہو زہے قدرت باری
رخ نور خدا کا ہے سوئے لشکر ناری
گھوڑے کو اڑاتے ہوئے یوں آئے ہیں رن میں
جس طرح کوئی سیر کو آتا ہے چمن میں

۸
پیشانی روشن کی ضیا دور فلک ہے
میدان شہادت کی زمیں ہو کہ فلک ہو
اس نور کا پروانہ رخ حور و ملک ہے
پرتو سے عیاں خورشید درخشاں کی چمک ہے
نسبت ہو نہ خورشید کو نے بدر کی ضو کو
شرماتے ہیں نقش سم توسن مہ نو کو

۹
کیا رتبۂ اعلیٰ ہے زہے حشمت و اجلال
روشن ہے جبیں آئینۂ مہر کی تمثال
لاریب کہ ہے نور خدا فاطمہؑ کا لال
ہے سجدۂ خالق کا نشاں اختر اقبال
ہے جلوہ گری نور کی پیشانی شہ میں
عکس گل سوسن ہو یہ آئینۂ مہر میں

۱۰
ابرو سے جگر گوشۂ زہراؑ کی زہے شان
اور گوشۂ ابرو سے اشارہ ہے یہ ہر آن
جبریلؑ کو یارا نہ پہونچنے کا جہاں تھا
یہ ہیں وہ کمانیں کہ عیسیٰؑ جن پہ ہیں قربان
تانا ہے مرا کعبۂ دین قبلۂ ایمان
واں احمدؐ و محمود میں فرقِ دو کماں تھا

۱۱
گرد آنکھوں کے کس حسن سے پلکیں ہیں صف آرا
کرتی ہے ہر اک چشم کی پتلی یہ اشارا
قرباں ہو ان آنکھوں پہ اگر عین شرف ہو
یاں مردم بد بیں کو نظر کا نہیں یارا
یہ احمدؐ مختار کی آنکھوں کا ہے تارا
ہر مردم حق بیں کی نظر اُن کی طرف ہو

۱۲
رخسارۂ روشن گل خورشید پہ در ہے
یہ ریش مطہر نہیں ہالے میں قمر ہے
پہلو میں شب قدر کو یاں بدر لئے ہے
اس جا گل تر بھی عرقِ شرم میں تر ہے
ہے صاف ہویدا کہ یہ شب ہے وہ سحر ہے
اور بدر کو ہالے میں شب قدر لئے ہے

۱۳
ہے آئینۂ نورِ خدا گردنِ انور
تھا تنگ گریبان تو رو دیے تھے پیمبرؐ
زہراؑ سے ڈرا وہ نہ علیؑ سے نہ خدا سے
چوما تھا رسولِ عربیؐ نے جسے اکثر
واں شمر جفا جو نے رکھا حلق پہ خنجر
کاٹا اُسی گردن کو ستمگر نے قفا سے

۱۴
وہ دست زبر دست شہنشاہ فلک جاہ
تھے دستِ نگر جس کے زمانہ کے شہنشاہ
خنجر سے گلا شمر بد افعال نے کاٹا
ہاتھ آیا تھا حصہ میں اب جسے زور ید اللہ
اُس شاہ کے ہاتھوں کا میں کیا حال لکھوں آہ
پہونچوں سے ہر اک ہاتھ کو جمال نے کاٹا

۱۵
وہ سینہ جو تھا مخزنِ اسرارِ امامت
دیکھو تو ذرا شامیوں کی شومی و شامت
مقتل میں جو وہ شمر کے زانو سے دبا تھا
سب جانتے ہیں جس کی بزرگی و کرامت
تیر اُس پہ لگائے نہ کیا خوفِ قیامت
محبوبِ الٰہی کا گریبان پھٹا تھا

۱۶
پہنے ہیں زرہ حضرت داؤدؑ کی بر میں
شیروں کو نہیں تاب یہ ہے رعب نظر میں
یاد آتے ہیں عباسؑ تو رک جاتے ہیں شبیرؑ
اور تیغ ید اللہ ہے مولا کی کمر میں
اکبرؑ کے جواں مرنے سے ہے درد جگر میں
گھوڑے پہ کمر تھام کے جھک جاتے ہیں شبیرؑ

۱۷
رانین دو ستون کعبۂ ایماں کے ہیں دو طاق
فاقوں سے ہے گو طاقتِ اعضائے بدن طاق
پروا نہیں کٹ جائے جو سر تیغ جفا سے
گھٹنے ہیں سدا سجدۂ معبود کے مشتاق
مولا کی ہے ثابت قدمی شہرۂ آفاق
بڑھ کر نہیں ہٹتے ہیں قدم راہ رضا سے

۱۸
اس شان سے میدان میں جو پہونچے شہ ابرار
لشکر میں بجا طبل علم کھل گئے اک بار
اک دل ہوئے سب قتل شہ جن و بشر پر
اک شور ہوا گھاٹ سے دریا کے خبردار
اعدا کے پرے ہو گئے آمادۂ پیکار
فوجوں کی گھٹا چھا گئی زہراؑ کے قمر پر

۱۹

حربوں کو میانوں سے ستمگاروں نے کھینچا
تیغوں کو جو کمروں سے سب اسواروں نے کھینچا
چلّوں کو کمانوں سے کمانداروں نے کھینچا
سر برچھ پہ جوں نما علقہ تلواروں نے کھینچا
پھل برچھیوں کے ران میں چمکتے نظر آئے
نیزے صف دشمن میں چمکتے نظر آئے

۲۰

حضرت نے جو دیکھی یورش لشکر اعظم
فرمایا کہ تم لاکھوں ہو اور ایک مرا دم
خود نادِ علیؑ پڑھ کے بڑھے قبلۂ عالم
پُر لشکر روباہ سے ڈرتے نہیں ضیغم
جب کھینچی ہے تیغ دوزباں کھیت پڑے ہیں
اکثر شہ مرداں بھی اکیلے ہی لڑے ہیں

۲۱

یہ جنگ نہیں غزوۂ خندق سے زیادہ
جس وقت کیا عمرو نے لڑنے کا ارادہ
اسوار ہوں میں آج وہ اس دن تھے پیادہ
کشتے تھے ہزاروں پسرِ خاک فتادہ
نصرت کی خبر دار خبر لے کے پھرے تھے
اور شیرِ خدا عمرو کا سر لے کے پھرے تھے

۲۲

سب خلق کو خیبر کی لڑائی کی خبر ہے
اور دودھ کا زہرا کے بھی رگ رگ میں اثر ہے
شبیرؑ اسی صاحب طاقت کا پسر ہے
میں سیف خدا ہوں مرے قبضے میں ظفر ہے
بچپن سے تن زار میں طاقت ہے نبی کی
چوسی ہے زباں میں نے رسولِ عربی کی

۲۳

بگڑوں تو ابھی نقش فنا تم کو بنا دوں
سب فوج کو شمشیر کی آتش سے جلا دوں
جوں حرف غلط صفحۂ ہستی سے مٹا دوں
آجاتا ہے پر رحم کہ ایذا تمہیں کیا دوں
منظور ہے مجھ کو کہ رضا مند خدا ہو
میری تو ظفر یہ ہے کہ سر تن سے جدا ہو

۲۴

لڑنا ہی جو ہوتا تمھیں اے قوم ستمگر
نیزے سے مرے سامنے مرتے علی اکبرؑ
میں تم سے نہ لیتا عوض خون برادر
رہ جاتا میں ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر
واقف ہے خدا تم نے جو کچھ جبر کیا ہے
شبیرؑ نے مقدور پہ کیا صبر کیا ہے

۲۵

دل سوز نہیں داغ جگر کس کو دکھاؤں
منصف نہیں ہیں داغ پسر کس کو دکھاؤں
یہ خشک لب اور دیدۂ تر کس کو دکھاؤں
ٹوٹی ہوئی پیری میں کمر کس کو دکھاؤں
دل جس سے قوی تھا وہ برادر بھی نہیں ہے
قاسمؑ بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے

۲۶

اس عالم فانی سے بزرگ اٹھ گئے سارے
جو عاشق صادق تھے وہ دنیا سے سدھارے
اب غیر خدا کوئی نہیں پاس ہمارے
فرزندِ نبیؐ ان کو کہاں جا کے پکارے
پھر جاتی ہے ایک ایک کی تصویر نظر میں
آنکھوں سے نہاں ہو گئے سب تین پہر میں

۲۷

نرغے میں ہیں تیروں کی بچاتا نہیں کوئی
میدان میں سر دینے کو جاتا نہیں کوئی
اب چاند سی تصویر دکھاتا نہیں کوئی
ہم مرنے کو آئے ہیں ادھر آتا نہیں کوئی
ہم وہ ہیں کہ سب کے تن صد پاش پہ روئے
اتنا نہیں کوئی کہ مری لاش پہ روئے

۲۸

روئے ستم آرا کئی سن سن کے یہ تقریر
تقصیر تمہاری ہے یہی کچھ نہیں تقصیر
اس وقت یہ فرمانے لگے حضرت شبیر
باز آؤ مرے قتل سے اے فرقۂ بے پیر
تو اب بھی تم اس صابر و شاکر کو اماں دو
مظلوم کو سید کو مسافر کو اماں دو

۲۹

اک خیر ہے یہ بھی کہ مجھے شر سے بچا دو
اس سینے کو زانوئے ستمگر سے بچا دو
مظلوم کو اس ظلم کے لشکر سے بچا دو
یہ خشک گلا شمر کے خنجر سے بچا دو
یثرب میں نہ کوفے میں نہ بطحا میں رہوں گا
میں آج سے گھر چھوڑ کے صحرا میں رہوں گا

۳۰

صحرا کے بسانے میں ضرر ہو جو تمہارا
شبیر کو منظور ہے خود سب سے کنارا
بتلا دو پہاڑوں کی مجھے راہ خدارا
پھر شہر سے کیا جب نہ رہا کوئی ہمارا
طوف حرم خالق اکبر کو بھی چھوڑا
لو گھر کو بھی اور قبر پیمبرؐ کو بھی چھوڑا

۳۱

سرحد میں تمہاری اگر آؤں تو قسم لو
گھر شہر میں رہنے کو بناؤں تو قسم لو
صورت بھی کسی کو جو دکھاؤں تو قسم لو
روضے پہ محمدؐ کے جو جاؤں تو قسم لو
صحرا میں جگہ خاک پہ سونے کو بہت ہے
اور کوہ کا دامن مرے رونے کو بہت ہے

۳۲

ہر رجس سے میں پاک ہوں طاہر مجھے سمجھو
روضے کا محمدؐ کے مجاور مجھے سمجھو
عالم ہوں ہر اک علم کا ماہر مجھے سمجھو
حاجی ہوں میں کعبے کا مسافر مجھے سمجھو
میں یہ نہیں کہتا کہ نواسا ہوں نبیؐ کا
زوار تو ہوں قبر رسولؐ عربی کا

۳۳

محتاج ہوں گھر میں زر و زیور نہیں رکھتا
تکیے پہ بجز خاک کبھی سر نہیں رکھتا
خوش ہو کے جسے لوٹ لے وہ گھر نہیں رکھتا
میں قاقم و سنجاب کا بستر نہیں رکھتا
کپڑے بھی تکلف کے نہیں زیب تن ہیں
ہے ایک عبا چھال کی اور رخت کہن ہیں

۳۴

ناموس مرے فاقہ کشی میں بھی ہیں خرسند
راضی وہ خدا سے ہیں خدا ان سے رضامند
اک ایک ہے زہراؑ کی طرح صبر کا پابند
چادر کوئی ایسی نہیں جس میں نہ ہو پیوند
غش آتے ہیں پر حق کی عبادت نہیں جاتی
فاقوں میں بھی قرآں کی تلاوت نہیں جاتی

۳۵

مختار دو عالم ہوں یہ کیا تم سے کہوں حال
دنیا کا طلب گار نہیں فاطمہؑ کا لال
فاقے سے بھی سو رہتے ہیں اکثر مرے اطفال
صرف رہ خالق ہے ملا کچھ جو زر و مال
وال ہوگا تہی دست جو یاں سے نہیں جاتا
اسباب جہاں ساتھ کوئی لے نہیں جاتا

۳۶

مجھ سے بھی سخی ہیں حرم سید عالی
چہرے پہ فقیری میں بھی رہتی ہے بحالی
سائل کبھی جاتا نہیں دروازے سے خالی
شکوے کی کبھی بات نہیں منہ سے نکالی
کچھ کام انہیں لذت دنیا سے نہیں ہے
کہنہ تو ردائیں ہیں عزاز ان [illegible]

۳۷
بہنیں مری زہرا سے بزرگی میں نہیں کم
بعد اپنے انہیں کی ہے تباہی کا مجھے غم
اک غیرت حوا ہے تو اک ثانی مریم
خنجر کے تلے نکلے گا مشکل سے مرا دم
گھبرائی ہوئی خیمۂ ویراں میں پھریں گی
سر پیٹتی لاشے پہ مرے آکے گریں گی

۳۸
بولا یہ حصین ابن تمیم ستم آرا
پھر کس لئے ہے بیعت حاکم سے کنارا
زینب کی تباہی جو نہیں تم کو گوارا
یہ عجز نہ مانا ہے نہ مانیں گے تمہارا
شرمندہ ہوں کیوں احمدؐ مختار کے آگے
سر کاٹ کے لے جائیں گے سردار کے آگے

۳۹
اب یاں سے کہاں جاؤ گے راہیں تو ہیں مسدود
حضرت نے کہا دور ہو او ظالم مردود
اور گرد ہیں دو لاکھ جواں قتل پہ موجود
چاہوں تو اشارے میں ابھی سب فوج ہو نابود
عاقل کبھی فاسق کی اطاعت نہیں کرتے
سر دیتے ہیں دیندار یہ بیعت نہیں کرتے

۴۰
کیا ہوگا اگر چار طرف بند ہیں راہیں
مفتاح در خلد بریں ہیں مری آہیں
کھل جائیں در قصر فلک گر ابھی چاہیں
یہ وہ ہیں کہ جو منہ سے کہیں اس کو نباہیں
اک دم میں سر اب تن سے جدا کرتا ہے شبیرؑ
عاجز نہیں حجت کو ادا کرتا ہے شبیرؑ

۴۱
بڑھ کر صف جنگاہ سے اک ظالم غدار
لہراتی ہے کیا نہر مثال شکم مار
چلایا کہ دیکھو تو ادھر یا شہ ابرار
پر آپ کو قطرہ بھی نہیں ملنے کا زنہار
دریا سے تو یہ شام کا لشکر نہ ہٹے گا
پیاسا ہی گلا آپ کا خنجر سے کٹے گا

۴۲
حضرت نے کہا سوئے فلک ہاتھ اٹھا کر
فرما نہ چکے تھے یہ ابھی سبط پیمبرؐ
اس وقت سزا دے اسے اے خالق اکبر!
ناگاہ ادھر پیاس کا غلبہ ہوا اس پر
پاس اس کے ہر ایک شخص لئے جاتا تھا پانی
کم ہوتی نہ تھی پیاس پئے جاتا تھا پانی

۴۳
دی تھی جو دعا بد اسے شاہ دوسرا نے
سقوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے
اک آگ سی سینے میں لگا دی تھی قضا نے
جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے
چلاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھاؤ
اسباب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھاؤ

۴۴
تھے پیاس کی گرمی سے زبس جان کے لالے
عبرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے
ساحل پہ گرا جا کے زباں منہ سے نکالے
جب پانی پیا حلق میں سو پڑ گئے چھالے
ہر موج کا خم اس کے لئے ناگ ہوا تھا
پانی کا بھی اس وقت مزاج آگ ہوا تھا

۴۵
آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا یہ تھا حال
دریا سے بڑھ بڑھ کے کیے دیتا تھا پامال
موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منہ لال
مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بد افعال
جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
بڑھتا تھا وہ سفاک تو گھٹ جاتا تھا پانی

۴۶

واں بھی نہ بجھی پیاس گرا نہر میں بے پیر
گرداب بنا طوق تو موجیں ہوئیں زنجیر
دریا میں ہوا شور یہ ہے دشمن شبیرؑ
ناگاہ وہیں موت ہوئی آکے گلوگیر
قطرہ بھی نہ اک حلق جفاکار میں پہونچا
پانی میں لعیں غرق ہوا نار میں پہونچا

۴۷

دیکھا پسر سعد نے جس وقت یہ اعجاز
ہے آل رسولؐ عربی سحر میں ممتاز
گھبرا کے جفا جو نے یہ دی فوج کو آواز
شبیرؑ کا سر لاؤ جو ہونا ہے سرافراز
جب حلق سے شبیرؑ کے شمشیر ملے گی
منصب تمہیں ہاتھ آئے گا جاگیر ملے گی

۴۸

جس وقت سنی یہ پسر سعد کی تقریر
فرمایا کہ رکھ دوں گا گلا خود تہ شمشیر
میداں سے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ
دو باتیں ہیں سن لے انہیں او ظالم بے پیر
تو نے جو بلایا تو مدینے سے ہم آئے
تجھ سے نہیں ہوتا کہ ادھر دو قدم آئے

۴۹

تھرا کے یہ بولا پسر سعد جفاکار
پہلے جو اماں دیجئے تو حاضر ہو گنہگار
اس دم ہے جلال آپ کو یا سید ابرارؑ
حضرت نے کہا ڈر نہیں ہم کو سزاوار
ہم سا تو کریم آج دو عالم میں نہیں ہے
ڈرتا ہے عبث عیب غا ہم میں نہیں ہے

۵۰

کملا وہ لعیں چتر زری سر پہ لگائے
جب تھا وہ شقی سر کو خجالت سے جھکائے
پاس اس کے حسین ابن علیؑ دھوپ میں آئے
فرمایا کہ ہے کس لئے تو آنکھ چرائے
پانی کا نہ طالب ہوں نہ سائل ہوں اماں کا
غم ہے مجھے ناموس رسولؐ دو جہاں کا

۵۱

تو بھی ہے قریشی تجھے لازم ہے مرا پاس
سر کٹنے کا اپنے نہ مجھے مطلق نہیں وسواس
تنہا ہوں نہ اکبرؑ ہے نہ قاسمؑ ہے نہ عباسؑ
غم یہ ہے کہ ناموس نبیؐ ہوتے ہیں بے آس
جب روتے ہیں وہ دل پہ چھری چلتی ہے غم کی
آیا ہوں ترے پاس سفارش کو حرم کی

۵۲

یہ فوج تری بعد مرے گھر کو نہ لوٹے
خولی سے یہ کہہ بانوئے بے پر کو نہ لوٹے
رانڈوں کے سروں سے کوئی چادر کو نہ لوٹے
نادار ہے کوئی مری خواہر کو نہ لوٹے
دنیا نہیں رہنے کی اسے جب تعب آیا
چادر سر زینبؑ سے چھنی اور غضب آیا

۵۳

جب بعد ظفر شمر لعیں لوٹنے جائے
حاشا یہ کوئی دست تعدی نہ اٹھائے
لازم ہے کہ تو چادر زینبؑ کو بچائے
کوئی مرے بچوں کو طمانچے نہ لگائے
ہو تجھ سے جو یہ امر تو احسان ہے تیرا
ورنہ مرا ہاتھ اور گریبان ہے تیرا

۵۴

اور دوسرے کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
کہنہ سا جو پہنے ہوں میں ملبوس پیمبرؐ
رو دیں گی مری لاش پہ سر پیٹ کے مادر
تن پر سے اتارے نہ اسے کوئی ستمگر
غارت شہ لولاک کی پوشاک نہ کیجیو!
عریاں مرا لاشہ تہ افلاک نہ کیجیو!

۵۵
حضرت کا سخن سن کے نہ بولا وہ جفا کار
اشک آنکھوں میں بھر کر یہ پکارے شہ ابرار
اپنی صف لشکر میں گیا چھیڑ کے رہوار
سمجھا ترے مطلب کو میں اے ظالم غدار
تو دست تعدی کو نہ کوتاہ کرے گا
رانڈوں کی حمایت مرا اللہ کرے گا

۵۶
بیکس کو مسافر کو کفن کچھ نہیں درکار
ملبوس تو ہے رغبت کہن کچھ نہیں درکار
رونے کو نہ ماں نہ بہن کچھ نہیں درکار
مظلوم کو آرائش تن کچھ نہیں درکار
مردوں کو نہ رہتی ہے ہوس اور نہ طلب کچھ
جب جا کے ملے خاک میں پھر خاک ہے سب کچھ

۵۷
اعدا سے یہ فرماتے تھے حضرت کہ چلے تیر
کھینچی پسر شیر الٰہی نے جو شمشیر
اور قول کے نیزوں کو بڑھے فوج سے بے پیر
گیتی کو تزلزل ہوا کانپا فلک پیر
حضرت نے تو اس برق ستم کو سنبھالا
کروبیوں نے عرش معلیٰ کو سنبھالا

۵۸
سکان سماوات بھی گھبرا گئے سارے
جبریل امیں ناد علی پڑھ کے پکارے
تھرانے لگی گاؤ زمیں خوف کے مارے
کاٹا ہے اسی تیغ نے شہپر کو ہمارے
عالم کو دو عالم کا شہنشاہ بچائے
اس برق جہاں سوز سے اللہ بچائے

۵۹
تھی آگ ہوا آتش شمشیر دو سر سے
پریوں کے اڑے ہوش کہ آگ آئی کدھر سے
طائر گرے گھبرا کے ادھر بحر میں پر سے
جنات پہاڑوں میں چھپے جان کے ڈر سے
غل تھا کہ نہ قلزم پہ یہ برق اجل آئے
ساحل سے ادھر مردم آبی نکل آئے

۶۰
اژدر سے چھٹا غار تو شیروں سے چھٹا بن
مرغان ہوا بھول گئے اپنے نشیمن
اور آہوؤں نے چھوڑ دیا کوہ کا دامن
دہشت سے چرندے بھی اٹھانے لگے گردن
لرزاں تھا یہاں کون نہ تھا کون مکاں میں
آثار قیامت نظر آتے تھے جہاں میں

۶۱
تلوار کو چمکا کے پکارے شہ عالم
سب مل کے گر آتے ہو تو اس کا نہیں کچھ غم
میں رزم پہ آمادہ ہوں نکلے کوئی اظلم
لڑنے میں ہزاروں سے کبھی بند نہیں ہم
کھل جائے گا احوال دم جنگ تمہارا
اس میں بھی مرا نام ہے اور ننگ تمہارا

۶۲
فرزند ید اللہ نے کئی بار پکارا
مردود کے سر پر اجل آئی جو قضا را
دو لاکھ میں بڑھنے کا نہ تھا ایک کو یارا
نکلا صف لشکر سے تمیم ستم آرا
کافر کو غرور اپنی شجاعت پہ بڑا تھا
اکثر صف لشکر میں اکیلا ہی لڑا تھا

۶۳
پہنے ہوئے چار آئینہ و جوشن نہ مغفر
اسپ دو رگا پہ تھا ڈیل دیو سا پیکر
اور کہنیوں تک ہاتھوں میں دستانے برابر
سہراب سے پرزور تو رستم سے قوی تر
ہونٹوں کو چباتا تھا یہ غصہ میں بھرا تھا
پیچھے ستم آرا کے سواروں کا پرا تھا

۶۴

نیزہ وہ جسے دیکھ کے کانپے فلکِ پیر
گھر موت کا تھی قوس تو پیغامِ اجل تیر
اور کوہ سے لشکر نہ اٹھے جس کا وہ شمشیر
وہ داں سے چلایاں سے بڑھے حضرت شبیرؑ
تھرائی زمیں چوب لگی طبلِ وغا پر
حملہ کیا نامرد نے شاہِ شہدا پر

۶۵

کج باز نے سیدھا جو کیا نیزۂ خونخوار
چلّا یا کماں کھینچ کے وہ بدکیش و خطاکار
تلوار سے دو کر دیا شہ نے اسے اک بار
لو اب یہ پیامِ اجل آتا ہے خبردار
سایہ جو پڑا شاہ کی تیغِ دو زباں کا
ترکش تھا نہ چلّا تھا نہ حلقہ تھا کماں کا

۶۶

جس وقت کہ ترکش میں دسر کش کے رہا تیر
قبضے میں جفا جو نے لیا قبضۂ شمشیر
تھرّایا جگر سہم گیا خوف سے بے پیر
فرمایا کہ خبردار بڑھے حضرت شبیرؑ
اک جست میں سر پہ فرسِ تیز قدم تھا
کھینچنے بھی نہ پائی تھی کہ بس ہاتھ قلم تھا

۶۷

پھر سر پہ چمک کر جو وہ برقِ اجل آئی
گردن سے جو ترچھی گئی زیرِ بغل آئی
شل غضبِ خالقِ عز و جل آئی
کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا
گھوڑے سے گرا جب تو دو پارا نظر آیا

۶۸

زینبؑ نے درِ خیمہ سے دیکھا جو یہ سامان
یہ پیاس کئی دن کی یہ دھوپ اور یہ میدان
چلّائی کہ بھیّا بہن اس ضرب کے قربان
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جان
بچہ جو چھٹے باپ سے پالا نہیں جاتا
اب مجھ سے سکینہ کو سنبھالا نہیں جاتا

۶۹

خود بر دے کے پاس آ کے سکینہؑ یہ پکاری
لڑنے کے فدا آپ کی تنہائی کے واری
اے سبطِ نبیؐ ابنِ علیؑ عاشقِ باری
نزدیک تو آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری
اماں کا مری غم سے عجب حال ہے بابا
یہ ہاتھوں سے پیٹتی ہیں کہ منہ لال ہے بابا

۷۰

تکیے علی اصغرؑ کے کلیجے سے لگائے
نزدیک ہے بابا کہ اب اماں کو غش آئے
چلّاتی ہیں کیا ہو گئے ہے سب مرے جائے
میداں سے کہ اب تک مرے بھیّا کو نہ لائے
گودی میں دیا کس کو کدھر کھو گئے اصغرؑ
دریا کی ہوا کھاتے ہی کیا سو گئے اصغرؑ

۷۱

میداں میں سنی شہ نے سکینہ کی جو زاری
بیٹی کو پکارے کہ نہ رو اے مری پیاری
صابر تھے مگر آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
اب ہو گی قیامت میں ملاقات ہماری
فرزند نہیں ہیں نہیں مر جائیں گے بی بی
اصغر نہ جئیں گے نہ ہم اب آئیں گے بی بی

۷۲

یہ سن کے لگی پیٹنے سر زینبؑ مضطر
تیروں کی ہوئی مار چلے نیزہ و خنجر
واں شہ پہ جھکا چار صفیں باندھ کے لشکر
یا شیرِ خدا کہہ کے دھنسے فوج میں سرورؑ
ٹاپوں سے پیادوں کو کچل جاتا تھا گھوڑا
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا

۷۳

اک صف سے گئے دوسری صف سے نکل آئے
لڑ بھڑ کے ہر اک تیغ بکف سے نکل آئے
دہنے سے گئے بائیں طرف سے نکل آئے
لشکر کر دو شاہ نجف سے نکل آئے
اک برق گری ارض کے جدھر آگیا گھوڑا
جب باگ ہلی برچھیوں پر آگیا گھوڑا

۷۴

جس رخ کو سواروں کا رسالا نظر آیا
برچھی بھی نظر آئی نہ بھالا نظر آیا
دم میں وہاں اسپ شہ والا نظر آیا
سب شام کا لشکر تہ و بالا نظر آیا
گھوڑے تو الف ہو کے سوار منہ کے گرے تھے
اسوار پیادوں کی قطاروں پہ گرے تھے

۷۵

صفدر نے سواروں کے رسالوں کو نہ چھوڑا
بے قتل کیے برچھیوں والوں کو نہ چھوڑا
ثابت صف جنگاہ میں بھالوں کو نہ چھوڑا
بے دو کیے تلوار نے ڈھالوں کو نہ چھوڑا
کس کا یہ کلیجہ تھا کہ جو ٹک کے لڑتا
کیا منہ تھا جو اک وار کوئی روک کے لڑتا

۷۶

رن میں قدم لشکر کفار نہ ٹھہرے
بھاگے صف تیر کماندار نہ ٹھہرے
دم میں صف ہیجا میں ستمگار نہ ٹھہرے
پیدل کا تو کیا ذکر ہے اسوار نہ ٹھہرے
زندوں کو بھی مردوں میں قلم بند کیا تھا
اک تیغ نے دو لاکھ کا دم بند کیا تھا

۷۷

ہٹ ہٹ کے جماتے تھے ستمگار صفوں کو
دم لینے نہ دیتی تھی وہ تلوار صفوں کو
پامال کیے دیتا تھا رہوار صفوں کو
دو حملوں میں بے رنگ کیا چار صفوں کو
ہر سو تن بے سر سر بے تن نظر آئے
میداں میں نہ اسوار نہ توسن نظر آئے

۷۸

جب ضربت سرور کی لعیں لا نہ سکے تاب
ناداں تھے جنھوں نے نہ کیا آپ کا آداب
چلائے کہ اے باغ نبی کے گل شاداب
لے آتے ہیں ہم نہر سے مشکیزۂ پر آب
جیتا یہ نہ چھوڑے گی کسی پیر و جواں کو
للہ بس اب روکیے تیغ دو زباں کو

۷۹

حضرت سے بر آئے گی نہیں ساری خدائی
ناگاہ صدا شیر الٰہی کی یہ آئی
فریاد کسی کی ہے محمد کی دہائی
شبیر بس اعدا نے سزا ظلم کی پائی
امت کو نہ برباد مری جان کرو تم
اب روح محمد کی طرف دھیان کرو تم

۸۰

تم قول کے صادق ہو نہیں غیظ کا ہنگام
اپنی بھی رکھی بات ہمارا بھی کیا نام
صدقے ترے اے فاطمۂ زہرا کے گل اندام
بس ختم ہوئی جنگ رکھو ہاتھ سے صمصام
یہ چاند سی گردن تہ خنجر بھی دکھا دو
اللہ کو اب صبر کے جوہر بھی دکھا دو

۸۱

بیٹوں کو نہ روؤ کہیں مرثیے بھی سجے ہیں
در ہائے فلک قدسیوں نے کھول دیے ہیں
محبوب خدا چاک گریبان کیے ہیں
جبریل امیں قتل کے محضر کو لیے ہیں
اس نذر کرو صادق الاقرار ہو تم تو
امت کی شفاعت کے طلبگار ہو تم تو

۸۲
آواز پدر سنتے ہی رہوار کو روکا
کفار پہ چلتی ہوئی تلوار کو روکا
پھر بڑھ کے نہ پیدل کو نہ اسوار کو روکا
روکا اسے کیا برق شرربار کو روکا
فرمایا اب اٹھنے کا نہ ہاتھ اہل جفا پر
موقوف رکھا ہم نے یہ انصاف خدا پر

۸۳
تلواریں لگانے لگے پاس آ کے جفاجو
تیغوں سے کٹے ابن ید اللہ کے بازو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر، یہ پہلو
سب خوں میں محمدؐ کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

۸۴
خاتون قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
گرتا ہے مرا لال دوہائی ہے دوہائی
اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے سید کو بچاتا نہیں کوئی

۸۵
یاں ضعف سے ہر لے پہ جھکے جاتے تھے سرور
تیروں سے مشبک تھا وہ سب سینۂ انور
لگتا تھا بدن پر کبھی نیزہ کبھی خنجر
تھے ایک ہزار اور کئی سو زخم بدن پر
شہ کھاتے تھے تلوار سہم جاتی تھی زینبؑ
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ

۸۶
چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو
شبیرؑ کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
اوجھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

۸۷
صف باندھ دو یا گرد مجھے جیسے کہ پڑا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباسؑ کا لاشا
یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لب دریا
تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دختر زہراؑ
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر
شبیرؑ کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

۸۸
کہتے تھے یہ حضرت کہ لگا پشت پہ بھالا
جبریلؑ نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
قربوس پہ غش کھا کے گرے سید والا
چلائے نبیؐ ہائے مری گود کا پالا
غش ہو گیا طاری جو شہ عرش نشیں پر
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

۸۹
مرکب سے جدا ہوئے جو تڑپے شہ ابرار
فرمایا کہ منزل پہ پہونچا ترا اسوار
گرد شہ دیں ہو کے لگا پھرنے وہ رہوار
رخصت ہو کہ سر اترے تو ہم بھی ہوں سبکبار
اب تیغ ہے ذبح کو جلاد بڑھے گا
قاتل ترے اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

۹۰
نیزے کی سواری ہے اب اور فاطمہؑ کا لال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہووے گی پامال
لعنت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
زینبؑ نکل آئے نہ کہیں کھولے ہوئے بال
سجادؑ کو آگاہ مرے حال سے کر دے
جا بانوئے بیکس کو مرے باپ کی خبر دے

۹۱

گھوڑے کو شہِ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینبؑ
خیمے کو چلا سر کو پٹکتا ہوا مرکب
یاں قبلۂ عالم پہ لعیں ٹوٹ پڑے سب
زخمی نہ ہو ایسی، نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
ہاں خنجرِ خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی

۹۲

شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
ہاتھوں سے کلیجے کو محمدؐ نے سنبھالا
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زہراؑ نے کہا ہائے مرا گیسوؤں والا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حیدرؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتے تھے حیدرؑ

۹۳

قرآن پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
بحروں میں تلاطم ہوا تھرا گئے کہسار
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوار
مجروح تھے سر تا بقدم سیدِ ابرار
سینہ جو دبا نیزوں کی سریاں نکل آئیں
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں

۹۴

گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا
بے رحمی سے جلاد نے پوچھا سبب اسکا
حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے پر
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

۹۵

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکمِ پیمبرؐ
یاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبؑ مضطر
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کے برابر
دکھلا کے اسے شمر نے کاٹا سرِ سرورؑ
شہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

۹۶

یہ وقت دعا کا ہے انیس اب نہ ہو غافل
عالم میں بہ حشمت رہے یہ بانیِ محفل
یا رازق و یا حافظ و یا خالقِ عادل
سب مطلبِ دل ہوں تری درگاہ سے حاصل
ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

سلام

ہوا جو عشقِ ثنائے ابوتراب مجھے
خدا نے کر دیا ذرّے سے آفتاب مجھے

تو زمیں نظر آتے ہیں بوتراب مجھے
ملا ہے قبر کی ظلمت میں آفتاب مجھے

زمینِ ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو
کرو نجف میں طلب یا ابوتراب مجھے

بہت چھپے گا ادھر جو ہوگی بارشِ اشک
برس کے جوش میں لاتا ہے کیوں سحاب مجھے

خزانۂ گہرِ بے بہا تھا ہر دو دل میں
دکھائے چشم نے کیا کیا درِ خوشاب مجھے

کبھی نہ دوں عرقِ روئے شاہ سے نسبت
ہزار طرح سے چھینٹے جو دے گلاب مجھے

غمِ حسینؑ میں ندی چڑھی یہ اشکوں کی ۔۔۔ کہ آسماں نظر آنے لگا حباب مجھے

پدر کے غم میں تڑپتی ہوں کہتی تھی صغراؑ ۔۔۔ نہ چین آتا ہے اے بیبیو نہ خواب مجھے

چھلکتے جام رہیں میکدہ رہے آباد ۔۔۔ خُمِ غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے

گل حدیقۂ زہراؑ نے آبرو دے کر ۔۔۔ کلی سے پھول کیا پھول سے گُلاب مجھے

قطعہ بند

صدا یہ آتی تھی مقتل سے بعد قتل حسینؑ ۔۔۔ کسے خبر ہے جو حاصل ہوئے ثواب مجھے

غریب و بیکس و مظلوم و تشنہ کام شہید ۔۔۔ ملے ہیں خلق میں سرورؑ کے یہ خطاب مجھے

بندھی رسن میں جو گردن تو بولے عابدؑ زار ۔۔۔ خدا نے آج کیا مالک الرقاب مجھے

حسینؑ کہتے تھے اے تیغ سب فنا ہو جائیں ۔۔۔ ستم کی فوج پہ آئے اگر عتاب مجھے

ترا نظیر ہے دنیا میں اور نہ کوئی مرا ۔۔۔ تجھے ہلال بنایا ہے آفتاب مجھے

رُخِ حسینؑ سے دعوائے ہمسری کیا خوب ۔۔۔ دکھائے زلف تو چہرے پہ آفتاب مجھے

نقاب منہ سے اُلٹ دیجئے یا علی اکبرؑ ۔۔۔ چمک دکھا کے جلاتا ہے آفتاب مجھے

کیے جو آکے نکیرین نے سوال انیسؔ ۔۔۔ بتا دیے مرے مولا نے سب جواب مجھے

رباعی

رومال ہے اشکوں سے بھگونے کیلئے ۔۔۔ یہ راتیں یہ دن نہیں ہیں سونے کیلئے
ہنسنے کے لئے تو سال بھر ہے یارو! ۔۔۔ دس روز محرم کے ہیں رونے کیلئے

رباعی

اے اہل عزا عزا کے دن آ پہونچے ۔۔۔ غم کی راتیں بکا کے دن آ پہونچے
فریاد کہ فاطمہؑ کی بستی اُجڑی ۔۔۔ آبادیِ کربلا کے دن آ پہونچے

رباعی

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار ۔۔۔ شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پہ ابر اندوہ و ملال ۔۔۔ رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

مرثیہ ۱

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشت مصاف سے
اڑنے لگے شرر دم حشار اشگاف سے
صاف آئی الاماں کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن میں مل گئے

۲

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال میں
مضطر تھے شش جہت کے مکیں ایک حال میں
سکان غرب و شرق تھے بیم و زوال میں
غل تھا کہ گھر گئے غضب ذوالجلال میں
بشہ کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

۳

راحت میں جن و انس و ملک کی خلل پڑے
کھا کھا کے جوش خاک سے چشمے ابل پڑے
قلزم میں ڈر کے مردم آبی اچھل پڑے
بیم الم سے غول جنوں کے نکل پڑے
الٹی زمیں سبھوں کے دلوں پہ یہ بن گئی
پریوں کے ہوش اڑ گئے جانوں پہ بن گئی

۴

اٹھا جو الحفیظ کا دد جانوروں میں شور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
مردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور
ہے بازوئے حسینؑ میں دست خدا کا زور
ہلتے ہیں مثل شیشہ خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچا لے زمین کو

۵

جنگل میں تھی علم جو وہ تیغ شرر فشاں
غار اژدروں سے چھٹ گئے شیروں سے نیستاں
تھرا کے آسمان میں چھپتا تھا آسماں
دریا تھا زرد بحر میں اک شور الاماں
مانند موج مچھلیوں میں اضطراب تھا
زہرہ ہر اک نہنگ کا پانی ہی آب تھا

۶

تاریک تھا چکاروں کی آنکھوں میں سب جہاں
بن سے سیاہ گوش بھی بھاگے دبا کے کان
مضطر تھے شیر و گرگ نکالے ہوئے زباں
غل تھا یہ دام و دد میں کہ کیونکر بچے گی جاں
تیغ علیؑ علم تھی جو دشت قتال میں
چیتوں نے منہ چھپائے تھے گینڈوں کی ڈھال میں

۷

گھڑیال زیر آب تھے مضطر ادھر ادھر
تھی مچھلیوں کے چہروں پہ گرداب کی سپر
جا گر پناہ کی کہیں ملتی نہ تھی مگر
بری میان بحر تھے بحری میان بر
گھبرائے جنگلی تھے جانوروں کے یہ رنگ تھے
خشکی میں تھے نہنگ تری میں پلنگ تھے

۸

غل تھا کہ ضرب تیغ علیؑ سے خدا بچائے
قہر خدا سے بچ کے کوئی کس طرف کو جائے
یہ برق دیکھتے ہی پھونکے گی جلائے
بچ جائے آج وہ جو دوبارہ حیات پائے
فولاد ہو کہ سنگ یہ منہ موڑتی نہیں
بے دو کیے کسی کو کبھی چھوڑتی نہیں

۹

اعدا پہ جبکہ تیغ شہ لافتا چلی
غل پڑ گیا کہ صرصر قہر خدا چلی
بجلی ہوئی بلند تو جلو میں قضا چلی
اک دم میں سر تنوں سے اڑے یہ ہوا چلی
غل تھا غضب حسینؑ کا قہر الٰہ ہے
باد فنا سے گلشن ہستی تباہ ہے

۱۰

تھرائے ہے تھے شیر زہے ہیبت حسین
گیتی کو زلزلہ تھا زہے شوکت حسین
فاقوں میں کم ہوئی تھی نہ کچھ طاقت حسین
اک قدرت خدا تھی خوشا قدرت حسین
سوکھی ہوئی زباں پہ کسی کا گلا نہ تھا
سولہ پہر ہوئے تھے کہ پانی ملا نہ تھا

۱۱

فاقوں سے رنگ زرد تو لب پیاس سے کبود
چہرے سے تھا جلال جہاں آفریں نمود
کرتا تھا نور حق جو سوئے آسماں صعود
تسبیح پڑھ رہے تھے ملک اور بشر درود
تھم جاتے تھے حسین جو تلوار تول کر
حوریں بلائیں لیتی تھیں غرفوں کو کھول کر

۱۲

وہ ماہ رخ پہ بازئہ گیسوئے تابدار
خوشبو یہ جس کی عنبر سارا بھی تھا نثار
تھا فاطمہ کا رشتۂ جاں اُن کا تار تار
قرباں ہر ایک تار پہ سو نافۂ تتار
گیسو نہ تھے رخ خلف بوتراب پر
تھی جدول سیہ ورق آفتاب پر

۱۳

سر لوح مصحف رخ پر نور ہے جبیں
آئینہ کی طرح سے نہ جس میں شکن نہ چیں
مرآت نور حق قمر آسمان دیں
قطرے عرق کے رشک وہ گوہر ثمیں
پھولا تھا گلاب کا اس سرزمین پر
گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

۱۴

وہ اوج ذوالفقار وہ جنبش بھووں کا بل
اک نخل قد کھاتا تھا تیغوں کے تین پھل
ملتے تھے غیظ سے جو وہ ابروئے بے بدل
گویا پروں کو تولتا تھا طائر اجل
پلکوں کے تیر سب کے کلیجوں کے پار تھے
کھنچتی تھی یاں کماں اُدھر اعدا فگار تھے

۱۵

آنکھیں وہ نرگسی کہ غزال آنکھ کو چرائے
ہنگام غیظ شیر یہ جرأت کہاں سے لائے
پنجے سے اس مژہ کے دغا میں خدا بچائے
زہرہ ہو آب آب جگر کیوں نہ تھرتھرائے
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے
پتلی ہے چشم میں کہ ترائی میں شیر ہے

۱۶

ابرو ہیں نون حسن تو چشم حسیں ہے صاد
محراب کعبہ وہ ہے تو یہ قبلۂ مراد
گو یہ جدا جدا ہیں پہ ہے عین اتحاد
دیکھے عدو جو کور نہ ہو چشم اعتقاد
لاریب نور چشم نبی و علی یہ ہے
نقش جلی ہو کہ خدا کا ولی یہ ہے

۱۷

رخسار ہیں وہ گل جنھیں خوف خزاں نہیں
ٹکڑے ہیں لعل کے لب شیریں بیاں نہیں
ہے ماہی محیط فصاحت زباں نہیں
یہ فرد نازکی ہے کہ گویا دہاں نہیں
باتوں میں بند ہیں فصحا کائنات کے
صدقے ہیں بات بات پہ کوزے نبات کے

۱۸

سوکھے لبوں پہ لعل بدخشاں نثار ہیں
دانتوں کے نور پر دُر غلطاں نثار ہیں
تابندگی پہ اختر تاباں نثار ہیں
یہ آب ہے کہ قطرۂ نیساں نثار ہیں
ایسے گہر نہیں کہیں بحر عمیق میں
گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

۱۹
وہ لعل لب وہ روئے مطہر وہ ریش شاہ
کیا خوشنما ہے گرد قمر ہالۂ سیاہ
ہیں ایک جا ہلال و شب قدر و نور ماہ
ہے صبح و شام ایک جگہ کھینچئے نگاہ
ہے رتبہ رخ شہ ذیشاں کھلا ہوا
دیکھو دھرا ہے رحل پہ قرآں کھلا ہوا

۲۰
مدح گلوئے پاک کوئی کیا کرے بھلا
حیرت ہے کیوں الٹ نہ گیا دشت کربلا
محبوب کبریا نے سدا جس پہ منہ ملا
خنجر سے کٹ گئیں وہ رگیں اور وہ گلا
بخشا فروغ جس نے یدیاں کے طور کو
سر کاٹ کر بجھا دیا اس شمع نور کو

۲۱
وہ دوش پاک بادشہ آسماں وقار
بازو وہ ہیں کہ بازوئے دیں جن سے استوار
ہے کل کی عاصیوں کی شفاعت کا جس پہ بار
ساعد سے زور دست ید اللہ آشکار
سب پر کھلی ہے عقدہ کشائی حضور کی
روشن ہے انگلیوں سے کہ ہیں شمع نور کی

۲۲
ہر دم اٹھا کے ہاتھ یہ فرماتے ہیں سخن
کیوں جانتے ہو کون ہیں دنیا میں پنجتن
عالم میں خمسہ نجبا ہیں شہ زمن
ہیں اور نبی و فاطمہ و حیدر و حسن
وہ رکن جب سے اٹھ گئے ہم رنج و بلا میں ہیں
اب میں فقط مخمس آل عبا میں ہوں

۲۳
اعضا میں کیوں نہ ہاتھ کا ہو مرتبہ بلند
ہے پنجتن کی ذات سے سب خلق بہرہ مند
دست کرم وہ ہے کہ خدا کو بھی ہے پسند
پانچ انگلیوں میں ہاتھ کے ہیں چار وہ جو بند
عقدے یہ اس سے کھلتے ہیں جو ذی شعور ہیں
جو وہ بزرگ خلق میں خالق کے نور ہیں

۲۴
ہے طور نور ذات خدا سینۂ حسین
اسرار حق ہے گوہر گنجینۂ حسین
صاف آئینہ ہے اک دل بے کینۂ حسین
روح الامیں ہے خادم دیرینۂ حسین
سینہ نہیں سفینۂ طوفان نوح ہے
ایماں کی سجدہ گاہ ہے قرآں کی روح ہے

۲۵
آئینہ حلب سے فزوں تر صفا میں ہے
یاں دل میں ہے وہ ضو جو کلام خدا میں ہے
یہ ضو نہ بدر میں ہے نہ شمس الضحیٰ میں ہے
قرآں غلاف میں ہے کہ سینہ قبا میں ہے
کیا قہر ہے کسی نے نہ پاس ادب کیا
زانو اسی پہ شمر نے رکھا غضب کیا

۲۶
سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب و تاب
ہے گو کہ تین روز کے فاقے سے وہ جناب
غرق عرق تھا شرم سے مارے جہاں گلاب
پرنور ہے شکم صفت قرص آفتاب
پھولوں کی بو سے خوش سے ہیں کپڑے بسے ہوئے
امت کی مغفرت پہ کمر ہیں کسے ہوئے

۲۷
بازو ہے تیر ظلم سے زخمی کمر سے خم
پیروں سے ثبات کہ اٹھتے نہیں قدم
طاقت جواب دیتی ہے مولا کو دم بدم
تیغ شہ نجف ہے اسی ہاتھ میں علم
آنکھیں ہیں شرح بحر شجاعت کے جوش پر
شملہ چھٹا ہوا ہے عمامے کا دوش پر

۲۸

اللہ رے نبی کی عبا و قبا کا نور
ہر دو سے ہیں جس کے جلوہ نما ہی خدا کا نور
زہرا و حیدر و حسنؑ سب پنجتنؑ کا نور
ہے شش جہت میں خامس آل عبا کا نور
حیران لباس نور پہ سب حلہ پوش ہیں
ادریس میں حواس نہ موسیٰ میں ہوش ہیں

۲۹

بالائے دوش حضرت حمزہ کی ہے وہ ڈھال
زیبا ہے جیسے گرد رخ فتح و ظفر کا خال
پھول اُس کے وہ کہ تیغ کا پھل جس سے ہو پامال
شب میں عیاں ہیں چار ستارے تو اک ہلال
اُس کو عروج کیوں نہ ملے قتل گاہ میں
پشت و پناہ خلق ہے جس کی پناہ میں

۳۰

وہ آہنی کلہ وہ زرہ جامۂ حضور
جس کی ہر اک کڑی سے نکلتا تھا چھن کے نور
حلقے وہ جن کو دیکھ کے شرمائے چشم حور
قندیل آہنی میں فروزاں ہے شمع طور
جوشن نہ تھا تن شہ گردوں وقار میں
تارے چمکتے تھے شب تاریک تار میں

۳۱

تولنے پہ کس شکوہ سے ہے حلقۂ کماں
ہے جس کے ڈر سے قوس قزح چرخ پر طپاں
پیغام موت کا ہے ہر اک تیر جاں ستاں
ہر دم صدا یہ ہے لب سوفار سے کہ ہاں
سرکش کہاں ہیں لشکر کج عقل و فہم کے
گوشوں میں چھپتے پھرتے ہیں کیوں سہم سہم کے

۳۲

دستانہ ہے کہ قبضۂ سیف قضا ہے یہ
شمشیر ہے زبان دہن اژدہا ہے یہ
ہم دست آستین شہ لافتا ہے یہ
ثابت ہوا کہ پنجۂ شیر خدا ہے یہ
دست خدا کے لال جری ہیں دلیر ہیں
اس ہاتھ سے جہاں کے زبردست زیر ہیں

۳۳

نیزہ ہے رشک افعی گیسوئے دلبستان
سینے کو جس کے ڈر سے چراتا ہے آسماں
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سناں
غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زباں
لشکر جو دیو کا ہو تو دم میں ہلاک ہو
اس کی ہوا لگے تو بدن جل کے خاک ہو

۳۴

اس شان سے ہیں رن میں اکیلے امام دیں
اور واں پرے جمائے ہیں میداں میں اہل کیں
خنجر کہیں ہیں تیر کہیں برچھیاں کہیں
اللہ ری کشمکش نظر آتی نہیں زمیں
لشکر بڑھے ہیں شاہ پہ یوں شام و روم کے
آتی ہے جس طرح سے گھٹا جھوم جھوم کے

۳۵

تیغوں کی اس گھٹا میں چمکتی ہیں بجلیاں
باجوں کے زور شور میں ہے رعد کی فغاں
پھیلے ہوئے ہیں شہ پہ زرہ پوش سب جواں
لوہے کی ہے زمین تو ڈھالوں کا آسماں
چاروں طرف سے نرغۂ فوج کثیر ہے
ابر کرم پہ بارش باران تیر ہے

۳۶

ٹھہری ہے یوں صف جمائے ہوئے اس طرح سے فوج
طوفاں میں جوش کھا کے اٹھے جس طرح کہ موج
ہر فرد کی کمر میں ہیں تلواریں زوج زوج
ڈھالوں کا دور دور ہے نیزوں کا اوج اوج
آفت جناب فاطمہؑ کے گھر پہ آئی ہے
ٹاپوں سے مرکبوں کی زمیں تھرتھرائی ہے

۳۷

بر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں چمکتی ہیں
نیزے تلے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں
نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں
ترکش کھلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
جنگیں دلوں نے ہاتھوں میں تیغیں اٹھائی ہیں
تیغوں کے ساتھ گرزِ گراں سر اٹھائے ہیں

۳۸

ٹاپوں سے گونجتی ہے وہ سب وادیٔ نبرد
ہے برجِ حار میں یہ رخِ آفتاب زرد
گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری ہے گرد
ڈھیے گرے زمین پہ نہ منزل نہ جادہ رد
گرمی ہجومِ فوج سے دو چند ہو گئی
خاک اس قدر اڑی کہ ہوا بند ہو گئی

۳۹

دستے وہ معتبر زنگ کے وہ فوجِ بزمِ دشام
تیغیں برہنہ ہو گئی تھیں چھوڑ کر نیام
دن دو پہر وہ دشت کی گرمی وہ ازدحام
مانندِ شمع جل رہی تھیں برچھیاں تمام
تلواریں منہ چھپائے تھیں سایوں میں ڈھال کے
خنجر بھی رہ گئے تھے زباں میں نکال کے

۴۰

لو چل رہی تھی دن میں کہ اللہ کی پناہ
برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلے کا اشتباہ
ڈھالوں کے رنگ ہو گئے تھے دھوپ میں سیاہ
گلخن بنی ہوئی تھی ہر اک آہنی کلاہ
گویا کروں میں تھا گزر آفتاب کا
عالم تھا ہر خدنگ پہ تیرِ شہاب کا

۴۱

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
تنہا تھا دھوپ میں اسد اللہ کا پسر
تھے دو غلام مروحہ جنباں ادھر ادھر
نے سایۂ علم تھا نہ عبائے شہِ نامور
لگتی تھی کچھ بدن کو ہوا آہِ سرد سے
گیسو اٹے ہوئے تھے بیاباں کی گرد سے

۴۲

جنگل سے آ رہی تھی یہ آواز بار بار
تو دھوپ میں کھڑا ہے مرا دل ہے بے قرار
کیا آج تجھ پہ بن گئی اے میرے گلعذار
سایہ تو کرے رخ پہ عبا کا یہ ماں نثار
عالم سیاہ ہے مری چشمِ پُر آب میں
سنولا گیا ہے چاند مرا آفتاب میں

۴۳

مادر سے رو کے کہتے ہیں سلطانِ کربلا
مصحف ہوں آپ فرق پہ سایہ کروں میں کیا
کافی ہے آج سر پہ مرے سایۂ خدا
سوتے ہیں آفتاب میں سب میرے اقربا
اڑتی ہے خاک اڑ کے تنِ پاش پاش پر
اماں ردا نہیں علی اکبر کی لاش پر

۴۴

کرتے ہیں ماں کی روح سے حضرت جو یہ کلام
کہتے ہیں مسکرا کے امامِ فلک مقام
ہر سمت سے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
کس سے لڑیں گے کیوں ہے یہ کوششِ ازدحام
فاقوں سے حالِ غیر ہے محتاجِ آب ہوں
میں آپ ہی مسافرِ پا در رکاب ہوں

۴۵

اللہ کیا ہجوم ہے کیا شورِ گیر و دار
اک سینہ اور یہ ناوکِ بیداد بے شمار
اک جسمِ زار اور یہ نیزے کئی ہزار
میرے لئے تو بس ہے خود تیغِ آبدار
ان برچھیوں سے کس کو زمیں پر گرائیں گے
سو خنجر اک گلے پہ کیونکر پھرائیں گے

۴۶
لشکر یہ ہے کہ قہر کا دریا ہے موجزن
میں اک ضعیف و تشنہ و مظلوم و بے وطن
اکبر نہ ہیں جلو میں نہ لختِ دلِ حسنؑ
واحسرتا کہ مر گئے عباسؑ صف شکن
دیکھیں پسر یہ نرغہ فوجِ کثیر کو
لاؤں کہاں سے آج جنابِ امیرؑ کو

۴۷
آئی قریب سے یہ صدا اے شہِ نجف
تجھ سا پسر دیا مجھے حق نے زہے شرف
مصروف ہے ثنا میں تری قدسیوں کی صف
لاکھوں ہیں گو ادھر یہ صدا ہے تری طرف
دیں ہے بلند کفر کی بنیاد پست ہے
ہر طرح تیری فتح ہے ان کی شکست ہے

۴۸
پیاسا جو تین روز رہا تو کنارِ جو
دیں بچ گیا رہ گئی دنیا میں آبرو
مقبولِ کردگار ہے نورِ خدا ہے تو
ناجی ہیں تیرے دوست تو ناری ترے عدو
جائیں گے یہ کہاں جو ہیں تجھ سے پھرے ہوئے
ہیں سب کے سب خدا کے غضب میں گھرے ہوئے

۴۹
ایوبؑ تیرے صبر کے ہیں آج مدح خواں
لب پر خلیل کے ہے ترے حلم کا بیاں
یعقوبؑ و نوحؑ و آدمؑ و یحییٰؑ ہیں ایک زباں
ہے کل کا فخر دلبرِ پیغمبرِ زماں
عیسیٰؑ پکارتے ہیں کہ حق کا ظہور ہے
موسیٰؑ کا ہے یہ قول کہ خالق کا نور ہے

۵۰
عباسؑ جب سے قتل ہوا ہے فرات پر
حاضر ہے کربلا میں اسی وقت سے پدر
نانا ہیں بھائی حسنؑ ہیں برہنہ سر
ماں بیقرار پھرتی ہے تھامے ہوئے جگر
تجھ پر نثار ہونے کی کس کو ہوس نہیں
تقدیر سے کسی کا مری جان بس نہیں

۵۱
کی عرض شاہِ دیں نے پدر سے باانکسار
مولا میں اس عنایت و اشفاق کے نثار
یہ پرورش یہ غور زہے عز و افتخار
کیا سرفراز ہو گیا اس دم یہ خاکسار
بیٹے پہ چاہیئے یوں ہی اشفاق باپ کے
جان آ گئی غلام میں آنے سے آپ کے

۵۲
بندہ تو قابل اس کے نہیں یا شہِ زماں
جو ہوں مقربانِ خدا سب ہے مدح خواں
کیا میں اسیر اور مری ہمت کا کیا بیاں
اک بندۂ حقیر و گنہگار و ناتواں
لب پر جو وہ بزرگ مرا ذکر لائے ہیں
یہ سب شرف حضور کے صدقے میں پائے ہیں

۵۳
اب کچھ نہیں ہراس اگر لاکھ ہوں ستم
ہاں ایک ہے تباہی زینبؑ کا مجھکو غم
جب ذبح ہو حسینؑ تہِ خنجرِ دودم
اس کی ردا بچائے گا کون اے شہِ امم
سب گھر لٹے گروہ اسیرِ بلا نہ ہو
میں بے کفن رہوں یہ بہن بے ردا نہ ہو

۵۴
فرما کے یہ فرس سے اشارہ کیا کہ ہاں
کوندا مثالِ برق تگ سبک عناں
وہ غیظ وہ رجز وہ جلال و شکوہ و شاں
تھی دبدبوں وہ سیف زبانی کہ الاماں
دونوں زبانیں تیغ کی بھی شعلہ ریز تھیں
بیتیں رجز کی تیغ دو دم سے بھی تیز تھیں

٥٥

نعرہ یہ تھا کہ دلبر مشکل کشا ہوں میں
جوہر کشائے تیغ شہ لافتا ہوں میں
شمس الضحیٰ علی ہیں تو بدر الدجیٰ ہوں میں
قرآں گواہ ہے کہ زبانِ خدا ہوں میں
کس آیۂ کریم میں ذکرِ علی نہیں
قرآں میں کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہیں

٥٦

دیکھو ہیں اس کلام میں ادھر ہم ہیں وہ کلام
جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
ہادی جب نیر گر ہے وہ ہادی تو ہم امام
امت کو فرضِ عین ہے دونوں کا احترام
جو منحرف ہو اور وہ مطیعِ خدا نہیں
قرآن و اہلبیت ازل سے جدا نہیں

٥٧

کچھ یاد ہے وصیتِ محبوبِ ذوالجلال
فرما گئے تھے خلق سے کیا وقتِ انتقال
بھولی کلامِ حق کو بھی اے قومِ بد خصال
ہم اہلبیت ہیں سو ہمارا کیا یہ حال
کیوں منہ پھرا لیا ہے حدیث و کتاب سے
محشر میں کیا کہو گے رسالت مآب سے

٥٨

تم یہ نہ جانیو کہ مجھے کچھ ہے خوفِ جاں
لازم ہے یہ سخن کہ میں ہوں ہادیِ جہاں
قبضے میں ہے حسین کے تیغِ شرر فشاں
دشمن کو جس کی ضرب سے ملتی نہیں اماں
لاکھوں سے منہ پھیرے نہ کبھی وہ دلیر ہیں
میں بیشۂ شجاعت و ہمت کا شیر ہوں

٥٩

بخشا ہے مجھ کو حق نے شہ لافتا کا زور
اس دستِ مرتعش میں ہے دستِ خدا کا زور
ہے انگلیوں کے بند میں خیبر کشا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
الٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

٦٠

آگے بڑھوں جو تیر کو چلّے میں جوڑ کے
بھاگیں خطا شعار کمانوں کو چھوڑ کے
بیکار کر دوں شیر کا پنجہ مروڑ کے
پٹکوں زمیں پر در خیبر کو توڑ کے
الٹوں طبق زمین کے یوں جھک کے زین سے
جس طرح جھاڑ دیتے ہیں گرد آستین سے

٦١

اعلیٰ ہے عرش سے بھی مری ہمتِ بلند
بجلی ابھی گرے جو بڑھوں چھیڑ کر سمند
رستم ہے ذوالفقار کی دہشت سے دردمند
کھلتا نہیں ہے دلو سے نیزے کا میرے بند
یہ جس شقی کے سینے سے گزرا وہ فوت ہے
اس کی سنانِ تیز سرِ انگشتِ موت ہے

٦٢

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
آئے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کروں
بے جبرئیل کارِ قضا و قدر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

٦٣

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زمین پر
جب ہاتھ اٹھایا برق گری ہے زمین پر
خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر
جس وقت ضربِ تیغِ خدا یاد آتی ہے
ماہی کمیت گاؤ زمیں تھرتھراتی ہے

۶۴

میں شیر ہوں چھ لاکھ اگر ہو تو کیا ہو تم
واللہ میرے سامنے بے دست و پا ہو تم
اٹھا جو میرا ہاتھ تو دم میں فنا ہو تم
پر کیا کروں کہ امت خیر الوریٰ ہو تم
لو واسطہ رسولِ خدا کا پناہ دو
اب بھی کسی طرف تمھیں جانے کی راہ دو

۶۵

پر کیسے چپ ہوئے جو امام فلک سریر
کھولے ہوئے نشانوں کو آگے بڑھے شریر
اس فوج قاہرہ سے اٹھا شور دار و گیر
فرزندِ فاطمہؑ پہ چلے دس ہزار تیر
دہشت سے عافیت نے منھ اپنا چھپا لیا
کالی گھٹا نے ڈھالوں کی جنگل کو چھا لیا

۶۶

وہ شور کوس جبر کا وہ بوق کا غریو
تیر دراز صورتِ خنجر زبان ریو
شرمندہ برچھیوں کی چمک سے سنان گیو
وہ صورتیں کہ دیکھ کے ڈر جائے جن کو دیو
سب فوج یوں بڑھی تھی دغا کو امام سے
آندھی سیاہ آئی ہو جس دھوم دھام سے

۶۷

برسے ادھر سے تیر تو کوندی ادھر سے برق
چمکی وہ یوں کہ گر گئی سب کی نظر سے برق
وہ برق چھپتی پھرتی تھی خود جس کے ڈر سے برق
روکیں سکے رکی ہو کسی کی سپر سے برق
جل تھل بھرے لہو سے نہ دیر اک گھڑی لگی
کیا ابر تیغ تھا کہ سروں کی جھڑی لگی

۶۸

معجز نما تھی شاہ کی شمشیر آبدار
یاں برق واں ہوا تو ادھر ابر دو بار
دکھلائی ماہِ صیف میں برسات کی بہار
بہتا کہیں لہو کہیں خوں کا آبشار
یوں سر برس گئے یہ روانی تھی باڑھ میں
پڑتا ہے ڈونگڑا کبھی جیسے اساڑھ میں

۶۹

بہتے تھے تنوں میں چار طرف سر کٹے ہوئے
جو گھاٹ پہ تھے زور تھے ان کے گھٹے ہوئے
بڑھتے تھے جو بہت وہ گھٹے تھے ہٹے ہوئے
تھے جا بجا سے ڈھالوں کے بادل پھٹے ہوئے
لڑنے میں اوج تیغ کا دو چند ہو گیا
نکلی کمان تیروں کا منھ بند ہو گیا

۷۰

بازو ہر اک کمان کا کمزور ہو گیا
ڈھالوں کا ابر خوں میں شرابور ہو گیا
تیروں کے منھ برسنے سے اک شور ہو گیا
جو تھا کنارِ نہر لبِ گور ہو گیا
مشق تناوری بھی قیامت بڑھی ہوئی
اتری وہ تیغ خون کی ندی چڑھی ہوئی

۷۱

کیا کیا چمک دکھائی تھی سر کاٹ کاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
منتی تھی کیا تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے کہ تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

۷۲

سر ہر بشر میں اڑا کے کلائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
کوندی گری زمیں میں سمائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
چار آئینے کے پار بھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

۷۳

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
قبضے سے تیغ بس سے زرہ ہاتھ سے سپر
پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
برچھی سے پھل کماں سے زرہ تن سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشان زری کہیں
پیکاں کہیں تھے شست کہیں تھی سری کہیں

۷۴

مقتل میں ہوش فوج عمر کے اڑا دیے
پرزے سپروں کے جگر کے اڑا دیے
ٹکڑے ہر ایک کے تن و سر کے اڑا دیے
پرکالے ایک دم میں سپر کے اڑا دیے
جب ڈھال پر چمک کے در آئی تھی خود میں
سر کٹ کے آن پڑتا تھا سرکش کی گود میں

۷۵

وقت وغا عصا تھی کبھی اژدہا کبھی
بجلی کبھی تھی ابر کبھی اور ہوا کبھی
تلوار بن گئی وہ کبھی اور قضا کبھی
بنتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
پھرتے تھے جب حسینؑ پیادوں کو رول کر
کھا لیتی تھی سروں کو دہن کھول کھول کر

۷۶

اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی
کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
لب صورت شگاف قلم بند کر دیے
فقروں کے ذوالفقار نے دم بند کر دیے

۷۷

پہونچی سم فرس پہ جو بالائے سر گری
ناری جلے ادھر وہ جدھر کوند کر گری
چمکی ادھر زمیں سے نکل کر ادھر گری
جس صف سے تک چلی یہ وہ صف خاک پر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سوار پہ
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

۷۸

دم میں گئی فلک پہ اور آئی ہزار بار
دکھلا گئی صفوں کو صفائی ہزار بار
معراج دست شاہ میں پائی ہزار بار
گرمی پہ تھی کہ خوں میں نہائی ہزار بار
جب تک چلی وہ نذر سپاہ عدو رہی
اس دن کے معرکے میں وہی سرخرو رہی

۷۹

غل تھا خط سیاہ نہ سمجھو یہ ناگ ہے
جلتا ہے دشت چار طرف بھاگ بھاگ ہے
جو دشمن ملے ہیں اسے ان سے لاگ ہے
جانیں بچاؤ تیغ کے پانی میں آگ ہے
پھونکے نہ یہ دم اس سے ہمارے نکلتے ہیں
اژدر کی طرح منہ سے شرارے نکلتے ہیں

۸۰

ہل چل تھا وہ ان صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز
صدقے تھی گندھی ایال پہ گیسوئے مشک بیز
تھا ترک تازیں کہیں صرصر سے تند و تیز
گرداوری میں ابر تو بجلی دم ستیز
قدسے قدم کے فیض سے سارے چمک گئے
جب ٹاپیاں اٹھیں تو ستارے چمک گئے

۸۱

جرأت میں رشک شیر تو ہیکل میں پیل تن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن
پویہ کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

۸۲
آنکھیں وہ جن کو دیکھ کے حیراں ہو غزال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال
گردن وہ جس کی خم سے ہو سرنگوں ہلال
دل اس کے دست و پائے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اس جلوس میں
آئینہ جس طرح سے ہو دستِ عروس میں

۸۳
کیوں اعتقاد میں حکما کے نہ آئے فرق
راکب اگر اس کو غرب سے دوڑائے سوئے شرق
اشراقی اس سے بحر تفکر میں سب ہیں غرق
اور آسماں سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو
یاں کرب سے غرب میں فرس تیز گام ہو

۸۴
دیکھی نہیں کسی نے یہ تیزی شتاب میں
سرعت کا اس کی وصف لکھیں گر کتاب میں
ہو جس کے زین صاف پہ مخمل بھی خواب میں
سطریں رہیں بصورت موج اضطراب میں
اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر

۸۵
رو میں سوار ہاتھ سے نیچے اگر گرائے
وہ تازیانہ یاں نہ زمیں تک پہنچنے پائے
اور یہ فرس جنوب سے سوئے شمال جائے
اس حد سے ایک دم میں یہ حد دیکھ کر پھر آئے
تنگی سے آسماں کی خفا یہ سمند ہے
کیونکر اڑے پری ہے کہ شیشے میں بند ہے

۸۶
کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو
کاوے میں شکل گنبد دوار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے برستے آب تو نعل بھی تر نہ ہو
آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

۸۷
طاؤس سا جدھر گیا دم کو چنور کئے
سینے کبھی بدن کبھی پامال سر کئے
دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر کیے
کشتوں کو روند روند کے سم خون میں تر کیے
میداں میں تھا کسی کو نہ یارا ستیز کا
عالم ہر ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا

۸۸
زیبا ہے گر کہیں شعرا باد پا اسے
طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اسے
آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اسے
مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اسے
فتراک گر ہوا سے کبھی اک ذری اڑی
یوں اڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری اڑی

۸۹
مصروف جنگ تیغ سے تھے سرور حجاز
نامرد نے کیا جو ہیں دست ستم دراز
چمکا کے اسپ واں سے بڑھا ایک نیزہ باز
نیزہ اٹھا کے کہنے لگے شاہ سرفراز
ہاں لے اجل گرفتہ کر استوار کر
نیزے کا ہے غرور تو آ کوئی وار کر

۹۰
کس طنطنے سے شاہ پہ آیا وہ ناپسند
نیزے سے اس کے آپ کو پہنچی نہ کچھ گزند
بجلی کی طرح سے پھرنے لگا ہر طرف سمند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تھا گو کہ نیزہ بازی پہ ظالم تلا ہوا
یاں تھا سب اس کے عزم کا عقدہ کھلا ہوا

نیزے کی اس لعیں سے لڑائی جو آ پڑی انیوں سے اڑ رہے تھے فرس دے گھڑی گھڑی اک معرکہ تھا بیچ میں دشت قتال کے	۹۱	دونوں طرف سے جنگ میں کوشش ہوئی بڑی تھی چوب سے تو چوب سناں سے سناں لڑی دو مار گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے
پیہم ہوئیں نکال پہ نکالیں جو یک دگر کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر ظالم پہ آسماں سے بلا ناگہاں گری	۹۲	ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی ادھر فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر دو تین نیزے اڑ کے زمیں پر سناں گری
تھرا گیا بدن نہ رہی طاقت فرار بچ کر نکل چلا تھا کہ چمکا کے راہوار موذی تھا وہ لعیں پہ ادائی فتنہ کوب تھی	۹۳	گھوڑے کی باگ پھیر کے بھاگا وہ نابکار نیزے کا اک کمر پہ کیا شاہ دیں نے وار سر میں سناں تھی پشت کے مہروں میں چوب تھی
قربان زور بازوے سلطان ارجمند پہونچا سقر میں دار جہاں سے وہ خود پسند اپنے ہنر پہ ناز تھا اس نیزہ باز کو	۹۴	زیں سے اٹھا کے اس کو سناں پر کیا بلند ٹیکا زمیں پہ جب تو ہوا چور بند بند دکھلا دیا جہاں کے نشیب و فراز کو
کام اس خطا شعار کا جب ہو گیا اخیر بدکیش دیو نہاد و خطا پیشہ و شریر کیا کوئی اس کے آگے بھلا سر اٹھا سکے	۹۵	نکلا پرے سے اک قدر انداز بے نظیر سینے سے توڑ جاتا تھا جوشن کو جس کا تیر رستم بھی جس کماں کی نہ سیسرا اٹھا سکے
قبضے میں تیغ لے کے پکارے شہ زماں ہاں نکلی منہ سے بات کہ کھینچی اس طرف کماں حلقہ ادھر کمان کا خم ہو کے رہ گیا	۹۶	ہاں ناوک افگنی تجھے دکھلا تو اے جواں کھینچا کماں کا تھا کہ چلا تیر بے اماں یاں تیغ شہ سے تیر قلم ہو کے رہ گیا
خالی اسی کے دوش سے ہوا ترکش شریر چاہا تھا کش مکش میں کہ ہو جائے گوشہ گیر پیچھے ہٹے نہ پاؤں مزا ہے یہ جنگ کا	۹۷	تودے لگائے کاٹ کے حضرت نے صد تیر چلائے شہ کہ بھاگ نہ او سرکشوں کے پیر تو بھی تو توڑ دیکھ لے پیچ خدنگ کا
ہاں دوش سے کماں کو اتارا جناب نے بیٹے کے ہاتھ چوم لیے بوتراب نے ترکش بھی اژدہا سا دہن کھولنے لگا	۹۸	قبضے میں ماہ نو کو لیا آفتاب نے تاکا خطا کو تیر نگہ سے صواب نے نکلا عقاب تیر تو پر تولنے لگا
چلے میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ امم کھنچ کے گوش شہ میں چلا تیر تیز دم چلہ تو شصت شاہ زمن سے نکل گیا	۹۹	ایک ہاتھ راست کر کے کیا دوسرے کو خم آواز دی کماں نے رہے شاہ باکرم واں تیر دل کو توڑ کے سینے سے نکل گیا

۱۰۰

گرز و سنان و تیغ و تبر کانپنے لگے
نیزے مثال شاخ شجر کانپنے لگے
ڈر سے کماں کشوں کے جگر کانپنے لگے
جو ترکشوں میں تیر تھے پر کانپنے لگے
کھینچے ہوئے کھڑے تھے جو ظالم بڑھے ہوئے
گوشوں سے خود اتر گئے چلے چڑھے ہوئے

۱۰۱

اللہ ری زد و کد، تھا ہنگام دار و گیر
سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
کرتے تھے واہ واہ صفوں میں جوان و پیر
بازو کو چومتے تھے رسولؐ فلک سریر
روح علیؑ یہ کہتی تھی پاس آن آن کے
صدقے ہر ایک تیر کے قرباں کمان کے

۱۰۲

شہ کے غضب سے چاہتی تھی ہر کماں اماں
مضطر زمیں تھی مانگتا تھا آسماں اماں
دیتے نہ تھے کسی کو امام زماں اماں
ہر صف میں تھا یہ شور کہ مولا اماں اماں
جب شاہ حملہ کرتے تھے شیر خدا کی طرح
دانتوں میں خس پکڑتے تھے سب گدا کی طرح

۱۰۳

کہتا تھا ہاتھ جوڑ کے یوں کوئی پر غرور
اس وقت رحم اپنے غلاموں پہ ہے ضرور
موقوف کر جلال کو اے کبریا کے نور
صدقہ علیؑ کی روح کا اب بخشیے قصور
آنکھیں ہم اپنی دور سے قدموں پہ ملتے ہیں
تلوار روکیے کہ بس اب دم نکلتے ہیں

۱۰۴

اے نور چشم احمدؐ مختار رحم کر!
اے یادگار حیدرؑ کرار رحم کر!
اے امت نبی کے مددگار رحم کر!
اے بحر غیظ حضرت قہار رحم کر!
اے فوج عصر ہم سے نہ تو انتقام لے
امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے

۱۰۵

اے افتخار حضرت آدمؑ پناہ دے
اے زیب بخش عرش معظم پناہ دے
اے فخر نوحؑ و عیسیٰؑ مریمؑ پناہ دے
اے باعث پناہ دو عالم پناہ دے
مولا تجھے قسم ہے رسولؐ کبیر کی
چمکا نہ ذوالفقار جناب امیرؑ کی

۱۰۶

اس غیظ میں سنا جو بزرگوں کا شہ نے نام
صدمہ ہوا یہ دل کو کہ رونے لگے امام
گردن پھرا کے یاس سے دیکھا سوئے خیام
تھاما جگر کو ہاتھوں سے اور چھوڑ دی لگام
آنکھوں کو بند کر کے فرس ہانپنے لگا
روکی جو ذوالفقار بدن کانپنے لگا

۱۰۷

لڑنے میں تھا نہ آپ کو کچھ پیاس کا خیال
رکھ دی جو تیغ ہاتھ سے جی ہو گیا نڈھال
آئی صدا اے حضرت محبوب ذوالجلال
تم صابروں کا فخر ہے اے فاطمہؑ کے لال
سمجھا تھا میں کہ اب مری امت تمام ہے
یہ صبر اختیار یہ تیرا ہی کام ہے

۱۰۸

صبر و رضا و حلم کا رتبہ دکھا دیا
دم میں ہزار طرح کا جلوہ دکھا دیا
نانا کا خلق زور پدر کا دکھا دیا
خالق کے رحم و قہر کا نقشہ دکھا دیا
باطل شقاوت و حسد و کینہ ہو گیا
ویسی جلا ہوئی کہ حق آئینہ ہو گیا

۱۰۹

شبیرؑ واہ کیوں نہ ہو کس کا پسر ہے تو
کھولا ہے جس کو حق نے وہ رحمت کا در ہے تو
حقا کہ آسمان شرف کا قمر ہے تو
میرا اصل جس شجر کی ہوں اس کا ثمر ہے تو
امت کے ظلم سہتے ہو نانا سے چھوٹ کر
کیا ان کو پھل ملے گا مرا باغ لوٹ کر

۱۱۰

کیسی ہوا جہان کی بے اعتدال ہے
سایے سے جس نہال کے طوبیٰ نہال ہے
سرسبز سب ہیں باغ مرا پائمال ہے
مرجھا گیا ہے دھوپ سے اس کا یہ حال ہے
میں جن کی فکر میں کبھی سویا نہ چین سے
پانی نہیں عزیز ہے میرے حسینؑ سے

۱۱۱

فاقوں میں جن کے واسطے باندھا شکم پہ سنگ
کیونکر نہ ہو یہ غنچہ دہن زیست سے بہ تنگ
ان دشمنوں نے لال کا میرے کیا یہ رنگ
اک فاقہ کش نحیف سے یہ صف کشی یہ جنگ
بچپن سے میں نثار ہوں اس نور عین کے
میرا گلا بھی ساتھ کٹے گا حسینؑ کے

۱۱۲

رو کر کہا حسینؑ نے یا سید عرب!
فریاد ہے کہ مجھ کو ستایا ہے بے سبب
لڑتا کبھی نہ ان سے یہ مظلوم و تشنہ لب
[illegible] لیتے چلیے مجھے ساتھ اپنے اب
دشمن ہوا ہے سارا زمانہ غلام کا
امت میں اب نہیں ہے ٹھکانا غلام کا

۱۱۳

جس دن سے آپ اٹھ گئے پایا نہ میں نے چین
پیری میں چھٹ گیا علی اکبرؑ سا نور عین
سب گھر تباہ ہو گیا یا شاہ مشرقین
کب تک جہاں میں ٹھوکریں کھایا کرے حسینؑ
پھیلا کے پاؤں خاک پہ سونا نصیب ہو
راحت ملے جو قبر کا کونا نصیب ہو

۱۱۴

یہ کہتے تھے کہ فوج ستم گر پہ سر آ گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن بلبلا گئی
خیر النسا کے چاند پہ بدلی سی چھا گئی
فریاد فاطمہؑ کی فلک تک صدا گئی
یاں گھر نبیؐ کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے واں تن شہ دیںؑ چور ہو گیا

۱۱۵

یاں اک تن ضعیف ادھر لاکھ نابکار
سینہ شکستہ پسلیاں مجروح سر فگار
تیغوں کے زخم نیزوں کے پھل برچھیوں کے داغ
کیا درد کا حساب جراحت کا کیا شمار
یوں تو دل و جگر کے بھی جانکاہ زخم تھے
تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے

۱۱۶

حربے ہزارہا کسے روکے کسے بچائے
دکھ میں اسیر ہو کون حمایت کو کون آئے
بے یار و آشنا تھے ڈھونڈھے کسے بلائے
کیا وقت ہے نبی کے نواسے پہ ہائے ہائے
بھکلے ہیں زمیں پہ منہ سے لہو ڈال ڈال کے
گھوڑے سے غش میں کون اتارے سنبھال کے

۱۱۷

گھوڑے سے گاہ غش میں ادھر گاہ ادھر جھکے
سیدھے کبھی ہوئے کبھی پکڑ کے جگر جھکے
تیغیں چلیں جدھر کو نہ بحر و بر جھکے
تنہا کبھی دیاں کبھی زین پر جھکے
صدمہ جو تھا بہن کے بلکنے کا شاہ کو
گردن پھرا کے دیکھتے تھے خیمہ گاہ کو

بند	مصرعے
۱۱۸	ہنگام عصر تھا کہ شہِ نیک خو گرے کیا سنبھلے جس کے زخموں سے سیروں لہو گرے زخموں سے اڑ کے قطرۂ خوں چار سو گرے سجدے کا اشتیاق جو تھا قبلہ رو گرے آنکھیں تھیں بند جلوۂ حق تھا نگاہ میں گرتے ہی محو ہو گئے یادِ الٰہ میں
۱۱۹	اعدا میں غل ہوا کہ ہماری ظفر ہوئی زینبؑ ردا کو پھینک کے عریاں سر ہوئی گھوڑے سے جو حسینؑ گرے جنگ سر ہوئی چلائی یوں سکینہؑ کہ بس بے پدر ہوئی ہے ہے کوئی نہیں شہِ والا کی لاش پر اماں بس اب چلو مرے بابا کی لاش پر
۱۲۰	سن کر یہ شور کے لوٹتی تھی کوئی سوگوار چلاتی تھی کوئی مرے سید ترے نثار ہے ہے کا شور تھا کہ قیامت تھی آشکار ڈیوڑھی پہ آکے گر پڑے سجادؑ دل فگار غل تھا فلک نے دفترِ دنیا الٹ دیا فضہ نے خیمہ گاہ کا پردا الٹ دیا
۱۲۱	دیکھا یہ ذوالجناح کا سیدانیوں نے حال گردن پہ اس طرح سے ہیں بکھری ہوئی ایال خالی ہے زین اور ہے ماتھا لہو سے لال جس طرح کھولتی ہے زنِ سوگوار بال روتا ہے یوں وہ غم میں شہِ نامدار کے جیسے پسر کو روتی ہے ماں ڈاڑھیں مار کے
۱۲۲	دنیا نظر میں بیبیوں کے ہو گئی سیاہ عابدؑ پکارے ہائے غضب گھر ہوا تباہ سمجھے یہ سب کہ قتل ہوا فاطمہؑ کا ماہ چلائی بنتِ فاطمہؑ اے ذوالجناح شاہ! قبلہ سوار دوشِ پیمبرؐ کو کیا کیا ہے ہے مرے غریب برادر کو کیا کیا
۱۲۳	زیں سے ترے رسولؐ کا پیارا کہاں گرا وہ عرشِ کبریا کا ستارا کہاں گرا دو دن کی بھوک پیاس کا مارا کہاں گرا آقا ترا امام ہمارا کہاں گرا سایہ ہی کچھ کر لاش ہے جلتی زمین پر چھینٹے یہ کس کے خون کے ہیں تیری زین پر
۱۲۴	سر خاک پر ٹیک کے پکارا وہ راہوار جلدی اتار لو یہ تبرک یہ ذوالفقار سیدانیو بچھڑ گیا مجھ سے مرا سوار کٹتا ہے واں گلوئے شہنشاہ نامدار زہراؑ قریب لاشِ پسر خاک اڑاتی ہیں چھپ رہیں جاؤ لوٹنے کو فوج آتی ہے
۱۲۵	راوی رقم یہ کرتا ہے احوالِ رزم گاہ خنجر ادھر تو شمر نے رکھا گلے پہ آہ دن ہو گیا تین چار گھڑی وقتِ قتلِ شاہ آندھی اٹھی کہ سارا جہاں ہو گیا سیاہ زانو دھرا جو سینے پہ ایذا سوا ہوئی غل تھا کہ لو قیامتِ کبریٰ بپا ہوئی
۱۲۶	تھا غش میں قبلہ رو وہ دو عالم کا مقتدا گردن پہ تیغ اور لبوں پر یہ تھی دعا سجدہ بھی اس دنی کو نہ کرنے دیا ذرا واجعفرا واجدا ابتاہ وا محمدا صدقے ہوئے رگوں پہ جو خنجر کی دھار کے چپ ہو گئے نبیؐ و علیؑ کو پکار کے

۱۲۷

اس حشر میں خیام کی جانب جو کی نظر　　دیکھا وہ سانحہ کہ نہ دیکھے کوئی بشر
نکلی حرم سے ایک ضعیفہ برہنہ سر　　چہرہ تو آفتاب سا اور کان میں گہر
چادر نہ اضطراب میں تھی جسم پاک پر　　تھا اک سرا تو دوش پہ اور ایک خاک پر

۱۲۸

چلاتی تھی ارے کوئی رستہ مجھے بتائے　　کچھ سوجھتا نہیں یہ ضعیفہ کدھر کو جائے
اکبرؑ کہاں ہے ہاتھ مرا تھامنے کو آئے　　بھائی سے چھوٹتی ہے بہن ہائے ہائے ہائے
مہماں کیا تھا بادشہ مشرقین کو　　اے کربلا! تجھی سے میں سونپی حسینؑ کو

۱۲۹

اے نہر پیاس سے مرا بھائی ہے بیقرار　　اے دشت گرد میں نہ بھرے شہ کا جسم زار
اے نینوا! حسینؑ کے لاشے سے ہوشیار　　اے خاک پاک حرمت مہمان نگاہدار
اے طائرو نہ دھوپ ہو بھائی کی لاش پر　　سایہ کرو پروں کا تن پاش پاش پر

۱۳۰

طے کر چکی تھی نصف مسافت وہ سوگوار　　آئی صدائے حضرت خاتونِ روزگار
بیٹی ملے گا اب نہ محمدؐ کا یادگار　　پھر جا خدا کے واسطے پھر جا ترے نثار
تن سے جدا سر پسر فاطمہؑ ہوا　　اب آ کے کیا کرے گی یہاں خاتمہ ہوا

۱۳۱

گھبرا کے اس نے جانب مقتل جو کی نظر　　دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری یہ پیٹ کر　　میں لٹ گئی پھوپھی! مرے بابا کا ہے یہ سر
زلفیں لہو بھری ہوئی رخ پر لٹکتی ہیں　　اب ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

۱۳۲

خاموش اے انیسؔ جگر ہو گیا دو نیم　　کام آئے گی یہ مدح بروز امید و بیم
عشرت کا غم نہ کھا کہ ہے آقا ترا کریم　　اب جلد یاں سے روضۂ سرورؑ پہ ہو مقیم
حاصل حضوری شہ گردوں اساس ہو　　ہے وہ غلام خاص جو آقا کے پاس ہو

سلام

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں　　وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
نبیؐ کا عز و شرف بوترابؑ سمجھے ہیں　　علیؑ کی قدر رسالت مآب سمجھے ہیں
کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا　　ہر ایک ذرے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں
کریم مجھکو عطا کر وہ فقر دنیا میں　　کہ جس کو فخر رسالت مآب سمجھے ہیں
کہاں یہ مشک ختن اور کہاں حسینؑ کی زلف　　یہ مو شگاف خطا کو صواب سمجھے ہیں
بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نان خشک کو وہ　　اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

ابوترابؑ کے در کا ہے ذرّہ بے قدر — ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیائے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے جسے سب موج آب سمجھے ہیں
عجب نہیں ہے جو شیشوں میں رکھ کے لیجائیں — ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھے ہیں

قطعہ

زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا — اسی کو اہل جہاں انقلاب سمجھے ہیں
یہ اشک تاک ہے کہتے ہیں جس کو آب طرب — یہ خون گل ہے جسے سب گلاب سمجھے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت رہی ہے پیروں کو — سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
علیؑ کے رتبۂ اعلیٰ کو کوئی کیا جانے — خدا کے بعد رسالت مآب سمجھے ہیں
جھکائیں سر کو نہ کیونکر عراق کے فصحا — سوال شاہ کو سب لاجواب سمجھے ہیں

قطعہ

صدا یہ دھوپ میں آتی تھی شہ کے لاشے سے — کہ سہل ہم تپش آفتاب سمجھے ہیں
خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے — زمین گرم کو وہ فرش خواب سمجھے ہیں
حسینؑ پیاس میں منہ کھولتے ہیں ذبح کے وقت — چمک کو خنجر قاتل کی آب سمجھے ہیں
انیسؔ مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو — اسی زمین کو ہم فرش خواب سمجھے ہیں

رباعی

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا — آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں سنے قاسمؑ نے — دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رباعی

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے — سینے کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک — رونے کا مزا ماہ محرم میں ہے

رباعی

قاسمؑ کو عدو نے جب خوں میں لال کیا — شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر — گھوڑوں کے سموں سے اس کو پامال کیا

مرثیہ

جب باغ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں | کھیتی تھی جو زہراؑ کی وہ مرجھا گئی رن میں
پھولوں کو اجل خاک پہ بکھرا گئی رن میں | غم کی دل زہراؑ پہ گھٹا چھا گئی رن میں
پانی نہ ملا تھا جو کسی غنچہ دہن کو | کس یاس سے تکتے تھے حسینؑ اپنے چمن کو

۲

جس باغ پہ تھا سایۂ ابر کرم رب | تھی دھوپ کی گرمی کہ بھلا تاب اسے کب
پانی جو نہ پایا کئی دن اور کئی شب | مرجھا گئے برگ و ثمر و غنچہ و گل سب
لوٹا گیا گلشن چمن آرائے جہاں کا | تھی فصل بہاری کہ ہوا دخل خزاں کا

۳

پانی سے درختوں کے بھرے رہتے ہیں تھالے | رکھتے ہیں ترو تازہ انھیں سینچنے والے
پھولی ہوئی ڈالی پہ کوئی ہاتھ تو ڈالے | یاں سب گل زہراؑ تھے زبانوں کو نکالے
قطرے انھیں شبنم کے میسر نہ ہوئے تھے | دو روز تلک خشک گلے تر نہ ہوئے تھے

۴

جو نخل کہ ہو گلشن ہستی میں ثمردار | کرتے ہیں ریاض اس پہ سدا صاحب گلزار
پتّا کوئی توڑے یہ گوارا نہیں زنہار | ان پھولوں پہ تلواروں کے چل گئے ہیں ہربار
یہ غم ہے جو غنچوں کے گریبان پھٹے ہیں | نخل چمن فاطمہؑ تیغوں سے کٹے ہیں

۵

کیوں بلبل نالاں نہ کرے مرثیہ خوانی | مرجھا گیا قاسمؑ سا گل باغ جوانی
اور دیدۂ نرگس کو بجا ہے نگرانی | حسرت ہے کہ پایا گل زہراؑ نے نہ پانی
نہریں ہیں رواں خلق میں چشمے بھی بھرے ہیں | حیدرؑ کا چمن خشک ہوا کھیت ہرے ہیں

۶

آجاتا ہے جب ذکر علیؑ اکبر گل رو | شبنم کے رخ گل پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
ہوتا ہے اگر تذکرۂ قامت دلجو | شمشاد سے قمری کی صدا آتی ہے کوکو
کہتی ہے یہ بلبل کسے دیکھے گی کہاں ہے | وہ سرو رواں خاک کے پردے میں نہاں ہے

۷

وہ باغ تو سب تین پہر میں ہوا پامال | اب سرو گلستان محمدؐ کا سنو حال
دشمن تو ہیں نو لاکھ اور اک فاطمہؑ کا لال | سر تیغوں سے زخمی ہے بدن تیروں سے غربال
پہونچا نہیں دو روز سے پانی جو دہاں میں | ہیں پیاس سے کانٹے گل زہراؑ کی زباں میں

۸

عمامۂ محبوب خدا خون میں تر ہے | مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے گلا خون میں تر ہے | ساری تن اطہر کی قبا خون میں تر ہے
گرمی کی بھڑک تھی کہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ | رہوار کی گردن پہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ

۹

ہجر علیؑ اکبر سے بصارت ہے بہت کم | غم ہے کہ برابر کا پسر ہو گیا بے دم
دل ٹکڑے کئے دیتا ہے داماد کا ماتم | بار غم عباسؑ سے ہے پشت و کمر خم
کرتے ہیں نظر یاس سے ششماہے پسر پر | اک زخم تو بازو پہ ہے اک زخم جگر پر

۱۰
قبضے میں ہے مولا کے یداللہ کی شمشیر
ہر زخم پہ ہے شکر ہر اک تیر پہ تکبیر
ہر صبر کے جوہر انھیں دکھلاتے ہیں شبیرؑ
فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالک تقدیر
کھانے کی نہ پانی کی نہ راحت کی طلب ہے
یا رب مجھے امت کی شفاعت کی طلب ہے

۱۱
وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لوؤں کا وہ چلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا
وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
اور تن پہ حرارت سے وہ ہتھیاروں کا جلنا
جنگل کے چرندے بھی جھیلوں میں پڑے ہیں
اور دھوپ میں پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہیں

۱۲
گر خاک پہ گرتا ہے تو بھن جاتا ہے دانا
پیاسے ہیں حسینؑ اور ہے سیراب زمانا
کیا قہر ہے اس آگ میں پانی کا نہ پانا
یہ جان محمدؐ ہے لعینوں نے نہ جانا
کیا بیکس و مظلوم ذوی القدر ہوئے ہیں
امت میں محمدؐ کی عجب غدر ہوئے ہیں

۱۳
وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن ہوتے ہیں کالے
گرمی نے دو دو دام ہیں منہ آب میں ڈالے
اور ہانپتے ہیں شیر زبانوں کو نکالے
ریتی پہ دھریں پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
آہن کی بھی شے موم صفت نرم ہوئی ہے
پتھر ہیں چٹکتے یہ زمیں گرم ہوئی ہے

۱۴
پتوں میں طیور اپنے بدن کو ہیں چھپاتے
جنگل میں مسافر بھی نہیں چھاؤنی چھاتے
گلشن سے چرائی کو چرندے نہیں جاتے
اس دھوپ میں حضرت کہیں سایہ نہیں پاتے
نے دامن زہراؑ نہ محمدؐ کی عبا ہے
ہاں سر پہ فقط سایۂ الطاف خدا ہے

۱۵
چھڑکاؤ سے ہوتی ہے ادھر خشک زمیں تر
ہے چتر کا سایہ پسر سعد کے سر پر
مرتا ہے عطش سے پسر ساقی کوثر
اور دھوپ میں ہے زینت آغوش پیمبرؐ
نرغہ ہے لعینوں کا امام ازلی پر
تلواروں کی ہے چھاؤں حسینؑ ابن علیؑ پر

۱۶
کہتا ہے کمانداروں سے شمر ستم آرا
سو اب تو اکیلا ہے یداللہ کا پیارا
ہے فتح جگر گوشۂ زہراؑ کو جو مارا
ہاں تیروں سے بیکس کا بدن چھان دو سارا
اس وقت نشانے کو جو چوکے تو خطا کی
تاکے رہو سینے کو امام دوسرا کی

۱۷
تھے برچھیوں والوں سے اشارے یہی ہر بار
شبیرؑ پہ کاری کوئی پڑتی نہیں تلوار
ہاں پہلوئے شہ پر کسی پہلو سے کرو وار
کہتا تھا سواروں کو سنا کر وہ جفاکار
دست شہ دیں کاٹ کے شانوں سے گرا دو
سب مل کے اکیلے کو نشانوں سے گرا دو

۱۸
یہ سن کے ہوئے مستعد قتل وہ نامرد
ناگاہ بیاباں میں اٹھی دور سے اک گرد
بیدینوں کو وہ دل زہراؑ کا نہ تھا درد
جس گرد سے صحرائے پر آشوب ہوا زرد
خورشید نہ ہنگام تمازت نظر آیا
مینائے فلک شیشۂ ساعت نظر آیا

۱۹
آندھی غضب آئی کہ لرزنے لگا میداں
ڈر ڈر کے پہاڑوں میں چرندے ہوئے پنہاں
دریا سے اٹھا شور کہ طوفان ہے طوفاں
طائر بھی درختوں سے اڑے ششدر و حیراں
ملتی تھی کسی کو نہ جگہ امن و اماں کی
غل تھا کہ دہائی ہے سلیمانِ جہاں کی

۲۰
حضرت نے سنی گھوڑوں کی ٹاپوں کی جو آواز
سمجھے کہ یہ کچھ فوج کی آمد کا ہے انداز
تکنے لگے دریا کی طرف شاہ سرافراز
بیکس کی مدد کرنے کو آیا کوئی جانباز
اس وقت میں کس نے یہ کیا قصد کمک کا
جنات کی ہے فوج کہ لشکر ہے ملک کا

۲۱
مقتل کے قریب آکے پھٹی گرد جو اک بار
وہ ساز وہ گھوڑے وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
دیکھا شہ دیں نے کہ چلے آتے ہیں اسوار
کثرت ہے پر ایسی کہ شمار ان کا ہے دشوار
کچھ فوج زمیں پر ہے تو کچھ فوج ہوا پر
شک ہے کہ دریا کی ہر اک موج ہوا پر

۲۲
جب فوج سے وہ دشت ستم بھر گیا سارا
بس روک لو باگوں کو یہ سردار پکارا
تھا گھوڑوں کی کثرت سے نظر کا نہ گذارا
آگے نہ بڑھو اب یہی آقا ہے ہمارا
مقتل ہے یہی وہ شہ ذی جاہ کھڑے ہیں
ٹکڑے یہیں زہرا کے کلیجے کے پڑے ہیں

۲۳
سب تھم گئے میداں میں پرا باندھ کے اسوار
مجرے کو غلامی کی طرح خم ہوا اک بار
شبدیز فلک سیر سے اترا وہ نکوکار
آنکھوں سے لگائے قدمِ سیدِ ابرار
عاشق اسے سمجھے جو امام امم اپنا
مولا نے رکھا پشت پہ دستِ کرم اپنا

۲۴
یوں کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ ذی جاہ
حضرت نے کہا ضعفِ بصارت یہ ہے واللہ
میں کون ہوں پہچانا مجھے آپ نے یا شاہ
تجھ سے بھی ترے جد و پدر سے بھی ہوں آگاہ
جو دوست ہمارا ہے اسے جانتے ہیں ہم
تو زعفرِ جن ہے تجھے پہچانتے ہیں ہم

۲۵
آجاتا تھا جنات کا مذکور کبھی گر
ہوتا ہے وفادار وفادار کا دلبر
تعریف ترے باپ کی فرماتے تھے حیدر
فرزندِ علی سے تجھے الفت نہ ہو کیونکر
سب عقدوں کو کھولا ہے امام ازلی نے
دی ہے ترے آنے کی خبر مجھ کو علی نے

۲۶
ہے خوب مجھے یاد ترے باپ کا آنا
وہ دور زمانہ تھا یہ ہے دورِ زمانا
اور مسئلے کچھ پوچھ کے دربار سے جانا
ماں اٹھ گئیں دنیا سے سفر کر گئے نانا
اب بیکس و بے پر خلفِ شاہِ عرب ہے
تو پوچھنے آیا ہمیں اس کا بھی عجب ہے

۲۷
تھا کون جو مظلوم کی تسلیم کو آتا
برگشتہ ہے قسمت کسے حال اپنا سناتا
ہم سے تو کوئی آج نہیں آنکھ ملاتا
منظور مدد ہوتی تو خود تجھ کو بلاتا
انداز زمانے کی یہ گردش کے نئے ہیں
جو میرے شناسا تھے وہی بھول گئے ہیں

۲۸

سن کر یہ سخن کہنے لگا زعفرِ دیندار — ہے سخت خجالت مجھے یا سیّدِ ابرار
خاک اس مرے آنے پہ تب آیا یہ گنہگار — تلواروں سے جب کٹ گیا سب آپ کا گلزار
زندہ شہِ ذی جاہ کے پیاروں کو نہ دیکھا — مہتاب کو دیکھا پہ ستاروں کو نہ دیکھا

۲۹

تھا جشن بس شادی کے بس اے قبلۂ عالم — جو قاف میں ناگاہ یہ ہو بجلی یہ خبرِ غم
بس تخت سے اُٹھا ہی تھا وہ صحبت ہوئی برہم — پریوں کی جماعت میں بپا ہو گیا ماتم
ہے تیرہ و تاریک جہاں سب کی نظر میں — روتا ہوا ایک ایک کو چھوڑ آیا ہوں گھر میں

۳۰

لشکر لئے پہلے میں نجف کی طرف آیا — تھا ابرِ الم روضۂ پُرنور پہ چھایا
آتی تھی صدا قبر سے ہے ہے مرا جایا — فریاد کہ شبیرؑ نے پانی بھی نہ پایا
بیزار ہیں محبوبِ خدا امّتِ بد سے — غل تھا کہ علیؑ آج نکلتے ہیں لحد سے

۳۱

اک حشر تھا واں میں جو ٹھہرتا تو غش آتا — لگتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
بتلائیے مولا کسے منہ اپنا دکھاتا — تنہائی میں آقا کو مرے کون بچاتا
سب کہتے کہ حیدرؑ نے سدا جن کی مدد کی — ان لوگوں نے کچھ اپنے نہ محسن کی مدد کی

۳۲

اب اذنِ وغا دیجیے مجھ کو یا شہِ ذی جود — سارا مرا لشکر ہے فدا ہونے کو موجود
کیا بود و نمود ان کی ابھی ہوتے ہیں نابود — لڑ سکتے ہیں احمدؐ کے نواسے سے یہ مردود
بڑھ کر ابھی مٹھی میں دبا لیتا ہے سب کو — اک جن کو جو دوں حکم تو کھا لیتا ہے سب کو

۳۳

پھیلی ہوئی ہے فوج مری قاف سے تا قاف — سب شیعہ ہیں دیندار ہیں اعلا قوم کے اشراف
رخ مہر سے روشن ہیں دل آئینے سے شفاف — تسبیح زباں پنجتنِ پاک کے اوصاف
ہے آج کے دن عید فدا ہونے کی ان کو — یہ وہ ہیں کہ پیاری نہیں جاں آپ سے جن کو

۳۴

زعفر سے یہ فرمانے لگے سیّدِ ابرارؑ — مشہور ہے یاور خلفِ حیدرِ کرار
تم دیکھو انھیں اور تمہیں دیکھیں نہ ستمگار — یہ جنگ و جدل شرع میں جائز نہیں زنہار
جو حق ہے سہے جاؤں گا گو تشنہ دہاں ہوں — احمدؐ کا نواسا ہوں امامِ دو جہاں ہوں

۳۵

ہے دور شجاعت سے اگر یوں انھیں مارا — یہ امر مروّت نہیں کرتی ہے گوارا
لازم ہے مجھے رحم نبی کا ہوں میں پیارا — دشمن یہ بھی ہے خلق میں احسان ہمارا
ہر چند نہیں نیک عمل امتِ بد کا — شرم آتی ہے پڑھتے ہیں یہ کلمہ مرے جد کا

۳۶

کی دستِ ادب جوڑ کے زعفر نے یہ گفتار — مشہور جہاں جنگِ اُحد کے ہیں یہ اخبار
کی فوجِ ملک نے مددِ احمدِ مختار — انکو بھی تو لڑنے میں نہ تھے دیکھتے کفار
کافر ہیں یہ سب کچھ کہ مروت نہیں اس میں — خادم بھی لڑے گر تو قباحت نہیں اس میں

۳۷

فرمایا شہِ دیں نے بصد گریہ و زاری
بھیجا تھا انھیں حق نے جو فوج آئی تھی ساری
اُس دن تھی یہی مصلحتِ ایزدِ باری
تو آیا ہے الفت سے مدد کرنے ہماری
انسان سے جنات کو گر حکم دغا دیں
عادل کوئی پوچھے تو جواب اس کا یہ کیا دیں

۳۸

بولا قدمِ شاہ پہ سر رکھ کے وہ ذیشان
کہنے کو تو مشکل ہوں ابھی صورتِ انسان
آقا ترے قربان ترے عدل کے قربان
وہ ہم کو کریں قتل کریں ہم انھیں بے جان
سب کو یہی حسرت ہے کہ لڑیں راہِ خدا میں
گر مر گئے ہو جائیں گے داخل شہدا میں

۳۹

شہ بولے کہ دے تجھ کو جزا خالقِ اکبر
لیکن نہ بچے گا پسرِ ساقیٔ کوثر
تو چاہتا ہے قتل نہ ہو سبطِ پیمبر
یہ اہلِ ستم تیغ سے کاٹیں گے مرا سر
معلوم ہے مجھ کو نہ اجل آج ٹلے گی
اللہ کے سجدے میں چھری مجھ پہ چلے گی

۴۰

تب زعفر جن بولا کہ یا سیّدِ ابرار!
شہ نے کہا میں ہوں خلفِ حیدرِ کرار
یہ قتل کریں گے تمھیں اب جان کے ناچار
کونین میں مشہور ہیں ہم قاتلِ کفار
دیکھی نہیں احمدؐ کے نواسے کی لڑائی
ہاں دیکھ تو اب بھوکے پیاسے کی لڑائی

۴۱

یہ کہہ کے بڑھے بحرِ غم سرورِ عالی
پھر نادِ علیؑ پڑھ کے جو تلوار نکالی
غصے میں نظر شیر سی اُس شیر نے ڈالی
بجلی سی چمکنے لگی شمشیرِ ہلالی
حیدرؑ کی طرح ٹوٹ پڑے صفِ لشکرِ کیں پر
بجلی سی گری تیغ ہر اک دشمنِ دیں پر

۴۲

دم تن سے جوانوں کا نکلتے ہوئے دیکھا
تن شمع کے مانند پگھلتے ہوئے دیکھا
وہ سرد ہوا جس نے کہ چلتے ہوئے دیکھا
نیزوں کی سنانوں کو اچھلتے ہوئے دیکھا
اُس تیغِ شرربار سے بیتاب تھے ناری
تلوار جو تھی آگ تو سیماب تھے ناری

۴۳

روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
سر پر جو پڑی کاسۂ سر کاٹ کے نکلی
اُتری جو جگر سے تو کمر کاٹ کے نکلی
ٹھہری نہ کمربند کی خانۂ زیں پر
رہوار کو دو کر کے گری روئے زمیں پر

۴۴

ناگاہ صدا چرخ سے پیدا ہوئی پیہم
کون ایسا ہے جو سامنا تیرا کرے اس دم
اب روک لے تلوار کو اے سیدِ عالم!
آگے سے ترے بھاگ گیا لشکرِ اعظم
بس خوب لڑے تیغِ شرربار کو روکو
سب فوج چلی جاتی ہے تلوار کو روکو

۴۵

آواز کا آنا تھا کہ تلوار کو روکا
کیا دخل جو اب میں کروں لڑنے کا ارادا
فرمایا کہ جو حکم ترا اے مرے مولا
میں بندۂ ناچیز تو کونین کا آقا
سر تیغ سے میداں میں کٹانے کی خوشی ہے
دربار میں تیرے مجھے آنے کی خوشی ہے

۴۶
یہ کہہ کے رکھی میان میں شمشیر دو پیکر
کیوں دیکھی شجاعت مری اور تیغ کے جوہر
پھر زعفر جن سے یہ کہا با دل مضطر
مجبور نہیں ہے خلف حیدرؑ صفدر
امت مرے نانا کی ہیں کیا ان کو سزا دوں
اب بھی یہ اگر مانیں تو دوزخ سے بچا دوں

۴۷
اے زعفر جن! تجھ سے رضامند ہے غفار
راضی ہوا تجھ سے خلف حیدرؑ کرار
اس وقت میں تو آ گیا ہوا میرا مددگار
پر ایک سخن یاد رہے اے مرے غمخوار
جب پیاس میں تو پانی کبھی پیجیو بھائی
تب تشنگی تو یاد مری کیجیو بھائی

۴۸
تو دل میں نہ کڑھنا کہ مری عرض نہ مانی
مر جائے جب اکبرؑ سا پسر یوسفؑ ثانی
بیزار ہے دنیا سے یداللہ کا جانی
جینے کا مزا تلخ ہے اور خاک ہے پانی
جا اب تو کہ جلدی کہیں سر تن سے اتر جائے
یہ بار امانت مری گردن سے اتر جائے

۴۹
اس سعی کا بدلہ تجھے دے ایزد باری
ہر سال کیا کیجیو مری تعزیہ داری
رخصت ہو کہ اب آئے گی اعدا کی سواری
جب پیاس لگے یاد رہے پیاس ہماری
رونے میں تجھے اجر شہادت کا ملے گا
تربت میں مزا میری محبت کا ملے گا

۵۰
سب لشکر جن رونے لگا سن کے یہ تقریر
غل سن کے یہ چلانے لگی شاہ کی ہمشیرہ
برپا ہوا اک شور کہ ہے ہے شہ دلگیر
لوٹی گئی میں کٹ گیا شاید سر شبیر
سنتی ہوں جدھر ہائے حسینا کی صدا ہے
دنیا میں قیامت نہیں آئی تو یہ کیا ہے

۵۱
اب گھر سے نکلتی ہوں میں ہے ہے مرے بھائی
زعفر نے یہ جنات کو آواز سنائی
فریاد ہے فریاد دہائی ہے دہائی
بند آنکھیں کرو دختر زہرا نکل آئی
سیدانی ہے واجب بخدا اس کا ادب ہے
سر ننگے کسی نے اسے دیکھا تو غضب ہے

۵۲
ہمشیر کو گھبرا کے شہ دیں نے پکارا
یہ زعفر جن آیا ہے لشکر لئے سارا
نکلو نہ بہن ہم کو کسی نے نہیں مارا
پر مجھ کو کسی کی نہیں امداد گوارا
کرتا ہوں میں رخصت وہ جدا ہوتا ہے زینبؑ
یہ لشکر جن میرے لئے روتا ہے زینبؑ

۵۳
حضرت کی صدا سن کے وہ ناشاد پکاری
گر ہمرہ آئی ہے زعفر کی سواری
تنہائی کے صدقے میں اس آواز کے واری
عرض اس کی نہ رد کیجیو اے عاشق باری
اعدا کو نہ اب تیرا تہی سے بچاؤ
کشتی کو غریبوں کی تباہی سے بچاؤ

۵۴
اس وقت میں کیونکر یہ تمہیں چھوڑ کے جائے
زہراؑ کا پسر قتل ہو اور یہ نہ بچائے
ہے دوست وہ جو کام برے وقت میں آئے
اب ساتھ جو چھوٹے تو کہاں پھر تمہیں پائے
کیونکر نہ ہو رتبے شہ مرداں نے دیئے ہیں
اس پر بھی تو احساں مرے بابا نے کیے ہیں

۵۵
رحم ان پہ نہ کیجے کہ یہ ہیں ظلم کے بانی
زعفر سے کہے جاکے کوئی میری زبانی
ہے ہے نہ دیا اصغرؑ معصوم کو پانی
ہیں درپے جاں شاہ کے یہ دشمن جانی
آفت سے یداللہ کی جانی کو بچالے
یہ دردوں کی دعائیں مرے بھائی کو بچالے

۵۶
یاں ہو چکا تھا سب مرے لٹ جانے کا ساماں
سن لی مری فریاد یہیں اللہ کے قرباں
چلاتی تھیں نہ ہجرا گھر ہوتا ہے ویراں
مرکر بھی نہ بھولوں گی ترا آج یہ احساں
فرزند علیؑ گھر گیا تھا فوج ستم میں
اس وقت تو کیا آیا کہ جاں آگئی دم میں

۵۷
میدانی ہوں بیکس ہوں یہیں گردوں کی ستائی
رکھتی ہوں میں دولت نہ بضاعت نہ کمائی
جیتے ہوئی پیدا کبھی راحت نہیں پائی
دنیا میں بس اب ایک یہی ہے مرا بھائی
غربت میں نہ گو قدیمی نہ عقیل یہاں ہوں گی
اب بھائی کو بیکر کسی جنگل میں رہوں گی

۵۸
شبیرؑ کی اک جان کا دشمن ہے زمانہ
واجب ہے ید اللہ کے پیارے کا بچانا
اس وقت ہوا ہم کو غنیمت ترا آنا
اب چھوڑ کے حضرت کو کہیں یاں سے نہ جانا
شبیرؑ کے دشمن ہیں سب اس فوج کی صف میں
پہونچا دے محمدؐ کے نواسے کو نجف میں!

۵۹
اس وقت اگر تو نہ مدد کرنے کو آتا
میں دیکھتی اور سبط نبیؐ برچھیاں کھاتا
ہے ہے مرے ماں جائے کو پھر کون بچاتا
ہوتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
زانو سے لعین سینۂ صد چاک پہ ہوتا
سر نیزے پہ ہوتا تو بدن خاک پہ ہوتا

۶۰
یہ سنتے ہی سر پیٹ کے رونے لگا زعفر
کچھ کام نہ مجھ سے لیا اے سبط پیمبرؐ
کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے ترے سرورؑ
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
کام آئے گا مجھ بیکس بے آس پہ رونا
جب پیجیو پانی تو مری پیاس کو رونا

۶۱
جب حکم امام دوجہاں سے ہوا ناچار
سب اور بھی جن پھاڑے گریباں بدل زار
سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفر دیندار
چلاتے تھے ہے ہے خلف حیدر کرارؑ
آقا تمہارے اس صبر و شکیبائی کے صدقے
اے سبط پیمبرؐ تری تنہائی کے صدقے

۶۲
گھر پہونچا تو زعفر نے کہا تخت اٹھاؤ
پوشاک سیہ لاکے مجھے جلد پنہاؤ
اب فرش کہاں کا صف ماتم کو بچھاؤ
سب ہائے حسینا کہو اور خاک اڑاؤ
ہر غم سے غم سرور عالم ہے زیادہ
ماتم ہے سلیماں کے یہ ماتم ہے زیادہ

۶۳
ماتم کی خبر مادر زعفر نے جو پائی
پوچھا کہ ہوا کیا صف ماتم جو بچھائی
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
گھیرا ہے ستمگاروں نے فرزند علیؑ کو
چھوڑ آیا ہوں تیغوں کے تلے سبط نبیؐ کو

۶۴
سر پیٹ کے ماں زعفر جن کی یہ پکاری
تو نے پسر فاطمہؑ پر جان نہ واری
واجب تھی تجھے سید کونین کی یاری
عزت نہ رہی آگئے محشر کے ہماری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیونکر
منہ فاطمہؑ کو جا کے دکھاؤں گی میں کیونکر

۶۵
حیدر نے ترے باپ پہ کیا کیا کیے احسان
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولت ایمان
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قرباں
مشکل جو پڑی دم میں اسے کر دیا آساں
فرزند یہ آج اس کے برا وقت پڑا ہے
تو سامنے میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے

۶۶
باپ آج تو ہوتا تو چین اس کو نہ آتا
اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
فرزند پیمبر کے عوض برچھیاں کھاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
جو اہل وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا!
یوں چھوڑ کے آقا کو چلے آتے ہیں بیٹا؟

۶۷
رو کر کہا زعفر نے میں تھا مرنے کو تیار
فرمایا مدد ابن علیؑ کو نہیں درکار
حکم شہ کونین سے میں ہو گیا ناچار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے
امت پہ تو وہ ہاتھ اٹھانے نہیں دیتے

۶۸
اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
ایسا نہ ہو سر ان میں کٹا دیں شہ ذیشان
میدان میں سلامت ہے جو وہ دین کا سلطاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شیر الٰہی کے جگر پر
میں نے تجھے صدقے کیا زہراؑ کے پسر پر

۶۹
یہ سنتے ہی غفلت میں وہ کہتا ہوا آیا
زندہ نہ مجھے دکھلایو پھر شہ کو خدایا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
اس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

۷۰
خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی
دیکھی ترے دریائے طبیعت کی روانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
مداحی حضرت تو کرے منہ ترا کیا ہے
امداد محمدؐ ہے یہ الطاف خدا ہے

رباعی

ہے فضل عزا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ چشم بد دور انیس
کیا مجمع مومنیں ہے کیا مجلس ہے

رباعی

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں
رخساروں پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

مرثیہ ۱

جب تیغ یہ اکبر کھنچی دشتِ وغا میں — اک برق غضب کوند گئی ارض و سما میں
چمکے جو شرر چار طرف اڑ کے ہوا میں — اعدا میں ہوا غل کہ گھرے قہر خدا میں
سایہ جو پڑا تیغ دو پیکر کا زمیں پر — جبرئیل امیں کانپ گئے چرخ بریں پر

۲

خورشید کو غش ہوا کانپا فلک پیر — رنگ رخ جلاد فلک ہو گیا تغیر
آنکھوں کے تلے پھرنے لگی موت کی تصویر — تھرا کے عطارد نے صدا دی کہ چلا تیر
غل تھا کہ اٹھا ہے زمانہ کوئی دم میں — چھپتا تھا قلم لوح میں اور لوح قلم میں

۳

جبرئیل کو چلانے لگے عرش کے حامل — کرسی کو سنبھالو کہ قیامت ہوئی نازل
کہتے تھے اسرافیل کہ قابو میں نہیں دل — ہے قہر الٰہی غضب سرور عادل
کونین سے ضرب شہ عالم نہ رکے گی — یہ تیغ وہ بجلی ہے کہ اک دم نہ رکے گی

۴

برہم تھی جو تیغ پسر سید لولاک — سیاروں پہ ثابت تھا کہ اب گرتے ہیں افلاک
گھبرا کے نظر کرتے تھے عیسیٰ طرف خاک — ڈر تھا سپر مہر نہ ہو جائے کہیں چاک
سر چرخ پہ آ پہنچا ہے شمشیر دو سر کا — شق ہوئے نہ سینہ کہیں پھر آج قمر کا

۵

سکان سماوات میں برپا تھا عجب غل — لرزہ کے ادھر ہوتا تھا گیتی کو تزلزل
معشوق کو تھا صبر نہ عاشق کو تحمل — گلشن پہ اداسی تھی جدا تھے گل و بلبل
تاریک تھا دل تاب کسی دل کو نہیں تھی — پروانہ کہیں جلتا تھا اور شمع کہیں تھی

۶

تھا خوف کے عالم میں ہر اک بندۂ آزاد — شمشاد کی قمری کو فراموش ہوئی یاد
غنچوں کے چٹکنے میں نکلتی تھی یہ فریاد — ہے ہے چمن کن فیکوں ہوتا ہے برباد
ناحق گل زہرا پہ جفا ہوتی ہے کل سے — باقی نہیں بر آنے کے اس تیغ کے پھل سے

۷

اڑنے سے پرندوں کے جہاں ہو گیا اندھیر — تھا عالم وحشت پہ ہرن ہو گئے تھے شیر
چھپتوں میں یہ غل تھا کہ قیامت میں نہیں دیر — بھاگو کہ چمکتی ہے یہ اکبر کی شمشیر
پھر جان کہاں آئے گی سایے میں گر اس کے — ہستی کو جلا دیویں گے دم میں شرر اس کے

۸

لرزاں تھا ہر اک خوف شہ جن و بشر سے — فریاد کی آتی تھی صدا سنگ و شجر سے
ہیبت تھی کہ اژدر بھی نکل آئے تھے در سے — جنات کی جانوں پہ بنی جان کے ڈر سے
شمشیر شرر بار سے شہپر سب کے گرے تھے — اڑ سکتے نہ تھے ہوش یہ پریوں کے اڑے تھے

۹

ہر موج میں طوفاں تھا تو ہر بر میں تلاطم — تھا شور جزیروں میں سمندر میں تلاطم
جنت میں تزلزل تھا تو کوثر میں تلاطم — برپا تھا بنی جان کے لشکر میں تلاطم
ہر خاک نشیں تھا وہ ہراساں اٹھا تھا — آب دم شمشیر سے طوفان اٹھا تھا

۱۰

سب ساکنِ افلاک و زمیں کانپ رہے تھے
لرزاں تھا نجف کشور کیں کانپ رہے تھے
لرزہ تھا مکانوں کو مکیں کانپ رہے تھے
تھے امن میں جو روح امیں کانپ رہے تھے
اللہ رے ڈر ضربتِ ید اللہ علیؑ کا
غل فرش سے تھا عرش تلک نادِ علیؑ کا

۱۱

کس شان سے ٹوٹے ہوئے شمشیر شرربار
ہے چہرۂ نورانیٔ مولا سے نمودار
میدان شہادت میں کھڑے ہیں شہ ابرارؑ
اجلال محمدؐ غضب حیدر کرار
عالم شب معراج کا دکھلاتی ہیں زلفیں
غیظ آتا ہے سرور کو تو بل کھاتی ہیں زلفیں

۱۲

شمشیر کی نابیں ہیں کہ ماتھے پہ شکن ہے
وہ چشم سیہ آہوئے صحرائے ختن ہے
ابرو جو کماں ہے تو مژہ تیر فگن ہے
غصے سے جو ہو سرخ تو پیکر شیر ہرن ہے
گہ شامِ مصیبت ہے گہے صبح طرب ہے
رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے

۱۳

کچھ ہو گئے کچھ غیظ سے تھے سرخ جو رخسار
دیتے تھے جو دانتوں کے تلے لعل گہربار
تھا صاف شفق سے گل خورشید نمودار
تھے پرچہ یاقوت میں گویا دُرِ شہوار
تھا دو عالم کے جہاں زیرِ نگیں تھا
یہ نقش سلیماں کی بھی خاتم پہ نہیں تھا

۱۴

وہ ریش مطہر کی سپیدی وہ سیاہی
یہ آئینہ جسم پہ تھی گردِ تباہی
دنیا تھی زمانے کی دو رنگی پہ گواہی
تھیں بازوؤں میں مچھلیاں یا رنگ میں ماہی
مانندِ ید اللہ لڑائی پہ تُلے تھے
سو عقدۂ مشکل انہیں ہاتھوں سے کھلے تھے

۱۵

تو قبضے پہ ہے دستِ زبردست شہنشاہ
غیر از ید قدرت کوئی اس سے نہیں آگاہ
جن کی رگ و پے میں ہے بھرا زورِ ید اللہ
گر کوہ گراں ہو تو اکھاڑیں صفت کاہ
بجلی ہو یہ گر سارے جہاں جنگ پہ تل جائے
زور اس کا ہو گر قلعۂ خیبر پہ تو کھل جائے

۱۶

اعدا بھی ہیں چپ شمع رسالت بھی ہے خاموش
تیر نگہ شہ سے جوانوں میں نہیں ہوش
سینے میں تلاطم ہے شجاعت کا ہے یہ جوش
چھپ جاتے ہیں خالوں کی سیاہی میں زرہ پوش
جوہر نظر آتے ہیں جو اس تیغ دو دم کے
پانی ہوئے جاتے ہیں جگر اہل ستم کے

۱۷

ٹوٹے ہوئے شمشیر کو پڑھتے ہیں یہ اشعار
تف تجھ پہ ہے اے دہر ستمگار و جفا کار
دنیا بھی ہے بے مہر زمانہ بھی ہے غدار
بد دل ترے اس سفلہ پرستی سے ہیں دیندار
زہراؑ سے محمدؐ سے علیؑ سے نہ وفا کی
شاکی رہے سب تو نے کسی سے نہ وفا کی

۱۸

تو نے غم فرزند میں آدمؑ کو رلایا
خنجر سے لہو حضرت یحییٰؑ کا بہایا
عیسیٰؑ نے جہاں میں کوئی دم چین نہ پایا
کس چاہ میں یعقوبؑ سے یوسفؑ کو چھڑایا
وہ کون سے دکھ تھے جو دکھائے نہیں تو نے
کیا کیا کنوئیں پیری میں جھنکائے نہیں تو نے

بند	مصرع اول	مصرع دوم
۱۹	توڑے دُر دندان نبی سنگ جفا سے	سجدہ ہوئی تر خون سر شیر خدا سے
	فرصت نہ ملی فاطمہ کو رنج و بلا سے	ٹکڑے ہوا شبر کا جگر زہر دغا سے
	باقی تھا فقط میں سو عزیزوں سے چھٹا ہوں	پانی کو ترستا ہوں غریبی میں لٹا ہوں
۲۰	فرما کے یہ اعدا کو پکارے شہ ذی جاہ	اب جنگ میں کیا دیر ہے اے فرقۂ گمراہ
	شاید مری قوت سے ابھی تم نہیں آگاہ	رستم تو یہاں زال ہے اور شیر ہے روباہ
	تلوار کا مالک ہوں ولی ابن ولی ہوں	ثابت مرا حصہ ہے کہ فرزند علیؑ ہوں
۲۱	غافل ہو تو مکار کی باتوں پہ نہ جاؤ	صابر ہوں میں صابر کو نہ تم غیظ میں لاؤ
	دم میں غضب آ جائے گا دیکھو نہ ستاؤ	جینا ہو تو ہٹ جاؤ جو مرنا ہو تو آؤ
	خیر اپنے سروں کی جو ہو منظور تو سر کو	دیکھو ابھی دو کیے ہوئے ہوں تیغ دو سر کو
۲۲	مجھ سا کوئی گر اور ہو تم لوگوں کا رہبر	بہتر ہے پھرا دو مرے اس حلق پہ خنجر
	امت کے جو کام آئے تو حاضر ہے مرا سر	پر میرے سوا کوئی نہیں سبط پیمبر
	کھو کر مجھے ڈھونڈو گے تو فریاد کرو گے	جب میں نہ رہوں گا تو بہت یاد کرو گے
۲۳	جو زندہ ہے قدر اس کی کسی کو نہیں زنہار	زندوں سے بھی ان مردہ پسندوں کو نہیں کار
	عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار	سو جاتا ہے جب وہ تو یہ سب ہوتے ہیں بیدار
	روئے تو اسے کیا جو فنا کی تو اسے کیا	تعریف اگر بعد فنا کی تو اسے کیا
۲۴	گر زیست میں فاقہ ہو تو غم کوئی نہ کھائے	اور وقت مصیبت کے کوئی پاس نہ آئے
	ہوں پیاس میں لاکر کوئی پانی نہ پلائے	اور بعد فنا فاتحہ ختم بہت سے دلائے
	پیدا نہیں پیوند ہو گر رخت بدن میں	مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں
۲۵	یوں ہاتھ نہ تھامیں جو گرے بندۂ معبود	تابوت کو دیا ہو جو کاندھا تو ہیں موجود
	یوں جانتے ہیں قرض حسن دینے کو بے سود	زر صرف ہو میت کے جو ماتم میں تو خوشنود
	یوں بھول کے بھی ذکر نہیں کرتے جو ان کا	مر جاتا ہے جب کوئی تو دم بھرتے ہیں اس کا
۲۶	ہوشیار ہو اے قوم کہ دنیا ہے گذرگاہ	رہتا ہے گدا اس میں ہمیشہ نہ شہنشاہ
	کیا مرحلہ صعب ہے العظمۃ للہ	تھراتے ہیں رہبر بھی وہ پر خوف ہے یہ راہ
	بے خوف ہیں وہ جن کو تولا ہے علیؑ سے	ہاں زاد سفر دوستی آل نبی ہے
۲۷	کچھ دن بشر اس خانۂ دنیا میں ہے مہمان	دست ملک الموت میں ہے سب کا گریبان
	زندوں میں ہے گر آج تو کل ہوویں گے بے جان	پہلے سے ہے لازم سفر مرگ کا سامان
	اعمال و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے	کیا جانیے کس وقت پیام اجل آئے

۲۸
کچھ وقت معین نہیں انساں کی اجل کا
آج اٹھ گئے وہ کرتے تھے سامان جو کل کا
بندہ وہ ہے پابند رہے نیک عمل کا
پلہ وہی بھاری ہے جو ہو جرم سے ہلکا
کیا خاک کا بوجھ اس کے لیے قبر میں کم ہے
ہو بار دو گناہوں کی گرانی تو ستم ہے

۲۹
تو بندہ بھی آخر ہے نصیحت بھی ہوئی ختم
حجت تجھے منظور تھی حجت بھی ہوئی ختم
الفت بھی مروت بھی محبت بھی ہوئی ختم
لو باب ترحم کی عبارت بھی ہوئی ختم
دل رکھتے ہو فولاد یہ جوہر ہیں تمھارے
اب تیغ ید اللہ ہے اور سر ہیں تمھارے

۳۰
بے قتل مجھے چین کہاں آتا ہے خبردار
سب فوج پہ ادبار اب آتا ہے خبردار
فرزند امیر عرب آتا ہے خبردار
لشکر پہ خدا کا غضب آتا ہے خبردار
فوجوں کی صفیں دم میں الٹ دیتا ہوں آکے
دیکھوں تو کہاں جاتے ہو پنجے سے قضا کے

۳۱
خالق نے مرے قوت حیدر مجھے دی ہے
فیاض نے توقیر پیمبر مجھے دی ہے
مختار نے مختاری کوثر مجھے دی ہے
کرار نے شمشیر دو پیکر مجھے دی ہے
کھل جائے گی دم میں برش اس تیغ دو سر کی
کنجی تو مرے ہاتھ میں ہے فتح و ظفر کی

۳۲
غصے میں مرے طور ہیں سب قہر خدا کے
غارت ہو نظر جس پہ کروں غیظ میں آکے
بچتا نہیں تلوار ہماری کوئی کھا کے
ناخن میں ہمارے ہیں ہنر عقدہ کشا کے
کس معرکے میں تیغ کو تولا نہیں ہم نے
تھا کون سا در بند جو کھولا نہیں ہم نے

۳۳
تم نار ہو میں نور خدائے دو جہاں ہوں
تم ننگ جہاں میں شرف کون و مکاں ہوں
تم جنگ میں روباہ ہو میں شیر ژیاں ہوں
تم کاہ سے کمزور ہو میں کوہ گراں ہوں
لاکھوں ہو تو ہے تیغ بہر کیف ہماری
کرتی ہے صفیں صاف صدا سیف ہماری

۳۴
اس تیغ سے رستم سا دلاور نہیں بچتا
سن سے جو یہ چلتی ہے تو منفذ نہیں بچتا
مغفر نہ رہا فرق پہ جب سر نہیں بچتا
سر کیا ہے کہ اک ضرب میں پیکر نہیں بچتا
بجلی ہے یہ رکتے کبھی دیکھا نہیں اس کو
گر ہوں پر جبریل تو پروا نہیں اس کو

۳۵
لاسیف اسی حجت قاطع کی ثنا ہے
آسیب ہے کیا سیب سے پھل اس کا بنا ہے
یہ لشکر باغی کے لیے دار فنا ہے
بابے میں جو اس تیغ کے آیا وہ فنا ہے
جوہر میں جو ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے
دشمن کے لیے تیغ ہے مومن کی سپر ہے

۳۶
فخر عرب و روم و عجم کی ہے یہ تلوار
کاٹے ہیں نشاں جس نے علم کی ہے یہ تلوار
کاٹ اس میں غضب کا ہے ستم کی ہے یہ تلوار
نسل مہ نو بدر میں چمکی ہے یہ تلوار
ہلتی تھی زمیں ہاتھ جو قبضے پہ دھرا تھا
خندق کو اسی تیغ نے لاشوں سے بھرا تھا

۳۷

پائی نہ اماں لشکرِ صفین و جمل نے
سر لات نے مرحب کو بچایا نہ ہبل نے
عنتر کو جلایا ہے اسی تیغِ اجل نے
کاٹا شجرِ کفر کو اس تیغ کے پھل نے
گر پاس نہ ہوتا پرِ جبرئیل امیں کا
ملتا نہ پتا زیرِ زمیں گاؤ زمیں کا

۳۸

جس وقت سرِ چاہ علیؑ کے قدم آئے
فریاد کناں ساکنِ بیر الالم آئے
جنات ہزاروں تہِ تیغِ دودم آئے
یا شیرِ خدا دینِ محمدؐ میں ہم آئے
دیکھے گا سر ابھرا اگر اس راہ سے نکلیں
یوسف کی قسم تو جو کبھی چاہ سے نکلیں

۳۹

اک ہاتھ میں دو ہوں گی نشانوں کو بچاؤ
مٹ جائے گی یہ شان نشانوں کو بچاؤ
ڈھونڈھو نہ کمیں گاہ کمانوں کو بچاؤ
جب جانیں کہ اس تیغ سے جانوں کو بچاؤ
رکتی ہے نہ جوشن پہ نہ تھمتی ہے کمر پر
یہ مرگِ مفاجات سے جلد آتی ہے سر پر

۴۰

بے جان کئے خانۂ تن سے نہیں پھرتی
کچھ ہو یہ شجاعت کے چلن سے نہیں پھرتی
بے صاف کئے فوج کو رن سے نہیں پھرتی
بے سیرِ گلِ زخم بدن سے نہیں پھرتی
منھ خود و زرہ سے کبھی موڑا نہیں اس نے
دشمن کو کبھی جنگ میں چھوڑا نہیں اس نے

۴۱

بیٹھی ہے تو سر تن سے جدا کر کے اٹھی ہے
کافر کے سراپا کو دوتا کر کے اٹھی ہے
دشمن کو اشارے میں فنا کر کے اٹھی ہے
ہر معرکے میں حشر بپا کر کے اٹھی ہے
جھکی ہے یہ جدھر تو صفیں چاٹ گئی ہے
اک ہاتھ میں سو سو کے گلے کاٹ گئی ہے

۴۲

پڑھ کر یہ رجز شام کے بادل میں در آئے
بیدینوں کے دل ہل گئے جب دل میں در آئے
چمکا کے فرس کو صفِ اول میں در آئے
اک شیر سے تلواروں کے جنگل میں در آئے
تھرا گیا میداں کہ ہزبرِ احد آیا
لشکر میں پڑا شور کہ بھاگو اسد آیا

۴۳

اعدا کے سروں پر جو وہ تیغِ دو سر آئی
بجلی سی چمک کر ادھر آئی ادھر آئی
اک تیز چھری تھی کہ کلیجوں میں در آئی
دو ہو گئی جب تیغ کے نیچے سپر آئی
دستانے میں یوں کاٹ گئی دستِ ستم کو
جس طرح سے کاٹے کوئی جلدی میں قلم کو

۴۴

بے دست ہر اک صف تھی تو بے سر تھا ہر اک غول
شمشیرِ دو دستی نے نکالی تھی نئی تول
خود الٹے ہوئے خاک پہ تھے صورتِ کشکول
سر بکتے تھے ارزاں پہ نہ لیتا تھا کوئی مول
اس تیغ سے فولاد کا دل نرم ہوا تھا
تن سرد تھے بازارِ اجل گرم ہوا تھا

۴۵

چار آئینے والوں کو نہ تھا تیغ سے چارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
جو رنگ تھے سینے تو کلیجے تھے دو پارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

۴۶

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بےہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہو کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضے میں کماں ہو کہ نہیں ہو

۴۷

ٹوٹے ہوئے بھالوں کو جفاکار تھے ہر چند
کیا روکتے تیروں کو جوانان تنومند
تھی عقدہ کشا تیغ نہ بند رہتا تھا کوئی بند
تھا شیر نیستاں اسداللہ کا فرزند
بیرق تھے نہ بھالے تھے نہ پرچم نہ علم تھا
اک ہاتھ میں یاں ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۴۸

دم کی تھی دعا شاہ نے کیا تیغ دو دم پر
گردن سے جو سینے پہ تو سینے سے شکم پر
نے خود پہ رکتی تھی نہ تھمتی تھی جھلم پر
توسن سے رکابوں پہ رکابوں سے قدم پر
جوشن میں نہ تھوتھی میں نہ بکتر میں نہ زیں پہ
سم کاٹ کے گھوڑے کے جو دیکھا تو زمیں پہ

۴۹

غل تھا کہ زمانے میں نہیں صف شکن ایسا
دنیا میں لڑا ہے کوئی تشنہ دہن ایسا
تلوار جو ایسی ہو تو ہو تیغ زن ایسا
کچھ حرف شکایت میں نہ آئے چلن ایسا
سکہ نہ ہو کیوں ضرب شجاع ازلی کا
کونین میں بجتا ہے نام حسینؑ ابن علیؑ کا

۵۰

نیزوں کو ہلاتے تھے جو اسوار دل پہ تن کے
جنگل میں چھپے آئے وہاں شیر جو بن کے
ٹکڑے بھی زمیں پر نہ ملے ان کے بدن کے
بھاگے وہ ہرن ہوکے بہادر تھے جو رن کے
صفدر نے جواں مردوں کے دل توڑ دیئے تھے
نیزوں کے دم تیغ نے منہ موڑ دیئے تھے

۵۱

انبار تن و سر کے سراسر تھے زمیں پر
کاٹے ہوئے ہتھیار برابر تھے زمیں پر
تن تھے کسی جا اور کہیں سر تھے زمیں پر
جوشن کہیں ٹکڑے کہیں مغفر تھے زمیں پر
بے جاں کہیں دو اہل ستم ساتھ پڑے تھے
ریتی پہ کہیں پاؤں کہیں ہاتھ پڑے تھے

۵۲

کس سر پہ چڑھی تیغ کہ توسن پہ نہ اتری
بے جان کیے جسم تہمتن سے نہ اتری
وہ کون سا توسن تھا کہ پہ سن سے نہ اتری
اتری جو وہ بےموت کے گردن سے نہ اتری
دشمن کو نہ زندہ کسی جا موت نے چھوڑا
تیغ اتری کمر سے تو گلا موت نے چھوڑا

۵۳

چلتی تھی جب وار اس جو شمشیر دو دھاری
خنجر تھے گلوں پر تو کلیجوں پہ کٹاری
ریتی پہ تڑپتی تھی دو دستہ صف ناری
کٹ کٹ گئیں تیغیں ستم آرا ہوئے عاری
نوکیں جو پڑیں دل پہ کسی بانی شر کے
دو ٹکڑے برچھی کے پھل چار ہوئے ایک جگر کے

۵۴

افعی کی طرح منہ سے نکالے تھی زباں تیغ
گرتی تھی جھک کر کبھی یاں اور کبھی واں تیغ
ہر دم صف کفار پہ تھی شعلہ فشاں تیغ
پھینکے تھے جفا جو جو نہ دیتی تھی اماں تیغ
قبضے میں جو سب فوج تھی اس تیغ دو سر کے
بچ سکتے تھے دشمن نہ ادھر کے نہ ادھر کے

۵۵
غل تھا کہ نہ ڈھالوں سے یہ تلوار رُکے گی
سو بار گرے گی پہ نہ اک بار رُکے گی
روکے سے نہ یہ برق شرر بار رُکے گی
روکا تو غضب ایزد قہار رُکے گی
انگشت قضا کہتے ہیں اس تیغ کے پھل کو
سر پر کبھی آتے نہیں دیکھا ہے اجل کو

۵۶
پشتہ وہ کہ لشکر کو پریشاں کیا جس نے
دم ایسا کہ سب فوج کو بے جاں کیا جس نے
آب ایسی کہ خشکی میں یہ طوفاں کیا جس نے
بُر ایسا کہ جنگل کو گلستاں کیا جس نے
سر سیکڑوں کاٹے تھے پہ رنگ اس کا ہرا تھا
ہر تاب میں ناگن کی طرح زہر بھرا تھا

۵۷
قبضہ وہ جسے رکھتے تھے قبضے میں یداللہ
جوہر وہ کہ ہر فرد بشر جس سے ہو آگاہ
نابوں سے عیاں تھا کہ عدم کی یہی راہ
قد آفت دوراں، بُرِش العظمۃ للہ
باڑھ ایسی مقابل کبھی دریا نہیں جس سے
گھاٹ ایسا کہ جیتا کوئی اترا نہیں جس سے

۵۸
مومن کے لیے نور ہے کافر کے لیے نار
اعجاز تو دیکھو کہیں راحت کہیں آزار
یہ رنگ نیا تھا کہیں آتش کہیں گلزار
قدرت کا تماشا ہے کہیں گل تو کہیں خار
دم بند تھے دہشت سے شجاعان جہاں کے
مسدود تھے سب رستے وہاں امن و اماں کے

۵۹
ناری کو سقر تک کبھی پہونچا کے پھر آئی
ناگن کی طرح تن سے کبھی جا کے پھر آئی
دیکھا کسی موذی کو تو بل کھا کے پھر آئی
جانا تھا کہ بس فوج پہ لہرا کے پھر آئی
غل تھا کبھی یوں تیغ کو چلتے نہیں دیکھا
افعی کو بھی یہ زہر اگلتے نہیں دیکھا

۶۰
خوں ناریوں کا چاٹ کے گرمائی ہوئی تھی
دریا کی طرف جانے پہ لہرائی ہوئی تھی
بجھتی جو نہ تھی پیاس تو جھنجھلائی ہوئی تھی
سب فوج پہ اک برق غضب چھائی ہوئی تھی
منہ کیا تھا کہ اک قہر تھا خم تھا کہ غضب تھا
لشکر کا لہو پی گئی دم تھا کہ غضب تھا

۶۱
دو کر کے سر و صدر و شکم ناف سے نکلی
بجلی سی جو چمکی وہ آئینہ صاف سے نکلی
تعریف ولی صاحب انصاف سے نکلی
یا فاتح خیبر کی صدا قاف سے نکلی
چل جاتا تھا جب وار امام مدنی کا
غل ہوتا تھا افلاک پہ اللہ غنی کا

۶۲
جب تن کے چلی حال عدو غیر کر آئی
کشتوں کے تڑپنے کی کبھی سیر کر آئی
جس صف پہ گری خاتمہ بالخیر کر آئی
دریا کی طرف خوں میں کبھی پیر کر آئی
سب گھاٹ سے دنیا کے فلک خون میں تر تھی
تلوار نہ تھی ماہی دریائے ظفر تھی

۶۳
وہ سیل جدھر آئی تلاطم نظر آیا
ہل چل میں سواروں کا پرا کم نظر آیا
آنکھوں سے نہاں مجمع مردم نظر آیا
جو تھا یہ سر زیں وہ تہِ سُم نظر آیا
منہ کھول کے اژدر نے نوالہ کیا اس کو
بجلی کی تڑپ نے تہ و بالا کیا اس کو

۶۴

دو شخصوں نے اک غول سے رہوار نکالے — اک ہاتھ میں نیزہ تھا اک تیغ سنبھالے
چار آئینے بر میں سپریں کاندھوں پہ ڈالے — امداد کو پہنچے کئی سو برچھیوں والے
اُس دھوم سے دار و سر میدان ہوئے دونوں — پڑھ پڑھ کے رجز جنگ کے خواہاں ہوئے دونوں

۶۵

ایک ایک ستم پیشہ و سرہنگ و جفا جو — مغرور و سیہ کار و سیہ رنگ و سیہ رو
بدصورت و بدہیبت و بدسیرت و بدخو — سینے جو کشادہ تو قوی ساعد و بازو
پیاسے تھے بس خون امام ازلی کے — دونوں کو عداوت تھی گھرانے سے علی کے

۶۶

برچھوں کو ہلاتے ہوئے آئے جو وہ بدکار — ہر گشت میں پھرتے تھے فرس صورت پرکار
شبدیز کو چمکا کے پکارے شہ ابرار — آتا ہے اجل سر پہ سپر دار خبردار
حافظ ہے خدا کچھ ہمیں پروا نہیں جو ہو — یہ کیا ہے نہنگوں ایک کو پہلے ہی سے دو ہو

۶۷

یوں کہنے لگے طعن سے دونوں ستم ایجاد — حضرت بھی بلا لیں جسے چاہیں سپے امداد
فرمایا پکاروں کسے میں بے کس و ناشاد — اب تو نہ بھتیجا ہے نہ بھائی ہے نہ اولاد
سب مر گئے تنہا ہیں لاکھوں میں گھرے ہیں — یہ خاک پہ لاشے انھیں پیاروں کے پڑے ہیں

۶۸

گو کوئی نہ بھائی نہ پسر ساتھ ہے میرے — ہاں ایک خدا آج بھی ساتھ ہے میرے
ہمدم کی طرح تیغ دو سر ساتھ ہے میرے — میں سیف الٰہی ہوں ظفر ساتھ ہے میرے
تم دونوں ہو کیا فتح کبھی پا نہیں سکتے — لاکھوں ہوں تو قبضے سے مرے جا نہیں سکتے

۶۹

ناگاہ بڑھے تول کے نیزوں کو وہ خونریز — مہمیز جو کی برق مجسم ہوئے شبدیز
ٹاپوں سے ہلا دور تلک دشت بلا خیز — فولاد میں دو آئینہ شانا نہیں وہ سرتیز
آمد میں یہ دعویٰ تھا ہر اک بانیٔ شر کو — نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں زہرا کے پسر کو

۷۰

مکاروں نے دکھلائی بہت شعبدہ بازی — دیکھا کیے ہنس ہنس کے شہنشاہ حجازی
تھے عقل سے کوتاہ جو کی دست درازی — ہاتھ آتا ہے کب ابن ید اللہ سا غازی
جو منہ تھا چڑھا خاک کا پیوند ہوا ہے — نیزوں سے کہیں عقدہ کشا بند ہوا ہے

۷۱

وار آپ نے جب رد کیے اُن کے کئی بار — تھرّاتے گئے ہاتھ پہ دہشت ہوئی طاری
تھی تیغ شہ دین غضب ایزد باری — کانپا جو کلیجہ تو دبے ہو گئے ناری
نیزوں کی اناں کو دم شمشیر نے کاٹا — غل تھا کہ سر شمع کو گلگیر نے کاٹا

۷۲

اک ضرب میں دونوں کے جو نیزے ہوئے بیکار — تلواریں علم کر کے پھر آئے وہ ستمگار
تیغیں جو چپ و راس سے چلنے لگیں یکبار — رد کر کے سپر حضرت حمزہ پہ وہ سب وار
دونوں کو ڈرایا کبھی نہ شمشیر دو سر سے — پسپا ہوئے وہ خود تو بڑھے آپ دھڑے سے

۷۳

اس ضرب میں ہاتھ اس کا اڑا اور سپر اس کی
اس کو خبر اس کی تھی نہ اس کو خبر اس کی
دو تھا جو سر اس کا تو جسد تھی کمر اس کی
کی موت نے دعوت ادھر اس کی ادھر اس کی
ٹکڑی میں لڑے تھے شہ دلگیر سے دونوں
ٹھنڈے ہوئے آپ ہی شمشیر سے دونوں

۷۴

اک ہاتھ میں بے جاں ہوئے دونوں جو ستمگر
دعویٰ ہو تو دیکھے مری تلوار کے جوہر
حضرت نے کہا اور بھی ہے کوئی دلاور
پھر تاب کسے تھی کہ مقابل ہو جو آ کر
دونوں کو اجل لائی تھی شمشیر کے منہ پر
صید آپ سے جاتا ہے کوئی شیر کے منہ پر

۷۵

ہاتھ ایسا جسے دست خدا کہیے تو حق ہے
جب چاہیں الٹ دیں کہ زمیں ایک ورق ہے
ضرب ایسی کہ جب ضرب سے دل کفر کا شق ہے
یہ سب ہے مگر آپ کو امت کا قلق ہے
دیتے تھے دہائی جو برے اہل جفا کے
آنسو نکل آتے تھے امام دوسرا کے

۷۶

ہر چند کہ بیٹوں کے تھے قاتل وہ ستمگار
بد عہد تھی کیا امت غدار و جفا کار
مانگی جو اماں سب نے تو خود روک لی تلوار
یاں ہاتھ رکا واں ہوئی تیروں کی بوچھار
یاں رحم تھا اور امت عاصی کی دعا تھی
واں صلح میں تھا مکر لڑائی میں دغا تھی

۷۷

واں ظلم و ستم تھے ادھر الطاف و مدارا
وہ خاک کے ذرے تھے یہ تھا عرش کا تارا
باطل پہ وہ تھے حق پہ یہ اللہ کا پیارا
واں لاکھ ستمگر ادھر اک پیاس کا مارا
واں قتل کا غل فوج مخالف میں مچا تھا
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ ادھر شکر خدا تھا

۷۸

سب سے پسر سعد یہ کہتا تھا کہ جاؤ
لینا ہے زر سرخ تو خوں شہ کا بہاؤ
جلدی سر فرزند نبیؐ کاٹ کے لاؤ
فرماتے تھے شبیر کہ حاضر ہوں میں آؤ
طوفاں سے نہیں کشتی تن پار اتر جائے
سر تن سے جدا ہو تو بڑا بار اتر جائے

۷۹

نقصان میرا کیا ہے اگر تم نے دغا کی
اللہ سے وعدہ کیا جو اس پہ وفا کی
جاگیر تمہاری نہ مجھے خالق نے عطا کی
میرا نہیں سر یہ تو امانت ہے خدا کی
سر دینے میں حجت نہیں تکرار نہیں ہے
ہم لوگوں کے اقرار میں انکار نہیں ہے

۸۰

فرما کے یہ غصے سے رکھا تیغ دو سر کو
پایا تھا جو تنہا شہ مرداں کے پسر کو
لٹکا دیا سر نے پہ دلاور نے سپر کو
بس گھیر لیا شام کے بادل نے قمر کو
لشکر کی سیاہی تھی کہ گھبرا گئے شبیر
سب فوج کی تیغوں کے تلے آ گئے شبیرؑ

۸۱

اک نور کو گھیرے ہوئے ظلمت نظر آئی
خود شافع محشر پہ قیامت نظر آئی
دن کو شب تیرہ کی علامت نظر آئی
قرآن کے بچنے کی نہ صورت نظر آئی
کھنچی تھیں رگیں ظلم کا دروازہ کھلا تھا
اجزائے تن پاک کا شیرازہ کھلا تھا

۸۲

بُت گرد تھے اور بیچ میں وہ کعبۂ ایماں
تھا نوح پہ خشکی میں عجب طرح کا طوفاں
وہ لاکھ دل آزار اور اک بیکسِ دوراں
کیا ہو جو بندی تھی سپہ قتلِ سلیماں
فرعونیوں کا حضرتِ عیسیٰؑ پہ ستم تھا
سب قوم کی تیغیں تھیں اور اک شاہ کا دم تھا

۸۳

بیکس پہ ہزاروں جو چلے تیر سہ پہلو
غربال ہوا سینۂ شاہ تشنہ خوش خو
نیزے جو برابر سے لگاتے تھے جفا جو
چھد جاتے تھے دونوں کبھی شانے کبھی بازو
بند آنکھیں کئے جھومتے تھے گھوڑے پہ رن میں
تلواروں کے پھل لگتے تھے اس پھول سے تن میں

۸۴

پھولے ہیں گل زخم کوئی جا نہیں خالی
اترائی ہے جن سے گل صد برگ کی لالی
یوں کٹ کے لٹک آئے تھے دستِ شہ عالی
جیسے کوئی کرتا ہے قلم پھول کی ڈالی
جا کر جو پھر آنے کے نہیں باغ جہاں میں
عالم کو دکھاتے ہیں بہار اپنی خزاں میں

۸۵

جب مارتا تھا سنگ دہن پر کوئی غدار
فرماتے تھے فریاد ہے یا احمد مختار
پڑتی تھی قضا سے جو کوئی فرق پہ تلوار
سر تھام کے چلاتے تھے یا حیدر کرار
چھدتا تھا جو تیروں سے جگر شاہ زمن کا
نعرہ لب خشکیدہ پہ تھا ہائے حسن کا

۸۶

تھا خون کا دریا جو ہر اک زخم سے جاری
منہ زرد تھا اور تن کی قبا سرخ تھی ساری
پہلو پہ جو لگ جاتا تھا بھالا کوئی بھاری
جھک جھک کے سنبھل جاتا تھا وہ عاشق باری
مجروح سراپا جو امام دو جہاں تھے
وہ خوں کے پرنالے رکابوں سے رواں تھے

۸۷

یاں ایک تن زار ادھر سیکڑوں خونخوار
کھایا کبھی نیزہ کبھی برچھی کبھی تلوار
طاقت جو نہیں ہرنے پہ جھک جاتے ہیں ہر بار
نکلے ہیں رکابوں سے قدم ہاتھ ہیں بیکار
سینے سے کوئی نیزہ نکالا نہیں جاتا
اب تو دل مجروح سنبھالا نہیں جاتا

۸۸

غش سے کبھی چونکے کبھی جھومے کبھی تھرائے
کی آہ کبھی اور کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے
تلواروں سے جو چور ہو بیکس وہ کدھر جائے
دم ہونٹوں پہ تھا اور کوئی ہمدرد نہ تھا ہائے
یوں نیزوں کی بوچھار کسی تن پہ نہ ہوئے
جو شاہ پہ گذری کسی دشمن پہ نہ ہوئے

۸۹

رہوار سے ناگاہ گرے قبلۂ کونین
تڑپا جو ذرا سا تو نبیؐ ہو گئے بے چین
ماتم کا ہوا غل فلک و ارض کے مابین
اعدا میں ہوا فتح کا غل بیبیوں میں بین
تھرا گئے جو دو طبقے ارض و سما کے
نعروں کی صدا آنے لگی شیر خدا کے

۹۰

خنجر کو لئے شمر چلا جب طرف شاہ
آئی یہ صدا رحم کر اس پیاسے پہ للہ
خاتون قیامت ہوں میں کیا تو نہیں آگاہ
فریاد جفا جو نے کسی کی نہ سنی آہ
بالائے سر شاہ جو وہ بے ادب آیا
غل تھا کہ الٰہی ہے زمانہ غضب آیا

کھنچے جو لگا سینے پہ زانوئے ستم آرا پتھر کے تلے دب گیا زہرا کا پیارا	۹۱	زہرا کی صدا آئی برابر سے دوبارا سفاک نے زانو کو نہ سینے سے اتارا
خانم جگر شیر خدا کانپ کے اٹھا		خنجر سے مسافر کا گلا کاٹ چکا تھا
چہرے پہ سکینہؑ کے یتیمی سی جو چھائی رستے ہی میں خبر آ کے یہ فضہ نے سنائی	۹۲	زینبؑ در خیمہ سے تڑپ کر نکل آئی مارے گئے شبیرؑ دہائی ہے دہائی
مادر کو تڑپتا ہوا جنگاہ میں دیکھا		آگے جو بڑھی بھائی کا سر راہ میں دیکھا
ہاں اہل عزا مرثیہ اب ہوتا ہے آخر ہے شہ آوارہ وطن ہائے مسافر	۹۳	پرسا دو کہ ہیں فاطمہؑ اس بزم میں حاضر مذبوح قفا تشنہ دہن ہائے پدر شاکر
زلفیں وہ تری خاک بہ اسباب لٹا کیں آقا		سب ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا
آقا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق ان زخموں کے صدقے دل محزوں کے تصدق	۹۴	سید ترے پیراہن پر خوں کے تصدق دیتی یہ تڑپتے قد موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے		مرجاؤں ترے پانی کے طلب کرنیکے صدقے
ہاں اہل عزا رو دو کہ ماتم ہوا آخر سامان عزائے شہ عالم ہوا آخر	۹۵	اے مجلسیو! بیٹھو کہ یہ غم ہوا آخر کیا مجمع احباب تھا برہم ہوا آخر
یہ مجلس آخر ہے جگر بند نبیؐ کی		تم لوگوں سے رخصت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی
کیا خوب کٹے آٹھ دن اور دو یہ مہینے کوتاہ کیا ہاتھ نہ ماتم سے کسی نے	۹۶	نیلے رہے ماتم سے عزاداروں کے سینے ہر روز دعائیں تمہیں دیں روح نبیؐ نے
دل روتا ہے صدمہ ہے عجب طرح کا جاں پر		دیکھو تو کہ کیا آج اداسی ہے مکاں پر
آقا ترے قربان خدا حافظ و ناصر لے فاطمہؑ کی جان خدا حافظ و ناصر	۹۷	اے شیعوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر اے دین کے سلطان خدا حافظ و ناصر
مجبور ہیں گر قبر میں ہم ہوویں گے مولا		جیتے ہیں تو پھر اگلے برس ڈھونڈیں گے مولا
خاموش انیسؔ اب کہ ہے سینے میں جگر چاک حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک	۹۸	حق ہے ترا مداح ہی سبط شہ لولاک نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک
سب مدح کریں نظم کی یہ نظم درست ہے		باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے
	سلام	
خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس بول کر		شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لئے

کنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق پہونچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لئے

تو سراپا اجر اے زاہد میں سرتاپا گناہ
باغِ جنت تیری خاطر کربلا میرے لیے

کہتے تھے شہ سخت ہے تیغ و گلو کا مرحلہ
یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لئے

یا حسینؑ ابنِ علیؑ اے فیاضِ عالم جانِ خلق!
آپ نے کی ہر مصیبت میں دعا میرے لئے

آبرو و مال و فرزندانِ صالح عز و جاہ
کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لئے

بھر دیا دامن کو مولا نے دُرِ مقصود سے
زر دیا زر پہ عطا پر کی عطا میرے لئے

قطعِ امید ایک سے گر ہوئی کچھ غم نہیں
اور کچھ سامان کر دے گا خدا میرے لئے

نام روشن کر کے کیونکر بجھ نہ جاتا مثلِ شمع
ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لئے

ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لئے

بھیجدے جنت میں یا دوزخ میں ہاں مجرم تو ہوں
تو ہے عادل جو مناسب ہو سزا میرے لئے

اے مُہوّس اپنی قسمت اسکا رشک کیا
کیمیا تیرے لئے خاکِ شفا میرے لئے

کہتے تھے شہ حضرت آدمؑ سے تا ختمِ رسلؐ
آئے سارے انبیاء و اوصیا میرے لئے

کہتی تھی صغراؑ ٹھنڈائی سے نہ ہووے گی شفا
شربتِ دیدارِ اکبر ہے شفا میرے لئے

کہتے تھے حضرت علی اکبرؑ سا شیریں لب نہیں
تلخ ہے اب زندگانی کا مزا میرے لئے

کہتے تھے شہ سر کو آنکھوں سے رکھونگا زیرِ تیغ
واجبِ عینی ہے وعدے کی وفا میرے لئے

خاک سے ہے خاک کو الفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لئے

رباعی

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گذر گئے یہ دس دن غم کے
کیوں صاحبو ہو گیا محرم افسوس

مرثیہ ۱

جب جنگ کو میداں میں شہ تشنہ لب آیا
اس فوج پہ آفت ہوئی نازل غضب آیا
اعدا میں پڑا غل کہ امیر عرب آیا
اب تک اسے آیا تھا نہ غصہ یہ اب آیا
کیا شاد تھے سب مار کے ہمشکل نبیؐ کو
اب مردے کوئی سبط رسولؐ عربی کو

۲

ہم کہتے تھے ہمشکل پیمبرؐ کو نہ مارو
نیزہ پسر نائب حیدرؑ کو نہ مارو
پچھتاؤ گے دیکھو علی اکبرؑ کو نہ مارو
مارو ہمیں پر اس مہ انور کو نہ مارو
اکبرؑ سا پسر جس کا جواں سامنے مر جائے
انصاف کرو تم کہ وہ کیا مرنے سے ڈر جائے

۳

کب زندگی سمجھے اُسے فرزند کے غم میں
ڈھونڈو گے تو جیتا نہ ملے گا کوئی ہم میں
لشکر کو یہ ستھراؤ کرے گا کوئی دم میں
یہ شیر غضبناک ہے بچے کے الم میں
سمجھو نہ اکیلا یہ ہزاروں سے لڑے گا
اکبرؑ نہ جیئے گا نہ اسے چین پڑے گا

۴

تم دیکھو تو کس حال سے آتا ہے یہ رن میں
ہے پیاس سے بے کام زباں کام و دہن میں
بے جنگ کیے ضعف سے رعشہ ہے بدن میں
قوت نہ رہی قوت بازوئے حسنؑ میں
آنکھیں نظر آتی ہیں جو سرخ ابن علیؑ کی
رویا ہے بہت لاش پہ ہمشکل نبیؐ کی

۵

اک بولا کہ کیوں خوف سے کرتے ہو یہ تقریر
نے زخم کوئی نیزے کا کھایا ہے نہ شمشیر
گھبراؤ نہ مجروح نظر آتا ہے شبیرؑ
حالت ہے مگر سید مظلوم کی تغئیر
لڑنے کا ارادہ نہیں پہچانتے ہیں ہم
اب صلح بھی گر چاہے تو کب مانتے ہیں ہم

۶

حضرتؑ نے کہا [illegible] کہ اے قوم ستمگار
تم جانتے ہو میری کمر میں ہے وہ تلوار
ڈرتا نہیں تم سے خلف حیدرؑ کرار
بچتا نہیں ہے ضرب سے جس کی کوئی زنہار
پر بازوؤں کا زور تو سب لے گئے عباسؑ
بھائی کو فقط اپنا الم دے گئے عباسؑ

۷

طاقت جو جگر کی تھی وہ اکبرؑ گئے لے ساتھ
دل میں نہ ہو طاقت تو اٹھے جنگ کو کب ہاتھ
اکبرؑ نہیں جیتا ہے ہم ابھی جیتے ہیں ہیہات
جب تک علی اکبرؑ سے نہ ہووے گی ملاقات
تب تک نہ مجھے آرام نہ ہووے گا جہاں میں
پڑ جائے کہیں تفرقہ جلدی تن و جاں میں

۸

تم سب نے مجھے زخمی جو بتاتے ہو بجا ہے
مجروح اسی تیر نے مجھ کو بھی کیا ہے
جو تیر گلے پر علی اصغرؑ کے لگا ہے
پر زخم مرے بازو کا [illegible] یہ کیا ہے
فرقت ہوئی ہے جب سے پدر اور پسر میں
اس زخم سے گہرا ہے کہیں زخم جگر میں

۹

اب ہوش مجھے کچھ نہیں اپنے تن و سر کا
دکھلائے خدا داغ کسی کو نہ پسر کا
سب بیٹوں میں عاشق تھا میں اس رشک قمر کا
یہ زخم کہاں اور کہاں زخم جگر کا
گو جسم کا تیغوں سے ہر اک بند جدا ہو
پر باپ کے سینے سے نہ فرزند جدا ہو

۱۰

باقی تھی یہی تیغوں سے ہو میرا بچاتے — برچھی مگر اکبر کی نہ چھاتی پہ لگاتے
تم کاٹ کے شانوں سے مرے ہاتھ گراتے — پر دست ستم بازو پہ میرے نہ اٹھاتے
کچھ غم نہ تھا پامال جو کرتے مرے تن کو — گھوڑوں سے کچلتے نہ مگر ابن حسن کو

۱۱

مرتا ہے عزیز ایک جو دنیا میں کسی کا — کیا حال کہو ہوتا ہے اس شخص کے جی کا
لشکر تھا ابھی سبط رسول عربی کا — اب کوئی بجز یاس نہیں ابن علی کا
اک جان ہے سو صورت غم درد و بلا ہے — اک دل ہے سو داغوں سے عزیزوں کے بھرا ہے

۱۲

میرے لئے ایک ایک نے جان اپنی گنوائی — کیا کیا مجھے صدمے ہوئے کس کس سے جدائی
اب پاس نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی — سب مر گئے افسوس مجھے موت نہ آئی
تنہائی میں جینے کا مزا آہ نہیں ہے — دنیا سے ہے کوچ اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

۱۳

عباس علی دیکھ نہ سکتے مجھے مرتے — قاسم بھی نہیں عمو کی مدد آ کے جو کرتے
اکبر نہیں جو قبر میں لاشہ مرا دھرتے — تنہا جو نہ ہوتا تو یہ صدمے نہ گزرتے
یہ غم نہیں کچھ پاس نہ ہونے سے کسی کے — اشتر تو ہے سر پہ حسینؑ ابن علی کے

۱۴

گو خشک دہن میں ہے زباں تشنہ لبی سے — بندہ وہ جسے کام ہو خالق کی خوشی سے
بھر جائے اگر سارا جہاں سبط نبیؐ سے — نومید نہ ہوں ذات جناب احدی سے
تنہا مرے ہونے میں کچھ اسرار نہاں ہیں — وہ خوب سمجھتا ہے مجھے فہم کہاں ہے

۱۵

بچپن سے مرے حال پہ اس کی ہے عنایت — سب طرح کی بخشی ہے مجھے قوت و قدرت
بابا کی طرح مجھ میں بھی ہے زور امامت — اک پل میں اگر چاہوں تو کر دوں تہ غارت
آج اس کے کرم سے سب ہی مقدور ہے مجھ کو — پر اس کی جو مرضی وہی منظور ہے مجھ کو

۱۶

جیسے رفقا تھے پھر اگر ویسے ہی پاؤں — صدقہ کروں اس راہ میں غم ان کا نہ کھاؤں
کچھ دھیان عزیزوں کی محبت کا نہ لاؤں — قرباں کروں سب کو اور امتؐ کو بچاؤں
تنہائی میں بھی تابع مرضی خدا ہوں — نانا تھے فدا مجھ پہ میں امت پہ فدا ہوں

۱۷

پر حیف کہ کچھ قدر نہ کی تم نے مری آہ — اب میں بھی نکل جاؤں جو دو تم مری راہ
جو مجھ پہ کیا ظلم خدا اس سے ہے آگاہ — اس پر بھی خصومت مجھے تم سے نہیں واللہ
اکبر کا نہ اصغر کا نہ عباس کا غم ہے — ناموس محمد کی تباہی کا الم ہے

۱۸

مظلوم کو سید کو زیادہ نہ ستاؤ — میں جاؤں کسی سمت کو تم شام کو جاؤ
شمر مرے قتل سے اب ہاتھ اٹھاؤ — احساں مرے نانا کے تو دل سے نہ بھلاؤ
بے جاں کرو گے آج جو فرزند علی کو — کیا منہ نہ دکھاؤ گے رسولؐ عربی کو

۱۹	گر راضی ہو اس امر پہ اے قوم جفا کار بے دفن پڑے ہیں جو عزیز اور مرے انصار تو اتنی اجازت کا بھی ہوں تم سے طلب گار قبریں کروں ان بے کس و مظلوموں کی تیار مارے گئے جو یاں مرے ساتھ آکے وطن سے کیونکر انہیں محروم رکھوں گور و کفن سے
۲۰	تھوڑی سی بھی مہلت اگر اس وقت میں پاؤں آغوش لحد میں علی اکبرؑ کو سلاؤں تو خاک میں ان چاند سے ٹکڑوں کو چھپاؤں اک ننھی سی تربت علی اصغرؑ کی بناؤں پنہاں کروں لخت دل شبیرؑ کو زمیں میں گاڑوں تن عباسؑ دلاور کو زمیں میں
۲۱	اعدا سے جو شبیرؑ نے رو کر یہ کہی بات جانے دیں کہیں یاں سے یہ بے جا ہیں خیالات یوں کہنے لگے تیغوں کو چمکا کے وہ بد ذات اب قتل سے حضرت کے اٹھا دیں گے نہ ہم ہات کس طرح بھلا گاڑو گے ہفتاد و دو تن کو محتاج رہو گے انہیں جب گور و کفن کو
۲۲	شہ بولے مرا قتل ہی گر مدنظر ہے پیاسا ہوں وہ جو ساقی کوثر کا پسر ہے تو پیاسے کو کیا پانی پلانے میں ضرر ہے انصاف کرو دل میں ذرا دھیان کدھر ہے مرتے ہوئے کے منہ میں چوا دیتے ہیں پانی حیواں کو دم ذبح پلا دیتے ہیں پانی
۲۳	جس روز بپا ہوئے گا ہنگامۂ محشر مختار شفاعت کا کرے گا مجھے داور اور پیاس سے سب خلق خدا ہوئے گی مضطر ہوگا کوئی میرے سوا ساقی کوثر بیکس ہوں پہ اس دن میں ہی کام آؤں گا واللہ جنت میں جسے چاہوں گا لے جاؤں گا واللہ
۲۴	کہہ کر یہ سخن پانی جو مانگا کئی باری افواج ستم درہم و برہم ہوئی ساری مظلومی شبیرؑ پہ رونے لگے ناری اور آنکھوں سے گھوڑوں کے بھی آنسو ہوئے جاری رو دیتے تھے سرگردہ جو لب خشک دکھا کر نزدیک تھا پانی جو پلا دے کوئی آکر
۲۵	تب شمر ستمگر نے یہ بڑھ کر کیا نہ کور شہ نے کہا ظالم ترا اتنا نہیں مقدور پانی نہ ملے گا نہیں یہ دل سے رکھو دور پر مرضی معبود یہی ہے تو ہیں مجبور تو چشمے اگر سامنے پانی کے بہیں گے صابر بھی ہم ایسے ہیں کہ پیاسے ہی رہیں گے
۲۶	اب لطف بھی یہ پانی کے پینے میں نہیں ہے کچھ دور نہیں ساقی کوثر بھی قریں ہے سب مر گئے پیاسے مری اک جان حزیں ہے جو دم ہے اب اپنا سو دم باز پسیں ہے کیا غم ہے جو یاں ہم کو میسر نہیں پانی کوثر کے یہ پانی سے تو بہتر نہیں پانی
۲۷	لو اعدا یہ بھی لو اٹھی ہوں جو پانی بھی نہ دو تم سب مل کے عبث پھر مجھے گھیرے ہوئے ہو تم سیراب کرو گھوڑوں کو اور آب پیو تم لڑتے ہو جو مجھ پیاسے سے اک ایک لڑو تم ہے داغ غم اکبرؑ و عباسؑ جگر میں قوت ہے نہ ہاتھوں میں طاقت ہے کمر میں

۲۸
دستور ہے یہ جنگ شجاعان عرب کا
انصاف کرو دل میں یہ انصاف کی ہے جا
گو لاکھوں ہوں پہ ایک سے ہو ایک ہی لڑتا
تم سو ہو مری تیغ سے بھی فزوں ہیں تن تنہا
تنہا کو جو مارا تو بڑا کام نہیں ہے
مردوں کے لئے ننگ ہے یہ نام نہیں ہے

۲۹
اعدا نے کہا سن کے یہ شبیر کی گفتار
اک ایک لڑے گا نہیں اس بات میں تکرار
بہتر ہے ہم اس طرح بھی ہیں لڑنے کو تیار
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سن کر شہ ابرار
فاقوں تھا پہ بجلی تھا فرس تیز قدم میں
بجلی سا لگا کوندنے میدان ستم میں

۳۰
مقتل میں ابو مخنف راوی نے لکھا ہے
اک شخص ادھر بھی تھا فن جنگ میں یکتا
تھے منتظر جنگ ادھر سید والا
نیزے کو ہلاتا ہوا پہلے وہی نکلا
سر تا قدم آہن میں نہاں مسلح وہ جواں تھا
اک پیل سا آسیب وجود اس کا پہ عیاں تھا

۳۱
حضرت سے کہا اس نے کہ اے مرد مسافر
سب اپنے عزیزوں کو بلا جنگ کی خاطر
تو ایک ہزاروں سے بھلا لڑنے کو حاضر
حضرت نے کہا مارے گئے سب مرے ناصر
تنہا ہوں میں اب کوئی مرے پاس نہیں ہے
لیکن بخدا کچھ مجھے وسواس نہیں ہے

۳۲
بولا پسر شیر الٰہی سے وہ بے پیر
فرمانے لگے اس سے یہ تب حضرت شبیر
دعویٰ ہے شجاعت کا تو پھر کھینچ شمشیر
تو پہلے لگا نیزہ و تیغ و تبر و تیر
زخمی ہوں پہ سبقت مجھے منظور نہیں ہے
حیدر کے گھرانے کا یہ دستور نہیں ہے

۳۳
مشہور جہاں ہے مرے بابا کی شجاعت
ہر جنگ میں دشمن سے کبھی کی نہیں سبقت
تنہا ہی ہزاروں سے لڑے شاہ ولایت
خود سوتے سے قاتل کو جگایا شب ضربت
تھا علم انھیں محرم اسرار خدا تھے
جو چاہتے سو کرتے پہ راضی بہ رضا تھے

۳۴
جب وار لعین نے سر اقدس پہ لگایا
ہاتھ اس پہ ید اللہ نے ہرگز نہ اٹھایا
اور سامنے بابا کے وہ پکڑا ہوا آیا
جو آپ کیا نوش وہی اس کو کھلایا
میں بھی تو اسی شیر الٰہی کا پسر ہوں
کس طرح سے سبقت کروں گو تشنہ جگر ہوں

۳۵
یہ سن کے وہ نیزے کو پکڑ سامنے آیا
جو سیکھا تھا نیزے کا ہنر سب وہ دکھایا
میدان میں سوار ہوا کو کاوے پہ لگایا
یاں سے بھی جواب اس نے ہر ایک فن کا پایا
پر کچھ نہ سکا سبط رسول مدنی سے
نیزے کو اڑا لے گئے نیزے کی انی سے

۳۶
جھنجھلا کے کماں دوش سے ظالم نے اتاری
اب دیکھئے حضرت قدر اندازی ہماری
اور جوڑ کے تیر اس میں لگا کھینچنے وہ ناری
سن کر یہ سخن فوج سب احسنت پکاری
بجلی سی چلی شاہ کی تیغ دو زباں بھی
دو ٹکڑے ہوا تیر بھی چلا بھی کماں بھی

۳۷

دانتوں سے لگا کاٹنے ہاتھ اپنے وہ بے پیر
رد کر چکے جب وار کئی حضرت شبیرؑ
حملہ کیا نامرد نے پھر کھینچ کے شمشیر
دکھلائی اسے فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
دھبا بھی لگا خوں کا نہ شمشیر دودم پر
اک وار میں سر جا پڑا چالیس قدم پر

۳۸

تانے ہوئے گرز آیا پھر اک یل خودسر
تھی ابن یداللہ میں نہ بس قوت حیدرؑ
بالا قد و زور آور و چالاک و قوی تر
پھینکا ہوئے افلاک کمربند بگرہ کر
اس پھرتی سے گرنے پہ کیا وار لعیں پر
دو ہو کے مع گرز گرا روئے زمیں پر

۳۹

اک ایک اسی طرح لگا آنے پئے جنگ
جو فوج سے نکلا وہ وہیں ہو گیا چو رنگ
تھا ابن یداللہ کی لڑائی کا وہی ڈھنگ
ٹپکا کئی اسواروں کو دے ہاتھ تہ تنگ
دہشت سے قدم آگے نہ بڑھتا تھا کسی کا
تھا فوج میں غل ضربت شمشیر علیؑ کا

۴۰

یوں ایک کے بعد ایک سے لڑتا تھا وہ ذیشاں
جب پانچ ہزار اہل ستم کو کیا بے جاں
معمور تن و سر سے نظر آتا تھا میداں
لشکر میں ہوا شور ہوئی فوج ہراساں
دل سینوں میں تھراتے تھے جنگ شہ دیں سے
تکبیر کی آتی تھی صدا لشکر کیں سے

۴۱

اک شور تھا لشکر میں صفیں تھیں تہ و بالا
بے طرح پڑا ہے ہمیں اس شیر سے پالا
کہتے تھے بچا لیجیو اللہ تعالیٰ
اب ایک کو جیتا نہیں چھوڑنے والا
میداں میں بڑھا پاؤں کہ سر تن سے جدا ہے
یہ ضربت شمشیر نہیں قہر خدا ہے

۴۲

جب شمر کو لشکر کا نظر آیا یہ عالم
گھبرا کے پکارا عمر سعد کو ظالم
واللہ اگر دونوں جہاں آج ہوں باہم
شبیرؑ سے بر آ نہ سکے گا کوئی اس دم
ایک ایک لڑے کس سے یہ حیدرؑ کا پسر ہے
کٹ جائے گی سب فوج ترا دھیان کدھر ہے

۴۳

زور بشری یاں ہے وہاں زور قیامت
اللہ نے دی ہے اسے حیدرؑ کی شجاعت
مخدومۂ عالم کی یہ ہے دودھ کی طاقت
بس ہے وہی طاقت وہی جرأت وہی ضربت
گر فتح ہے منظور تو تدبیر سے لڑ لو
اب چار صفیں باندھ کے شبیرؑ سے لڑ لو

۴۴

دو چار صفیں گرد ہوں اور بیچ میں شبیرؑ
پھر چلیں اک صف سے تو زخمی ہو یہ دلگیر
اک صف سے چلیں نیزے تو اک صف سے چلیں تیر
اور مستعد اک صف رہے کھینچے ہوئے شمشیر
غش طاری ہو جب ضعف سے اس سرور دیں پر
تب اس کو تلواروں سے گرا دو زمیں پر

۴۵

آراستہ کیں سن کے یہ ظالم نے صفیں چار
تھے جانب چپ نیزوں کو تانے ہوئے خونخوار
ارشاد کیے داہنی طرف سارے کماندار
اور سامنے تھے تیغ لئے سنگ دل اشرار
پیچھے لئے ایک غول لعیں پشت کھڑا تھا
اور بیچ میں تنہا پسر شیر خدا تھا

۴۶
چلتے تھے جفا کیشوں کے تیر ایک طرف سے
اور نیزے لگاتے تھے شریر ایک طرف سے
تھی جنگ زناں فوج کثیر ایک طرف سے
تھا شور بدار اور بگیر ایک طرف سے
لاکھوں میں گھرے تشنہ دہن تیغ بکف تھے
حملے شہ والا کے مگر چار طرف تھے

۴۷
نیزوں کے نیستاں میں کبھی جا پڑے جوں شیر
نیزوں کو قلم کر دیا لاشوں کا کیا ڈھیر
گہہ آئے کمانداروں پہ کھینچے ہوئے شمشیر
جوں تیر گریزاں ہوئے سب آگے سے رخ پھیر
گھوڑے سے لپٹ تیغ زنوں سے یہ لڑے تھے
بت بن گئے پتھر جو ہوئے لوگ کھڑے تھے

۴۸
رہوار کو غازی کے نہ تھی حاجت مہمیز
ان فاقوں میں چالاکی میں صرصر سے بھی تھا تیز
ہر غول پہ تھی آتش شمشیر شرر ریز
صحرائے قیامت تھا وہ میدان بلاخیز
آہن میں نہاں سامنے اس تیغ کے جو تھا
یہ فرق تلک پہنچی کہ بے فرق وہ دو تھا

۴۹
یکبار ہوئیں چار صفیں درہم و برہم
اور شور ہوا لشکر اعدا میں یہ اس دم
اے سید لب تشنہ شہنشاہ دو عالم
کر رحم کہ ہیں امت محبوبؐ خدا ہم
شہ بولے جو ہے پاس رسولؐ دوسرا کا
بتلاؤ کہ میں کون ہوں محبوبؐ خدا کا

۵۰
سلطان رسالت کی میں بیٹی کا ہوں جایا
کیوں تم نے محمدؐ کے نواسے کو ستایا
مجھ سے مرے پیارے علیؑ اکبر کو چھڑایا
یہ کہتے ہی اس غازی کو اک طیش بھر آیا
حملہ کیا پھر تول کے شمشیر دو دم کو
بے جان کیا بیس ہزار اہل ستم کو

۵۱
جنگ پسر فاطمہؑ کا دیکھ کے انداز
کہتے تھے ملائک یہ شجاعت ہے کہ اعجاز
شہ بولے یہ جرأت کے دکھلاؤں میں جانباز
یکبار یہ آئی اسداللہ کی آواز
اے لخت بنت رسولؐ مدنی کے
میں صدقے تری پیاس کے اور تیغ زنی کے

۵۲
کرتا ہیں تعریف سمجھ کر تمہیں فرزند
گھبرایا نہیں میں بھی کسی جنگ میں ہرچند
لڑتا رہا لاکھوں سے مگر اے مرے دلبند
پانی ترے بابا پہ ہوا تھا نہ کبھی بند
تنہائی میں ایسا نہ کوئی کھیت پڑا تھا
دو روز کا پیاسا تو کبھی میں نہ لڑا تھا

۵۳
مارے نہ گئے تھے مرے یاور مرے آگے
شکر ہے نہ ہوا تھا مرا لشکر مرے آگے
بے جان نہ ہوئے تھے مرے دلبر مرے آگے
پیوستہ ہوا تھا نہ برادر مرے آگے
اس غم میں لڑے لاکھوں سے کب تاب بشر ہے
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی جگر ہے

۵۴
سن کر یہ صدا خوش ہوا سبط شہ لولاک
پھر تیسرا حملہ کیا جوں شیر غضبناک
دہشت سے زمیں ہل گئی تھرا گئے افلاک
برہم ہوئی اک بار صف لشکر سفاک
غل تھا کہ نہیں بچنے کا جیتا کوئی اب کے
اس حملے میں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے

۵۵

کچھ دور نہیں ہے اگر آجائے قیامت
میدان ستم ہو گیا صحرائے قیامت
یاں آج ہے ہنگامۂ فردائے قیامت
اللہ نہ اس طرح کی دکھلائے قیامت
غش میں نواسا ہے رسولؐ دوسرا کا
اب خاتمہ ہے امت محبوب خدا کا

۵۶

اعدا پہ چلی تھی نہ ابھی شاہ کی تلوار
جو آئی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے اک بار
اے سبط پیمبرؐ خلف حیدرؑ کرار!
وہ یاد ہے بچپن میں کیا تھا جو کچھ اقرار
غصہ ہے اگر آج یہی لشکر کیں پر
جیتا نہیں بچنے کا کوئی روئے زمیں پر

۵۷

ہم نے وہ عطا کی ہے تجھے قوت و قدرت
ہو تجھ سے مقابل یہ کسی میں نہیں طاقت
پر آج نہ ہووے گی اگر تیری شہادت
ہوگی نہ کبھی امت عاصی کی شفاعت
اگر جان ہو پیاسی تو لعینوں کو بھگا دے
بخشانی ہے امت تو گلا جلد کٹا دے

۵۸

تھرا گئے سن کر یہ صدا حضرت شبیرؑ
ہٹوڑا لیا سر رکھ لی وہیں میاں میں شمشیر
کہنے لگے اے رب عُلا مالک تقدیر!
عالم ہے تو اس کا کہ مری کچھ نہیں تقصیر
ناچار ہوا تھا کہ بہت بے ادبی کی
لڑتا ہوں ندامت سے رسولؐ عربی کی

۵۹

اب قتل کروں میں انہیں میرا نہیں مقدور
بندے کو وہ منظور ہے جو ہے تجھے منظور
تیروں سے ہو چھلنی کہ بدن تیغوں سے ہو چور
دم ماروں ترے حکم میں اس کا نہیں مذکور
تلواریں ہی اب کھاؤں گا گردن کو جھکا کر
دیکھوں گا نہ قبضے کی طرف آنکھ اٹھا کر

۶۰

ایذا کو سمجھتا ہوں تری راہ میں راحت
یہ سنگ ہیں زخموں پہ مرے سنگ جراحت
ملتی ہے مجھے برچھیاں کھانے میں حلاوت
تلواروں کے خط جسم پہ ہیں خط شفاعت
کچھ رنج نہیں زخمی اگر تیروں سے ہوں گا
بوسہ لب ہر زخم سے سوفاروں کا لوں گا

۶۱

شمر آئے گا گر پاس مرے کھینچ کے خنجر
بے عذر جھکا دوں گا خوشی ہو کے وہیں سر
ہاتھ اس کا اگر کانپے گا اے خالق اکبر
رکھ دوں گا دم تیغ کو آپ اپنے گلے پر
بیتاب ہوں امت کی شفاعت کی خوشی ہے
بچپن سے مجھے اپنی شہادت کی خوشی ہے

۶۲

سر کٹ کے جو تن سے مرا نیزے پہ چڑھے آج
تو فخر کروں میں کہ ملا تخت معراج
لاشہ رہے میرا کفن و گور کو محتاج
ناموس مرے قید ہوں گھر ہو مرا تاراج
بلوے میں سر زینبؑ و کلثومؑ کھلا ہو
یہ سب ہو مگر امت عاصی کا بھلا ہو

۶۳

یہ کہہ کے لعینوں کو صدا دی کہ اب آؤ
بس لڑ چکے ہم اب ہمیں تلواریں لگاؤ
خوں حلق سے اصغرؑ کے نواسے کا بہاؤ
تیروں کا نشانہ مرے سینے کو بناؤ
صبر پسر شاہ ولایت کو بھی دیکھو
جرأت کو تو دیکھا مری غربت کو بھی دیکھو

۶۴

خائف تھے ستمگار یہ حیدرؑ کے پسر سے
فرماتے تھے شہ کھول کے ہتھیار کمر سے
نزدیک نہ آتا تھا کوئی جان کے ڈر سے
کیوں ڈرتے ہو ہرگز نہ دغا ہوگی ادھر سے
تلوار مری ڈوب چکی خون عدو میں
ارمان تڑپنے کا ہے اب اپنے لہو میں

۶۵

بھاگے ہوئے یہ سن کے ستمگار پھر آئے
اک تیر کے پلّے سے کماندار پھر آئے
تانے ہوئے نیزوں کو جفاکار پھر آئے
چمکاتے ہوئے تیغوں کو اشرار پھر آئے
زخم تبر و تیر لگے سینۂ و سر پر
سب ٹوٹ پڑے فاطمہؑ زہرا کے پسر پر

۶۶

زخمی ہوا تیغوں سے تن سبط پیمبرؐ
نیزے بھی لگے چھاتی پہ اور ظلم کے خنجر
عمامۂ محبوب خدا خوں سے ہوا تر
قبلے کی طرف ضعف سے گرنے پہ جھکا سر
سرتا بہ قدم چور ہوئے تیغ و سناں سے
جز شکر نکلا نہ کوئی حرف زباں سے

۶۷

پہلو پہ جو مارا کسی بے رحم نے بھالا
مظلوم کا واں کوئی نہ تھا تھامنے والا
سنبھلا نہ گیا آپ کو ہر چند سنبھالا
گھوڑے سے گرا فاطمہؑ کی گود کا پالا
سب چھاتی جو مجروح تھی اس تشنہ گلو کی
زخموں سے اڑیں دور تلک چھینٹیں لہو کی

۶۸

حال شہ دیں شمر سیہ رو نے جو دیکھا
ہمراہ تھے نامرد کے ستّر ستم آرا
کھینچے ہوئے وہ خنجر کیں فوج سے نکلا
ان سب نے کیا سید مظلوم پہ نرغا
قبلے کی طرف خاک پہ حضرت تو پڑے تھے
کھینچے ہوئے خنجر وہ لعیں گرد کھڑے تھے

۶۹

سر ننگے کھڑی بیبیاں دیتی تھیں دہائی
چلّاتی تھی یوں حیدرؑ کرار کی جائی
کیوں لوٹتے ہو فاطمہؑ زہرا کی کمائی
مظلوم ہے سیّد ہے لعینو مرا بھائی
حاجی ہے مسافر ہے گرفتار بلا ہے
یہ ظلم محمدؐ کے نواسے پہ روا ہے!

۷۰

چلّاتی رہی پیٹ کے سر زینبؑ ناشاد
چھاتی پہ چڑھا سبط پیمبرؐ کی وہ جلّاد
ظالم نے سنی دختر زہراؑ کی نہ فریاد
مظلوم کی گردن پہ رکھا خنجر فولاد
بس آگے انیسؔ اب کسے یارائے بیاں ہے
یہ مرثیہ مقتول امام دو جہاں ہے

رباعی

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و دین و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

رباعی

بندوں پہ کرم حضرت باری کا ہے
مقدور کسے شکر گزاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
ثمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے

مرثیہ ۱

جب قطع ہوئے نخلِ گلستانِ علیؑ کے
بے دم ہوئے دلدار دل و جانِ علیؑ کے
سر کٹ گئے تیغوں سے جوانانِ علیؑ کے
عاشق نہ رہے یوسفِ کنعانِ علیؑ کے
خاک اڑنے لگی پنجتنِ پاک کے گھر میں
لوٹا گیا زہراؑ کا چمن تین پہر میں

۲

باقی تھا نہ ہمدرد نہ یاور شہِ دیں کا
خالی ہوا تا ظہر بھرا گھر شہِ دیں کا
بیٹا نہ بھتیجا نہ برادر شہِ دیں کا
تھا شور کہ ہاں کاٹ لو اب سر شہِ دیں کا
عباسؑ نہیں ہیں علم و فوج نہیں ہے
اب فاطمہؑ کے لال کا وہ اوج نہیں ہے

۳

سر دار سے جا جا کے یہ کہتے تھے ستمگار
آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں بازو ہیں تو بیکار
اب قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ کچھ نہیں دشوار
رکھ دیں گے گلا آپ تہِ خنجرِ خونخوار
اس غم میں کہاں جنگ کا یارا شہِ دیں کو
اکبرؑ سے جواں مرگ نے مارا شہِ دیں کو

۴

جس سے ہو جدا یوسفِ ثانی وہ لڑے کیا
ہٹ جائے جسے یہ تشنہ دہانی وہ لڑے کیا
ہے جس کو پسر داغِ جوانی وہ لڑے کیا
دو دن نہ ملا ہو جسے پانی وہ لڑے کیا
چھینے سے جو پسر آنکھوں سے وہ ہوش رہا تھا
یعقوبؑ کو اس داغ میں کب ہوش رہا تھا

۵

تھا سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر
پہلا تو تھا رعشہ ہو کہ تھمتی نہیں شمشیر
واللہ کہ پہچانے نہیں جانے ہیں شبیرؑ
یعقوبؑ کو یوسفؑ کی جدائی نے کیا پیر
خم ہو گئے کھو کر علی اکبرؑ سے پسر کو
تھی روشنی میں آنکھ تو بینائی نہ سحر کو

۶

بازو تو شکستہ ہے کمر ضعف سے خم ہے
پیری میں جوان بیٹے کے مر جانے کا غم ہے
صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
تھی سامنے لاش اکبرؑ مجروحِ جگر کی
حضرتؑ سے نہ پہچانی گئی لاش پسر کی

۷

جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی
اور جب سے بہن خیمہ سے باہر نکل آئی
تب لاشِ پسر قبلۂ کونین نے پائی
رخساروں پہ زردی ہے اسی وقت سے چھائی
بے پردہ ہوئی زینبؑ سی بہن شرم کی جا ہے
فرزند کے مر جانے سے یہ داغ سوا ہے

۸

تھا حق بطرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا
کیا سنبھلے وہ جس کا ہو کلیجہ تہ و بالا
اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
بابا کی محبت نے اسے گھر سے نکالا
ورنہ کبھی باہر قدم اس کا نہیں نکلا
دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا

۹

ہم سمجھے تھے مر جائیں گے فرزند کے ہمراہ
گودی میں پسر مر گیا اور منہ سے نہ کی آہ
ہیں صبر میں ایوبؑ سے افزوں شہِ ذی جاہ
بولے تو یہی بولے کہ توکلت علی اللہ
لیکن غمِ فرزند کچھ آسان نہیں ہے
خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہے

۱۰
آنکھوں سے چھپا چاند جہاں ہو گیا اندھیر
طالب ہیں کہ گردن پہ پھرائے کوئی شمشیر
فاقہ ہے کئی دن کا مگر زیست سے ہیں سیر
فرماتے ہیں اے موت اب آنے میں ہوئی دیر
بجھتے ہوئے دیکھوں گا چراغ اور کسی کا
کیا ہے ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا

۱۱
اب تو کوئی ایسا نہیں جو برچھیاں کھائے
اصغر بھی ہوئے قتل حسینؑ اب کسے لائے
اکبرؑ تھے فقط پاس سو وہ خوں میں نہائے
اب تو یہی متوقع ہے کہ جلدی اجل آئے
فرزند پدر کا نہ دشمن سے جدا ہو
اب زیست اسی میں ہے کہ سر تن سے جدا ہو

۱۲
سوکھی ہوئی ہے منہ میں زباں پیاس کے مارے
اب کس کا بھروسا علی اکبرؑ تو سدھارے
چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے
ظاہر میں تو زندہ ہیں پہ ہیں گور کنارے
روتے ہوئے ناموس پیمبرؐ یہیں گئے ہیں
گر گر کئی جا خیمۂ اطہر میں گئے ہیں

۱۳
جو قتل ہوا شیر سے جھپٹے ہوئے آئے
تلواریں بھی بےکس پہ چلیں تیر بھی کھائے
سر ایک کا اتنوں میں نہ ہم کاٹنے پائے
لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے
زحمت یہ اٹھی تا یہ کیا تشنہ دہن سے
اب تاب و تواں نے بھی کنارا کیا تن سے

۱۴
سن کر یہ سخن کہنے لگا شمر ستمگار
ڈر کس کا ہے اب زندہ ہے کیا شہ کا علمدار
خیمے پہ چلو دیر مناسب نہیں زنہار
ہو جائے پسر سامنے بابا کے گرفتار
زینبؑ کی ردا چھین لو شبیرؑ کے آگے
کاٹو سر شبیرؑ کو ہمشیر کے آگے

۱۵
ڈر یہ ہے کہ دولت نہ کہیں شاہ کی ٹل جائے
سب شام کا ہے قرب جو دن اور بھی ڈھل جائے
سجادؑ نہ سیدانیوں کو لے کے نکل جائے
بہتر ہے کہ خیمہ شہ مظلوم کا جل جائے
تا زیست کوئی قید سے آزاد نہ ہووے
لٹ جائے یہ گھر یوں کہ پھر آباد نہ ہووے

۱۶
بولا پسر سعد لعیں سن کے یہ تقریر
کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہے شبیرؑ
بیکار یہ باتیں ہیں کہ ہو جنگ کی تدبیر
کھل جائے گا جب آئیں گے وہ باندھ کے شمشیر
غیظ آ گیا گر ابن شہنشاہ عرب کو
خیبر کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

۱۷
سچ ہے کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی
دو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی
دس بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی
وہ اور لڑائی تھی یہ ہے اور لڑائی
ہے سب سے فزوں حضرت شبیرؑ کی طاقت
اس شیر میں ہے فاطمہؑ کے شیر کی طاقت

۱۸
زور آوری صفدری حیدرؑ کرار
رگ رگ سے اثر دودھ کا زہراؑ کے نمودار
تاثیر لعاب دہن احمدؐ مختار
جچتی ہے انھیں کے قبضے میں وہ تلوار
گیتی جو الٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہے
اللہ رے امامت کا تو زور نہیں ہے

۱۹

جیتا ہے ابھی احمد مختار کا پیارا
تلوار کا کیا ذکر جو کردے وہ اشارا
ناموس کا لٹنا اسے ہوگا نہ گوارا
دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا
جلدی نہ کرو فتح میں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
ایسا نہ ہو عجلت میں بنا کام بگڑ جائے

۲۰

شبیر کے سر کٹنے کی سر ہو گی مہم جب
حاکم کی ظفر ہو گئیں اپنا ہے یہ مطلب
پھر کون ہے لے لیں گے ردا سر زینبؑ
کیا جلدی ہے لوٹو گے تمہیں زیور و زر سب
بیمار ہے سجادؑ کا کیا زور چلے گا
ناموس بھی لٹ جائیں گے خیمہ بھی جلے گا

۲۱

خود آئیں گے وہ تم نہ ابھی خیمہ پہ جاؤ
بے کس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے آؤ
ٹوٹی ہوئی لشکر کی صفیں پہلے جماؤ
سید کا گلا کاٹ کے فرصت تمہیں پاؤ
دم بھر میں یا در فتح و ظفر کھول کے سونا
اب راحت کو راحت سے کمر کھول کے سونا

۲۲

جس وقت نے یہ سخن حیلہ و تزویر
جوڑے ہوئے چلے سے جفا کیش کوئی تیر
بڑھ بڑھ کے پرے رن میں جمانے لگے بے پیر
تولے کوئی نیزہ کوئی برچھی کوئی شمشیر
لشکر میں یہی قول تھا ایک ایک شقی کا
دیکھیں گے لہو آج حسینؑ ابن علیؑ کا

۲۳

دو لاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل
بدعہد و بد ایمان و جفا پیشہ و جاہل
خوں ریزوں کے نیزوں سے نیستاں سر ساحل
دشمن کے طرف دار نبیؐ زادوں کے قاتل
قرآں سے واقف نہ خبر اُن کو نجر سے
الفت بھی تو دنیا سے محبت بھی تو زر سے

۲۴

قلب ایسے کہ فولاد کی سختی سے جہاں نرم
خالق سے حیا کچھ نہ محمدؐ سے انھیں شرم
نے درد نہ الطاف نہ اکرام نہ آزرم
سادات کے خیمے کے جلانے پہ سرگرم
برہم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کے اندر
دینار جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر

۲۵

کپڑے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے
خنجر تو کمر بند میں تھے ہاتھوں میں بھالے
تحت الحنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے
سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے
مانا نہ علیؑ کو نہ رسولؐ عربی کو
دنیا کے لیے ذبح کیا آل نبی کو

۲۶

تھے چار صفیں باندھے ہوئے نہر پہ بے پیر
دو سمت پئے قتل شہ بے کس و دلگیر
اک صف میں تو تھیں برچھیاں اک صف میں فقط تیر
گرز و سنان و تبر و خنجر و شمشیر
بے فکر تھی اک بے کس و بے یار کی خاطر
حربے تھے یہ سب ایک تن زار کی خاطر

۲۷

توڑے تھے جنھوں نے در دندان پیمبرؐ
کہتے تھے یہ آپس میں برا اپنا جتا کر
وہ سنگ دل اک سمت خوشی ہوتے تھے یکسر
ماریں گے ہمیں فاطمہؑ کے لال کو پتھر
جو ضرب تنہا سید والا پہ لگے گی
چوٹ اس کی دل احمدؐ و حیدرؑ پہ لگے گی

۲۸

آمادۂ قتلِ شہِ دیں تھی سپہ شام
خیمے میں کمر باندھتے تھے شاہِ خوش انجام
سیدانیوں کے رونے کا تھا صحن میں کہرام
بکھرائے تھی بالوں کو ہر اک بے کس و ناکام
معصوم کئی خاک پہ بیہوش پڑے تھے
شاہِ شہدا رانڈوں کے حلقے میں کھڑے تھے

۲۹

تھامے تھی کوئی دامنِ فرزندِ پیمبر
بچہ لیے گودی میں کھڑی تھی کوئی ششدر
جھک کر قدمِ پاک پہ رکھتی تھی کوئی سر
رو دیتی تھی چہرے کی بلائیں کوئی لے کر
بے تاب تھے شہ بی بیوں کی نوحہ گری پر
پروانے گرے پڑتے تھے شمعِ سحری پر

۳۰

کہتی تھی کوئی ہاتھ کمر بند میں ڈالے
صدقے ترے اے فاطمہ کے نازوں کے پالے
حضرت تو چلے ہم کو کیا کس کے حوالے
چھوڑیں گے نہ یہ کہنہ ردا لوٹنے والے
یہ کون غریبوں کا اس اجڑے ہوئے بن میں
باندھیں گے گلے آلِ محمد کے رسن میں

۳۱

جب طبلِ مخالف کی صدا آتی تھی رن سے
دل بی بیوں کا سینوں میں ہو جاتے تھے سن سے
بچے نہ جدا ہوتے تھے سلطانِ زمن سے
لپٹی تھی بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے
چلاتی تھی ہے ہے مرے ماں جائے برادر
بن بھائی کی ہوتی ہے بہن ہائے برادر

۳۲

کیا مجھ کو غربت میں نہ تم چھوڑ کے جاؤ
سیدانی کو آفت سے اسیری کی بچاؤ
نکلے مرا دم تن سے تو پھر برچھیاں کھاؤ
جنوائے جو مری قبر تو جنگل کو بساؤ
کیا کم تھا مرے واسطے ماں باپ کا مرنا
اللہ نہ دکھلائے مجھے آپ کا مرنا

۳۳

ماں خلق سے جب اٹھ گئی تھیں جیتے تھے حیدر
تھے باپ کے مرنے سے حسن ہمدم و یاور
سمجھاتی تھی میں دل کو پس از رحلتِ شبر
شبیر سے بھائی کا ہے سایا مرے سر پر
حضرت تو ہیں زندہ مرے ماں باپ ہیں بھائی
زینب کے تو جو کچھ ہیں سو اب آپ ہیں بھائی

۳۴

حضرت کے سہارے پہ تو ماں باپ نے چھوڑا
پھر کون ہے لونڈی سے جو منہ آپ نے موڑا
اکبر کے جواں مرنے کا ماتم نہیں تھوڑا
مر جاؤں گی بھائی نہ طلب کیجیے گھوڑا
آفت ہے یہ سایہ جو مرے سر سے اٹھے گا
داغ آپ کے مرنے کا نہ خواہر سے اٹھے گا

۳۵

عادل ہو عدالت سے کہو یا شہِ صفدر
کیا کہہ کے دلِ زار کو سمجھائے یہ خواہر
دنیا میں کوئی اور ہے زینب کا برادر
قرآن گئی صبر مجھے آئے گا کیونکر
سند کو محمد کی اکھڑتے ہوئے دیکھوں
ہے ہے یہ گلا تیغ سے کٹتے ہوئے دیکھوں

صدقے میں ترے اے اسد اللہ کے پیارے
اماں کے وہ دکھ درد مجھے یاد ہیں سارے
آقا ترے بدلے مجھے نیزہ کوئی مارے
سید ترے قدموں پہ کوئی سر مرا وارے
پردیس میں رسی سے بندھیں ہاتھ بہن کے
ماں جائے کو رہنے دیں مگر ساتھ بہن کے

۳۷

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دل گیر
ہمراہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیرؑ
بس صبر کرو غش کہیں آ جائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو پھر بھی علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

۳۸

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی
صدمے سے جیے گی نہ سکینہؑ مری بالی
ہو صبر سے یتیموں کی تمھیں پالنے والی
صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہو گا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہو گا

۳۹

وہ حمد کے لائق ہے سزاوار ثنا ہے
ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار رضا ہے
آدمؑ کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کوئی بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

۴۰

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

۴۱

تھے تجھ سے بھی بہتر مرے جد و پدر و اُمّ
کیا ہو گئے اُن کو بھی کہیں دیکھتی ہو تم
رہتا ہے سدا بحر جہاں میں یہ تلاطم
اک چشم زدن میں کوئی پیدا تو کوئی گم
دشمن ہے کبھی دوست کبھی دوست عدو ہیں
ہم لوگ زمانے میں حباب لب جو ہیں

۴۲

یہ دہر نہیں خانۂ آسائش و آرام
دانا ہیں جو دنیا کو سمجھتے ہیں سدا دام
ہے جن کی زباں کو خطر تلخی انجام
شیرینی عالم سے سدا رہتے ہیں ناکام
ایسا نہیں کوئی جسے دل ریش نہ دیکھا
دنیا کے کسی نوش کو بے نیش نہ دیکھا

۴۳

کس کس کو ہم اس عمر دو روزہ میں نہ روئے
کیا کیا دُر یکتا نے صدف قبر میں سوئے
نایاب تھے جو لعل وہ اِن ہاتھوں سے کھوئے
گھر سیکڑوں یاں سیل فنا نے ہیں ڈبوئے
تکلیف زیادہ ہے تو رتبے بھی سوا ہیں
رہتے ہیں تباہی میں جو خاصان خدا ہیں

۴۴

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
جس در پہ گدا اُن کے ہوتے تھے تونگر
وہ مجمع احباب وہ دربار پیمبرؐ
وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکت حیدرؑ
بے اذن چلا آوے یہ مقدور تھا کس میں
ہاں آج وہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے جس میں

۴۵

جبریلؑ امیں خود جسے جھولے میں جھلائے
کیا گردش گردوں ہے وہ یوں ٹھوکریں کھائے
عصمت کا طبق خلد سے جس کے لیے آئے
وہ پیاس میں اک بوند بھی پانی کا نہ پائے
گردش نہ رہی ہے نہ سدا دور رہا ہے
دنیا کا ہمیشہ سے یہی طور رہا ہے

۴۶

اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب
وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب
یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
معلوم یہ ہوتا تھا کہ دیکھا تھا کبھی خواب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

۴۷

کیا آگے بہن کے نہیں مرتا کوئی بھائی
لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی
برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی
جاتی نہیں بے جان دیے جب اجل آئی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینبؑ
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینبؑ

۴۸

برسوں رہے ماتم میں پیمبرؐ کو نہ پایا
تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا
جس دن سے جدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دلِ بے صبر کو دیکھا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

۴۹

غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر
کیا کیجیے تقدیر جدا کرتی ہے خواہر
بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہوں گا کبھی باہر
بہتر ہے وہی کام جس میں رضامندی رب ہو
کیا عذر ہے سرکار میں جس وقت طلب ہو

۵۰

زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ مرتا
پیمانہ کبھی عمر کا آخر مری بھرتا
آتی نہ اجل سر جو تہِ تیغ نہ دھرتا
گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے
خوشنودی معبود ہے امت کا بھلا ہے

۵۱

ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا
تیغِ غمِ فرقت سے کلیجہ ہے دو پارا
مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمہارا
اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؑ
تم چھٹتی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہے شبیرؑ

۵۲

مرکر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

۵۳

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیرِ اعدا حافظ و ناصر
ہے رخصتِ شبیرؑ خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؑ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ

۵۴

اے عابدِ بیمارِ حزیں گھر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار
اے جانِ پدر آلِ پیمبرؐ سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل ہو جو آفت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تقریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

۵۵

کہکر یہ سخن گھر سے چلا فاطمہ کا لال — پیچھے ہوئیں سیدانیاں بکھرائے ہوئے بال
چلاتی تھیں بانو کہ گیا اب مرا اقبال — غل تھا کہ محمد کا چمن ہوتا ہے پامال
مائیں جو بلکتی تھیں تو غم کھاتے تھے بچے — لپٹے ہوئے حضرت سے چلے جاتے تھے بچے

۵۶

رانڈوں کی وہ فریاد یتیموں کی وہ زاری — غش کھا کے گری خاک پہ زینب کئی باری
حضرت سے لپٹتی تھی ہر اک درد کی ماری — ہے ہے کا یہ غل تھا کہ زمیں ہلتی تھی ساری
شپیر برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے — جس طرح نکلتا ہے جنازہ کوئی گھر سے

۵۷

دیکھا شہِ دیں نے جو قریب فرس آ کر — کوئی نہ پسر تھا نہ بھتیجا نہ برادر
زینب نے پکارا کہ ٹھہرو! آتی ہے خواہر — زہرا کی صدا آئی کہ موجود ہے مادر
کیا رتبہ عالی تھا رکابِ شہِ دیں کا — اک فاطمہ کا ہاتھ تھا اک روحِ امیں کا

۵۸

پہنچا جو درِ خانۂ زیں تک قدمِ پاک — تھرا کے جھکا سر بہ زمیں توسنِ افلاک
گھوڑے پہ چڑھا تختِ دلِ سیدِ لولاک — جبریل [illegible] ہوئے تھام کے فتراک
کس منہ سے کہوں حسنِ نشستِ شہِ دیں کو — معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو

۵۹

تھا زینِ فرس رحل تو قرآں شہِ والا — وہ تخت ہوا تھا تو سلیماں شہِ والا
وہ دوشِ صبا بو کے گلستاں شہِ والا — وہ برجِ شرف نیرِ تاباں شہِ والا
بو گل کی نسیمِ سحری لے کے چلی ہے — غل تھا کہ سلیماں کو پری لے کے چلی ہے

۶۰

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے — آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہِ نو شرم کے مارے — اٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیوں کر فلکِ ماہ جبیں کو — نقشِ سمِ توسن سے لگے چاند زمیں کو

۶۱

مرکب پہ ہیں مولا کہ تجلی ہے سرِ طور — چہرے کی ضیا سے ہے زمیں آئینۂ نور
ہر سنگ یہ تاباں ہے کہ شرمندہ ہے بلور — ڈھلتا نہیں دن دھوپ ہوئی جاتی ہے کافور
حیراں ہیں خبر نورِ خدا کی نہیں جن کو — ہے شور کہ لو دیکھ لیا چاند نے دن کو

۶۲

وہ ریشِ مخضب وہ رخِ سیدِ والا — ہے چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخِ پاک پہ ہالا — تھا صبح پہ دامن شبِ معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی تھی — خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی تھی

۶۳

معراج میں پہنے تھے جسے سیدِ لولاک — اس روز تھی زیبِ تنِ اطہر وہی پوشاک
[illegible] گلابی تھا عمامہ بہ سرِ پاک — فرزند کے ماتم میں [illegible] تھا گریباں چاک
جیسا تنِ پُرنور تھا ویسی ہی عبا تھی — پیراہنِ یوسف پہ محمد کی قبا تھی

۶۴
تعریفِ قبا سے تنِ پُرنور کروں کیا
بند ایسے کہ سو عقدۂ مشکل کو کریں وا
زیبِ جسدِ پاک جگر گوشۂ زہراؑ
پردہ وہ رہا جس سے گنہگاروں کا پردا
کلیاں وہ جنھیں غنچۂ دل دیکھ کے کھل جائے
وہ خلد میں ہے سایۂ دامن جسے مل جائے

۶۵
ہر جیب کا گھر نقدِ شفاعت سے بھرا ہے
جو تارِ گریباں ہے سو رحمت سے بھرا ہے
سینے کا جو پردا ہے لطافت سے بھرا ہے
دامن وہ ہے جو دین کی دولت سے بھرا ہے
ہے بخیہ نگیں اسم کی خاطر
بس قطع وہ جامہ تھا اسی جسم کی خاطر

۶۶
دستانے کو کیا ہاتھ میں پہنے وہ شہنشاہ
چار آئینہ کی نورِ خدا کو نہیں کچھ چاہ
جس شیر کے پنجہ میں ہو خود زورِ یداللہ
ہے حفظِ الٰہی زرۂ سیدِ ذی جاہ
کچھ ڈھال کی حاجت بھی دمِ جنگ نہیں ہے
خود پشت و پناہ دو جہاں وہ شہِ دیں ہے

۶۷
باندھے ہیں فقط تیغِ علیؑ سرورِ عادل
ہیں سامنے تیغیں لیے فرزندوں کے قاتل
تا جنگ میں کھل جائے سراک پر حق و باطل
غصہ مگر آتا نہیں کیا صبر ہے کیا دل
ہے دستِ قوی تیغِ شہنشاہِ عرب پر
مولا کے مگر رحم کو سبقت ہے غضب پر

۶۸
اس طرح رجز پڑھتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
ڈھالوں کی سیاہی سے ہے سب دشت میں اندھیر
جس طرح سے گونجے کسی جنگل میں کوئی شیر
غل ہے کہ خدا کا غضب آنے میں نہیں دیر
کچھ غیض جو آیا ہے شہِ عرش نشیں کو
مرتے ہیں تزلزل میں یہ لرزہ ہے زمیں کو

۶۹
ہیبت ہے کہ شیروں کے جگر کانپ رہے ہیں
یوں دشت کو جنبش ہے کہ در کانپ رہے ہیں
کیا ذکر حجر کا کہ شجر کانپ رہے ہیں
جبریلؑ بہت دور ہیں پر کانپ رہے ہیں
ہے خوف کہ کرسی نہ گرے فرش کے اوپر
پڑھتے ہیں ملک نادِ علیؑ عرش کے اوپر

۷۰
نہروں ہی میں چھلکتا ہے جو اس نہر کا پانی
شمشیر جو تولے ہے یداللہ کا جانی
ہر موج بھی بھولی ہوئی ہے اپنی روانی
ڈر سے سپر انداختہ ہیں ظلم کے بانی
جنگل کے ہرن خوف سے منہ موڑے ہوئے ہیں
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑے ہوئے ہیں

۷۱
غیظِ شہِ عالم نے عجب تہلکہ ڈالا
ہاتھ اپنا جو قبضے پہ دھرے ہیں شہِ والا
العظمۃ للہ تقدس و تعالیٰ
افلاک ہنڈولے کی طرح ہیں تہ و بالا
تھمتی ہے زمیں اس کو وہ تکتا ہے زمیں کو
دوران ہے گردوں کو تو سکتا ہے زمیں کو

۷۲
نعرہ ہے کہ محبوبِ الٰہی ہے مرا جد
میں خلق میں ہوں وہ گہرِ قلزمِ سرمد
دنیا میں نہیں میرے سوا سبطِ محمدؐ
زہرا نے فدا جس پہ کیے لعل و زبرجد
بیت الشرفِ سیدِ لولاک میں میں ہوں
باقی فقط اب پنجتنِ پاک میں میں ہوں

۷۳

بابا ہے مرا حامیِ دیں فاتحِ خیبر
حرزِ دو جہاں جوشنِ بازوئے پیمبر
دامادِ نبیؐ شیرِ خدا قاتلِ عنتر
سلطانِ قضا قدر و حیدرِ صفدر
پرنور کیا نور سے ایماں کی زمیں کو
تیغ اُن کی جلا دے گئی آئینۂ دیں کو

۷۴

ہوتا نہ اگر مصقلۂ تیغِ قضا رنگ
تھا صیقلِ یزداں کی لڑائی کا نیا ڈھنگ
آئینۂ اسلام سے جاتا نہ کبھی زنگ
دو کر دیا دم میں حق و باطل کو دمِ جنگ
دیں داروں کی بستی ہوئی ویرانہ جہاں تھا
واں خانۂ حق بن گیا بت خانہ جہاں تھا

۷۵

دیں جس سے ہو ظاہر وہ علیؑ کا ہے مدینا
ظلمت تھی جہاں کفر کی روشن ہے وہ سینا
ہے امن میں طوفاں سے ہماری سفینا
حق حق کی صدا ہے عوضِ قلقلِ مینا
آتش کی بھی وہ گرمیِ بازار نہیں ہے
اب دَور ہے تسبیح کا زنّار نہیں ہے

۷۶

حق کو نہ سمجھتا تھا کوئی خلق میں مطلق
جاری یہ ہوا خلق میں فیضِ اسدِ حق
ہر بت کو خدا جانتے تھے جاہل و احمق
آگے بھی کبھی تھی چمنِ دیں کی یہ رونق
مردود جدا ہو گئے مقبول جدا ہیں
دیکھو کہیں کانٹے ہیں جدا پھول جدا ہیں

۷۷

توقیر ملی سب کو اسی شاہ کے گھر سے
ہے عزتِ دیں بھی شہِ ذی جاہ کے گھر سے
ہاتھ آیا جسے جو سوئے اللہ کے گھر سے
بت توڑ کے باہر کیے اللہ کے گھر سے
اک شور تھا تکبیر کے نعروں کا حرم میں
کیا سخت مہم تھی جسے سر کر دیا دم میں

۷۸

مشہور ہے خیبر کی لڑائی کا فسانا
مشکل ہوا ظالم کو سپر چہرے پہ لانا
مرحب کی شجاعت کا معترف ہے زمانا
کس قوم نے اس تیغ کا لوہا نہیں مانا
تھراتے تھے جن زور فرشتوں کے گھٹے تھے
مرحب کی زرہ کیا پر جبریلؑ کٹے تھے

۷۹

جو حق سے پھرا امن کہیں اس نے نہ پایا
حیدرؑ کا قدم جب سرِ بیر الالم آیا
انساں تھے مگر دیو کے لشکر کو بھگایا
کوسوں نہ دکھائی دیا جنات کا سایا
تاب اُن کی لڑائی کی نبی جان نہ لاتے
بچتی نہ کبھی جان جو ایمان نہ لاتے

۸۰

اُس روز سے سب تابعِ فرمان ہیں الآں
جائیں مرے قدموں پہ گریں فخر سے قرباں
میں چاہوں تو حاضر ہو ابھی قومِ بنی جاں
پر محسنِ عالم کبھی لیتا نہیں احساں
جن کیا ہیں ملائک کا بھی احسان نہ لوں گا
میں وہ ہوں کہ خود آئیں گے اور اذن نہ دوں گا

۸۱

مقدور پہ کیا صبر ہے دیکھو دلِ شبیرؑ
مجھ سا نہ کوئی ہووے گا یوں تابعِ تقدیر
جوہر تو یہ اور قبضۂ قدرت میں ہے شمشیر
لاکھوں سے بھی عاجز نہیں میں بے کس و دلگیر
گو ضعف ہے اور شدتِ تشنہ دہنی ہے
ہاتھوں میں مگر قوتِ خیبر شکنی ہے

۸۲

میں ناظمِ دیں حصنِ حصیں حبل متیں ہوں
میں کعبۂ اسلام ہوں میں قبلۂ دیں ہوں
میں نور ہوں میں خلق ہیں قرآن مبیں ہوں
میں نقش ہوں میں مہرِ نبوت کا نگیں ہوں
بچپن میں کسی کے لیے یہ اوج کہاں تھا
میں ہوں وہ مکیں دوشِ نبی جس کا مکاں تھا

۸۳

اللہ نے دی ہے ہمیں کونین کی شاہی
ہم حجت اللہ ہیں ہم سیفِ الٰہی
جس قوم پہ چاہیں ابھی آ جائے تباہی
ہے زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
اللہ ہے ساتھ اس کے جو ہے ساتھ ہمارا
کونین میں ہے دستِ خدا ہاتھ ہمارا

۸۴

غصہ جو مجھے آ جائے تو لشکر کو بھگا دوں
پر امتِ احمدؐ ہو میں کیا تم کو سزا دوں
ساری یہ صفیں تیغ سے اک دم میں بچھا دوں
تم دکھ مجھے دو میں تمہیں جب دوں تو دعا دوں
نے مکر کی باتیں نہ دغا جانتا ہوں میں
تم سب کو عزیزوں سے سوا جانتا ہوں میں

۸۵

مشکل جو پڑے عقدہ کشائی مری دیکھو
ہو جنگ کی طاقت تو لڑائی مری دیکھو
دشمن سے بھی ہوں صاف صفائی مری دیکھو
سر کاٹ لو گر کوئی برائی مری دیکھو
بہتر ہے تہِ تیغ جو یہ خشک گلا ہو
راضی ہوں میں جس بات میں تم سب کا بھلا ہو

۸۶

میں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو
پچھتاؤ گے تم قتل مرا دل میں نہ ٹھانو
بھٹکے ہو کدھر دیں کا رہبر مجھے جانو
بے کس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخرِ دو جہاں کا
دلبند ہوں میں حیدرِ قوسین مکاں کا

۸۷

حاصل تمہیں کیا گر ہوئے بچے مرے برباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد
اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
فریاد رسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
زہرا مری مادر ہے نواسا ہوں نبی کا

۸۸

الغرض نہ سمجھو مجھے دلبندِ پیمبر
حاجی مرے ہونے میں تامل ہے تمہیں گر
کعبے کا مسافر تو ہوں میں بے کس و بے پر
شبیر مسلماں تو ہے اے قوم ستمگر
امت کا محمدؐ کی ہوا خواہ تو ہوں میں
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں

۸۹

تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا
جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں میں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

۹۰

جس شہر میں کہہ دو میں اسی شہر میں جاؤں
لکھوا لو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں
بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
مجرم جو قلمرو میں تمہاری کبھی آؤں
سختی بھی اٹھاؤں گا مصیبت بھی سہوں گا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا

۹۱

تا زیست جو چھوڑوں کبھی گہسار کا داماں
اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیئے ساماں
پھر ہاتھ ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اب عمر بھی آخر ہے کوئی دم کا ہوں مہماں
ممکن نہیں جینے کا مزا رنج و الم میں
سن لیجو کہ مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں

۹۲

دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
للہ ستونِ کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
گو آج زبردست ہو یا صاحبِ زر ہو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو

۹۳

یہ سن کے لعینوں نے کہا شاہِ امم سے
اک دم میں گلا کاٹیں گے شمشیرِ دو دم سے
جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے
زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قیدِ ستم سے
حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
سر کاٹ کے لے جائیں تو ہو نام ہمارا

۹۴

حضرت نے کہا خوب جواب اس کا دیا واہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ
وہ کام کرو جس میں رضامند ہو اللہ
بہکانے سے بے دیں کے جہنم کی نہ لو راہ
وعدہ ہے جو کچھ وہ کبھی نہ تم پاؤ گے یارو
دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو

۹۵

گر عمر میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ
ان بی بیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر
ناموسِ محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر
مریمؑ سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر
لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
اے ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم

۹۶

چلا کے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار
وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم و دینار
ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار
گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجئے ہتھیار
بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

۹۷

اس بات کو سنتے ہی نہ حضرت کو رہی تاب
فرمایا کہ کیا بکتا ہے او کافرِ کذاب
تھرا گئے گویا کہ لگا زخم پہ تیزاب
میں بحرِ امامت کا ہوں اک گوہرِ نایاب
تو دشمنِ اولادِ رسولِ دوسرا ہے
فاسق کی وہ بیعت کرے جو دستِ خدا ہے

۹۸

یہ کہتے ہی شمشیر کو سرور نے نکالا
یوں میان سے اُس تیغ کو صفدر نے نکالا
قربانِ قضا نائبِ حیدرؑ نے نکالا
غل تھا کہ وہ منہ غار سے اژدر نے نکالا
ہلتی ہوئی دونوں جو زبانیں نظر آئیں
ہونٹوں پہ ستمگاروں کی جانیں نظر آئیں

۹۹

بجلی کی چمک لشکرِ دشمن کو دکھائی
تیزی دمِ شمشیر نے جوشن کو دکھائی
شعلے کی لپک ناریوں کے تن کو دکھائی
کٹ کٹ گیا ایسی برش آہن کو دکھائی
کس طرح بھلا اہلِ ستم دنگ نہ ہو جائیں
چار آئینے ششدر تھے کہ چورنگ نہ ہو جائیں

۱۰۰
سر اُڑ گئے گردن سے تو خود اُڑ گئے سر سے
پھل برچھیوں سے کٹ کے گرے پھول سپر سے
شانوں سے تو ڈھالیں زرہیں گر گئیں تر سے
دستانے تو ہاتھوں سے کمر بند کمر سے
اعدا کی صفیں خوف سے منہ موڑ کے بھاگیں
روحیں قفسِ جسم سے جی چھوڑ کے بھاگیں

۱۰۱
اک ضرب میں دو کر دیا یکتا سے جسے پایا
چھوڑا وہیں بسمل سا پھڑکتا جسے پایا
منہ پھیر لیا اُس سے سسکتا جسے پایا
دکھلا دی رہِ راست بھٹکتا جسے پایا
مطلب تھا چمکنے سے یہ تیغِ دوزباں کا
وہ راہ ہے دوزخ کی یہ رستہ ہے جناں کا

۱۰۲
رخ مثلِ کماں پھر گئے ناوک فگنوں کے
نصرت تھی کہ دل ٹوٹ گئے صف شکنوں کے
تلوار سے دم بند ہوئے تیغ زنوں کے
پُرزے ہوئے ڈھالوں کے تو ٹکڑے بدنوں کے
کیا منہ تھا جو آتا کوئی اُس شیر کے منہ پر
لاتی تھی قضا کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

۱۰۳
ٹکڑے کہیں لشکر کے کماندار پڑے تھے
تھے ہاتھ کسی جا کہیں ہتھیار پڑے تھے
تیروں کے کہیں خاک پہ سوفار پڑے تھے
جاگہ تھی جہاں ایک کی واں چار پڑے تھے
پامال تھے سر تابشِ خورشید میں تن تھے
برہوت میں روحیں تھیں جہنم میں بدن تھے

۱۰۴
چار آئینے والے بُرشِ تیغ سے تھے دنگ
اُڑتی تھی جو سر پر تو ٹھہرتی تھی تہِ تنگ
جوہر تھے عجب اور عجب آب عجب رنگ
اسوار تو اسوار فرس ہو گئے چورنگ
غل تھا کہ دہن کھولے ہوئے صورتِ لا ہے
لو کھا گئی گھوڑے کو بھی منہ ہے کہ بلا ہے

۱۰۵
چلّے پہ جو رکھتا تھا کوئی فتنہ گر انگشت
زہ گیر پہ چلّا تھا نہ چلّے پہ نر انگشت
شمشیر بتانے کو اٹھاتی تھی سر انگشت
اک ہاتھ میں گرتی تھی قلم ہو کے ہر انگشت
جس سمت ہوا لگ گئی اس برقِ دودم کی
سب اُڑ گئیں شاخیں شجرِ ظلم و ستم کی

۱۰۶
نیزہ لیے آیا جو کوئی صف سے نکل کر
آواز دی یہ تیغِ ید اللہ نے چل کر
حضرت نے پکارا کہ قدم رکھیو سنبھل کر
یا عقدہ کشا عقدۂ مقصود کو حل کر
وہ نیزۂ خوں ریز جو لڑنے پہ تُلے تھے
نوک اُس کی نہ پہونچی تھی کہ سب بند کھلے تھے

۱۰۷
جب خود پہ بیٹھی تو جھلم کاٹ کے اُٹھی
جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کے اُٹھی
دستانے کو مانندِ قلم کاٹ کے اُٹھی
سر پر جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کے اُٹھی
بالا تھی وہ شمشیر ستمگار فرو تھا
دیکھا تو فرس بھی اسی اک ضرب میں دو تھا

۱۰۸
یکتائی خالق میں کوئی شرک جو لایا
اک ضرب میں دو کر دیا مشرک جسے پایا
شمشیر نے انگشتِ شہادت کو اٹھایا
باطل تو اُدھر ہو گیا اور حق اِدھر آیا
کفار سے میدانِ وغا صاف کیا تھا
کیا تیغِ ید اللہ نے انصاف کیا تھا

۱۰۹

بجلی تھی یہ جنگل کے لیے بن گئی جاروب
نقارے تلک آتے ہوئے کانپتی تھی چوب
کچلے گئے سر اُن کے جو تھے فوج کے سرکوب
ہیبت سے لرزتے تھے وہ صحرائے پُر آشوب
شمشیر کے شعلے کی حرارت جو بڑھی تھی
خورشید کو گردوں پہ تپِ لرزہ چڑھی تھی

۱۱۰

بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی کبھی ٹھہری
پایاب تھی خوں کی کہیں ندی کہیں گہری
تھی عکس سے دریا کے ہر اک لہر سنہری
راحت میں نہ بحری تھے نہ بری تھے نہ شہری
جو خاکی و آبی تھا وہ تھا نوحہ گری میں
خشکی میں تباہی تھی تلاطم تھا تری میں

۱۱۱

جب بیس ہزار اہلِ ستم جان سے مارے
جوہر ہیں بزرگوں کے تری ذات میں سارے
آواز یہ آئی کہ بس اے شیر ہمارے
تو وہ ہے کہ لاکھوں سے لڑائی میں نہ ہارے
اب حلق ہے اور مرحلۂ تیغِ جفا ہے
ہاں صابر و شاکر دمِ تسلیم و رضا ہے

۱۱۲

پہلو سے صدا حضرتِ زہرا کی یہ آئی
پانی کی کوئی بوند بھی پائی کہ نہ پائی
دو روز کے فاقے میں یہ جرأت یہ لڑائی
ماں صدقے گئی دکھ گئی ہووے گی کلائی
پیشانی پہ بوسہ تو ذرا دینے دو بیٹا
ہاتھوں کی بلائیں مجھے لینے تو دو بیٹا

۱۱۳

آئی جو یہ آواز سرِ کون و مکاں کو
اعدا سے کہا روک کے گھوڑے کی عناں کو
تھرّا کے رکھا میاں میں تیغِ دو زباں کو
جاتے ہو کہاں قتل کرو تشنہ دہاں کو
کر دو خبر اس کو بھی کدھر شمرِ لعیں ہے
اب آؤ کہ لڑنے کا مجھے حکم نہیں ہے

۱۱۴

یہ سن کے بڑھے لاکھ جواں دست بہ شمشیر
تلواریں برابر سے لگانے لگے بے پیر
یاں کوئی نہ آ سکتا تھا یا گھر گئے شبیر
بس ٹوٹ گئیں پسلیاں ساری یہ چلے تیر
تیغوں سے جو سب عضوِ تنِ پاک کٹے تھے
زخموں سے بھی ماتم میں گریباں پھٹے تھے

۱۱۵

تلواروں سے پرزے تھا عمامہ تو قبا چاک
سیپارہ تھے جزوِ تنِ سبطِ شہِ لولاک
تھی گل کی طرح ڈوبی ہوئی خون میں پوشاک
سو ٹکڑے تھی تلواروں سے جلدِ بدنِ پاک
[illegible] کے کمربند یداللہ کھلا تھا
شیرازۂ قرآنِ تنِ شاہ کھلا تھا

۱۱۶

غش کھا کے جو ہرنے پہ جھکے سیدِ ابرار
سر تھام کے ہاتھوں سے جو سید سے ہوئے [illegible]
خولی نے لگائی سرِ پُرنور پہ تلوار
برچھی بنِ اشعث کے کلیجے کے ہوئی پار
[illegible] دنیا میں فقط چند نفس کے
غش ہو گئے نیزے سے سنان بن انس کے

۱۱۷

دل سینے میں چھنکتا تھا یہ تھی تشنہ دہانی
جھکتا تھا جدھر رخ سے یداللہ کا جانی
ہوش آتا تھا جب غش سے تو فرماتے تھے پانی
پہلو پہ تبر مارتے تھے ظلم کے بانی
قابو میں نہ دستِ پسرِ عقدہ کشا تھے
تھرّاتے ہوئے پاؤں رکابوں سے جدا تھے

۱۱۸

ڈیوڑھی پہ یہ سیدانیاں دیتی تھیں دہائی
نکلی ہوئی ڈیوڑھی سے ید اللہ کی جائی
کیوں لوٹتے ہو فاطمۂ زہرا کی کمائی
چلاتی تھی ہے ہے مرے بھائی مرے بھائی
فریاد بہن شہ سے جدا ہوتی ہے لوگو!
دوڑو کوئی سید پہ جفا ہوتی ہے لوگو

۱۱۹

غل رانڈوں میں تھا وا اسفا وائے حسینا
آتی تھی یہ زہرا کی صدا ہائے حسینا
صدقے تری مظلومی کے دکھ پائے حسینا
چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینا
کس یاس سے پھر پھر کے نظر کرتے ہو بھائی
ہے ہے یہ بہن تکتی ہے تم مرتے ہو بھائی

۱۲۰

بھیا تری مظلوم بہن کس کو پکارے
سرور ترے بدلے کوئی سر میرا اتارے
قسمت میں لکھا تھا کہ بندھیں ہاتھ ہمارے
آقا مری چھاتی پہ کوئی برچھیاں مارے
پردیس میں دولت مرے ماں باپ کی بچ جائے
سر کاٹ لیں ہم سب کے پہ جاں آپ کی بچ جائے

۱۲۱

بابا بھی نہیں کون مدد کرنے کو آئے
اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
کس شہر سے اماں کو بہن ڈھونڈھ کے لائے
یثرب کے مسافر تجھے اللہ بچائے
ویرانے میں فریاد سنے کون کسی کی
بستی بھی نہیں کوئی محبان علیؑ کی

۱۲۲

اس دشت میں یارب کسی شیعہ کا گذر ہو
ہے ہے یہ مہم جنگ کی کس طرح سے سر ہو
افسوس وطن والوں کو کس طرح خبر ہو
یارب کوئی آکر نجفی سینہ سپر ہو
کٹتی ہوئی اماں کی کمائی کو بچا لے
کوئی ترا بندہ مرے بھائی کو بچا لے

۱۲۳

سر پیٹ کے چلاتی رہی بنت ید اللہ
کھینچے ہوئے خنجر کو بڑھے فوج سے گمراہ
غش کھا کے ادھر خاک پہ دلدل سے گرے شاہ
دوڑی گئی مقتل کی طرف زینبؑ ذی جاہ
کونین کے دختر کو اُلٹتے ہوئے دیکھا
پہونچی تو گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

۱۲۴

سب جانتے ہیں صدمۂ ذبح شہ خوش خو
وہ حلق وہ شمشیر وہ خاک اور وہ پہلو
کیونکر کہوں سینے پہ کہا شمر نے زانو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور شاہ کے گیسو
خاموش انیس اب کہ جگر سینے میں شق ہے
سرور کی شہادت کا دو عالم کو قلق ہے

رباعی

پُرنور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں
زہرا و ید اللہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزم غم میں با نالہ و آہ
شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

مرثیہ ۱

شمشادِ بوستانِ رسالت حسینؑ ہے
دُرِ عطا و آیۂ رحمت حسینؑ ہے
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت حسینؑ ہے
نقشِ نگینِ مُہرِ نبوت حسینؑ ہے
ہر جا ظہور ہے اُنھیں کے ظہور سے
سب خاک سے بنے ہیں یہ خالق کے نور سے

۲

عنوانِ صحیفۂ اخضر حسینؑ ہے
جسمِ نبیؐ کی روحِ مطہر حسینؑ ہے
فیاضِ آبِ چشمۂ کوثر حسینؑ ہے
کشتیِ عرش و فرش کا لنگر حسینؑ ہے
قربان رتبۂ شہِ عرش احتشام کے
بیٹے امامِ دیں کے پدر نو امام کے

۳

مشکل کشائے حاضر و غائب حسینؑ ہے
فرماں روائے مشرق و مغرب حسینؑ ہے
خورشید و ماہِ مکہ و یثرب حسینؑ ہے
دوشِ رسولؐ پاک کا راکب حسینؑ ہے
چھونے سے جن میں عرش سے رتبہ سوا ملا
مسکن نگیں بھی مُہرِ نبوت کو کیا ملا

۴

آدم سے مرتبے میں مقدم حسینؑ ہے
حقا کہ تاجِ عرشِ معظم حسینؑ ہے
اسرارِ کردگار کا محرم حسینؑ ہے
شیرازۂ کتابِ دو عالم حسینؑ ہے
مالک ہے کارخانۂ ربِ جلیل کا
مختار ہے بہشت کا اور سلسبیل کا

۵

خورشیدِ آسمانِ تجمل حسینؑ ہے
عالم تمام جزو ہے اور کُل حسینؑ ہے
طاؤسِ بوستانِ توکل حسینؑ ہے
سب خلق عندلیب ہے اور گل حسینؑ ہے
جانیں فدا ہیں نام پہ اور دل نثار ہیں
یوسفؑ سے ایک چاہنے والے ہزار ہیں

۶

رکنِ رکینِ کعبۂ ایماں حسینؑ ہے
پیدا ہے تو حسینؑ سے پنہاں حسینؑ ہے
کرسی اگر ہے رحل تو قرآں حسینؑ ہے
عالم تمام جسم ہے اور جاں حسینؑ ہے
حق اُس سے ہے قریب وہ حق سے جدا نہیں
جو کچھ کہو وہ سچ ہے مگر اک خدا نہیں

۷

ادنیٰ کو دم میں چاہے تو اعلیٰ کرے حسینؑ
بالا کو پست پست کو بالا کرے حسینؑ
قطرے کو بحرِ لطف سے دریا کرے حسینؑ
اک آن میں ثریٰ کو ثریا کرے حسینؑ
عزت جو دے زمیں کو تو گردوں شکوہ ہو
طاقت جو بخش دے تو پرِ کاہ کوہ ہو

۸

ذرّے کو آفتاب سا روشن کرے حسینؑ
دوزخ کو دم میں غیرتِ گلشن کرے حسینؑ
قدرت سے ناتواں کو تہمتن کرے حسینؑ
آہن کو موم موم کو آہن کرے حسینؑ
چشمِ غضب سے دیکھیں جسے جل کے خاک ہو
جس پر کرم کریں وہ گناہوں سے پاک ہو

۹

کر دیں سپید رو تو سیاہی ہو شب سے دور
حافظ ہوں گر تو سنگ ہو شیشے سے چور چور
شرمائے آفتاب جو ظلمت کو دیں وہ نور
چاہیں تو خس کو آگ کے دریا سے ہو عبور
حافظ اگر ہو لطف و کرم اس کریم کا
فانوس بہرِ شمع ہو دامن نسیم کا

۱۰
ہوئے جو حکم نافذ شاہنشہ حجاز — آہو کے آگے شیر جھکائے سرِ نیاز
اک جا ہو آشیانۂ عصفور و شاہ باز — بہرِ شکار باز کرے چشم کو نہ باز
گر وہ قوی ضعیف سے کارِ جدال لے — روباہ جا کے شیر کی آنکھیں نکال لے

۱۱
ہاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام — کوثر سے منہ کو دھولے تو لے شاہِ دیں کا نام
اے کلک سر جھکا دے قدم پر پئے سلام — اے طبع پاک شستہ و رفتہ ہو سب کلام
پہلے زباں سے وصفِ شہِ نیک خو کریں — اشکوں سے پہلے مردمِ دیدہ وضو کریں

۱۲
یہ وہ حسینؑ ہے کہ جو ہے نورِ مشرقین — جس کے پدر نے فتح کیے خیبر و حنین
خیر النسا کی جان محمدؐ کے دل کا چین — شیعوں کو اس کی پیاس پہ رونا ہے فرضِ عین
اس کی نہ کوئی آس نہ کوئی مراد تھی — خنجر گلے پہ تھا تو تمہاری ہی یاد تھی

۱۳
مولا کی ذات خلق میں ہے سایۂ الٰہ — امت کا کارساز دو عالم کا خیر خواہ
روزِ جزا شفیع بیاری گناہ — مجرم کو اس کے سایۂ دامن میں ہے پناہ
گر حشر میں وہ حامیِ امت سپر نہ ہو — تیغِ عذابِ حق سے کسی کو مفر نہ ہو

۱۴
دارائے شرعِ مصطفوی مقتدائے خلق — خضرِ صراطِ دینِ مبیں پیشوائے خلق
فیض و عطا و شفقت و رحمت برائے خلق — دستِ خدا کی طرح سے مشکل کشائے خلق
بھیجیں درود کیوں نہ ملک روحِ پاک پر — سجدے کا حکم دیوے خدا جس کی خاک پر

۱۵
بابِ السلام علمِ نبیؐ آسمانِ شرع — نورِ سراجِ دیں شرفِ خاندانِ شرع
دریائے لطف و معدنِ بخشش جہانِ شرع — منہاجِ علم قطبِ زماں قہرمانِ شرع
اس کے کرم سے گلشنِ دیں تازہ ہو گیا — شیعوں پہ وا بہشت کا دروازہ ہو گیا

۱۶
عاجز نہ اس کے وصف میں ہو کس طرح خرد — افضل کرے جہاں سے جسے مفضلِ احد
اس کی کتابِ وصف کے اک جز کی ہے یہ حد — آغاز جس کا ہے ازل انجام ہے ابد
اس میں بھی سب صفاتِ شہِ بحر و بر نہیں — فقرے ہیں مبتدا کے خبر کی خبر نہیں

۱۷
حدِ بشر نہیں ہے تری مدح یا امام — بندے سے کس طرح ہو زبانِ خدا کا کام
قدسی درود بھیجتے ہیں تجھ پہ صبح و شام — ہیں خاک احد عرش سے اعلیٰ ترا مقام
ذرے سے وصفِ نیرِ تاباں ہو کس طرح — اک مور سے ثنائے سلیماںؑ ہو کس طرح

۱۸
راحت نہیں مرے دلِ مضطر کو یک نفس — نالاں ہوں تیری راہ میں میں صورتِ جرس
دن رات قافلے چلے جاتے ہیں پیش و پس — اور شوق میں غلام تڑپتا ہے ہر برس
اس سال ہے دعا کہ نہ دوری نصیب ہو — مولا طلب کرو تو حضوری نصیب ہو

۱۹

عرشِ خدا ہے تیرے شرف سے بزرگوار
پہونچے فلک پہ گر تری نعلین کا غبار
کرسی ترے قدم کی بدولت ہے پائدار
سمجھے وہ خلعتِ شرف و تاجِ افتخار
سدرہ وہی ہے کہ جسے تجھ سے راہ ہے
نقشِ قدم برائے فلک سجدہ گاہ ہے

۲۰

روحی فداک اے قمرِ برجِ ہل اتیٰ
ابرِ عطا محیطِ کرم منبعِ سخا
قلبی لک الفدا اے گہرِ تاجِ لافتا
شمعِ حرمِ حق گلِ گلزارِ نخلِ کفا
اے نوحِ خلق تو ہے سفینہ نجات کا
طوفاں میں آسرا ہے فقط تیری ذات کا

۲۱

قیصر تری جناب کا اک بندۂ کمیں
ہے غیرتِ بہشت ترے نور سے زمیں
خاقان چیں ہے اک ترے خرمن کا خوشہ چیں
جاروب فرش ہے شرف زلفِ حورِ عین
کرسی کی زیب دوشِ پیمبر کی زیب ہے
تیرے قدم سے عرشِ منور کی زیب ہے

۲۲

اللہ رے اوج واہ ری حشمت زہے وقار
اشتر بنے تھے عید کو محبوبِ کردگار
اک آن بے حسینؑ نبیؐ کو نہ تھا قرار
مثلِ نگیں پہ مہرِ نبوت پہ تھے سوار
مرکب حسینؑ کے شہِ گردوں مقام تھے
جبریلؑ جو تھے رکاب تو گیسو لگام تھے

۲۳

لکھا ہے یہ کہ سجدے میں تھے ایک دن رسولؐ
خیر الوریٰ نے سجدۂ حق کو دیا یہ طول
پشتِ نبیؐ پہ آکے چڑھا دلبرِ بتولؑ
سمجھا ہر اک کہ وحیِ خدا کا ہوا نزول
سر پیٹنے کی جا ہے یہ جس کا وقار ہو
سینے پہ اس حسینؑ کے قاتل سوار ہو

۲۴

باراں کی بوندیوں سے جسے فاطمہؑ بچائے
کوثر ہو جس کے قبضۂ قدرت میں ہائے ہائے
وا حسرتا وہ سینۂ اقدس پہ تیر کھائے
پانی کی بوند آئے نہ کوئی مرتے دم پلائے
یہ واقعہ وہ ہے کہ خوشی ناپدید ہے
ہر سینہ کربلا ہے ہر اک دل شہید ہے

۲۵

جھولے بہشت کے جسے بھیجے خدائے پاک
ہیکل کے خط سے فاطمہؑ کا دل ہو دردناک
ہو بعدِ مرگ اس کا کفن کربلا کی خاک
تیغوں سے اہلِ ظلم کریں اس کے تن کو چاک
دوشِ رسولِ پاک پہ جو ہنس کے چڑھے
خنجر سے کٹ کے نیزے پہ اس شہ کا سر چڑھے

۲۶

ہو جس کی ماں کے گھر میں سب آب و نمک
گہوارے میں جھلائیں جسے آن کر ملک
ترسے وہ ایک پانی کے قطرے کو کیوں فلک
مرکر کفن نہ پائے وہ چالیس روز تک
چھوڑ آئے کنکروں پہ تنِ پاش پاش کو
مٹی نہ دی نبیؐ کے نواسے کی لاش کو

۲۷

دنبوں کو روزِ عید تو کرتے ہیں ذبح سب
حیواں کو پانی دیتے ہیں جو ہیں خدا طلب
کاٹا گلا نبیؐ کے نواسے کا ہے غضب
فریاد ہے حسینؑ تھے دو دن کے تشنہ لب
وارثِ خلیل کا وہ شہِ مشرقین ہے
ذبحِ عظیم اشارۂ قتلِ حسینؑ ہے

۲۸

گلزارِ دیں پہ تیغِ خزاں رن میں جب چلی
وقتِ نمازِ ظہر ہوا دوپہر ڈھلی
یعنی قلم ہوا چمنِ مرتضیٰ علیؑ
تنہا رہا وہ حضرتِ معبود کا ولی
بھائی کے غم سے خم شہِ دلگیر ہو گئے
شبیرؑ جواں جو قتل ہوا پیر ہو گئے

۲۹

طبلِ ظفر بجاتے تھے واں بانیٔ ستم
فضّہ پکارتی تھی یہ ڈیوڑھی سے دم بدم
خیمے سے نکلے آتے تھے سر پیٹتے حرم
کس جا رکھی ہے لاشِ پسر یا شہِ اُمم
چادر کوئی اُڑھا دے تنِ پاش پاش پر
رونے کو زینبؑ آتی ہیں اکبرؑ کی لاش پر

۳۰

ہوتی تھی فوجِ ظلم میں تدبیرِ قتلِ شاہ
کہتا تھا یہ جا کے مقیش شمرِ روسیاہ
چھائی ہوئی تھی چار طرف شام کی سپاہ
آتا ہے جنگ کو پسرِ ضیغمِ الٰہ
حلقے میں لے لو آتے ہی یوں اُس دلیر کو
جنگل میں گھیر لیتے ہیں جس طرح شیر کو

۳۱

رکتا نہیں کوئی یہ غریب الدیار یار
تیروں کی تن پہ دور سے ہو بے شمار مار
شمشیرِ شعلہ بار پڑے سر پہ بار بار
نیزے اُٹھا اُٹھا کے کریں سب سوار وار
آگے سے تیغ و خنجر و تیر و سناں چلے
پیچھے سے فرقِ پاک پہ گرزِ گراں چلے

۳۲

ہاں غازیو قریب ہے اب تیسرا پہر
بجتا ہے کوئی آن میں نقارۂ ظفر
جانیں لڑا کے جلد کرو اس مہم کو سر
عابدؑ کے ہاتھ باندھ کے اب کھولو کمر
راحت دلوں کو ہووے گی قتلِ حسینؑ سے
سیدانیوں کو لوٹ کے سوئیں گے چین سے

۳۳

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا کا ہوا ظہور
بوئے بہشت پھیل گئی رن میں دور دور
ذرّے زمیں کے بن گئے رشکِ چراغِ طور
پہونچا فلک تلک قمرِ فاطمہؑ کا نور
پرتوے رشکِ طور ہر اک سینہ ہو گیا
تختہ زمیں کا غیرتِ آئینہ ہو گیا

۳۴

غل تھا خوشا حسینؑ کی شوکت زہے جلال
اک آسمانِ حسن کے ابرو ہیں دو ہلال
روشن جبیں ہے آئینۂ مہر کی مثال
اور فاطمہؑ کی آنکھ کا تارا ہر ایک خال
گویا دخل راستے نظرِ بد کے بند ہیں
مجمر ہے آفتاب تو اختر سپند ہیں

۳۵

لوحِ کتابِ حسن ہے پیشانیٔ جناب
مصرعے ہیں دونوں مطلعِ ابرو کے انتخاب
جس سے تجلّی ضیائے جہاں تابِ آفتاب
قرآں کی طرح ہے خطِ رخسار لاجواب
شمس الضحیٰ اسی طرح رخ کا وصف ہے
واللیل اذا سجیٰ اسی گیسو کا وصف ہے

۳۶

وہ زلفِ مشک بیز وہ رخسارِ جاں فروز
شمع اور دھوئیں میں کبھی نہیں ہوتا یہ ساز و سوز
پیدا ہوئی ہے روز سے شب اور شب سے روز
دیکھا نہیں بہم سحر و شام کو ہنوز
ظلمت میں نور نور کو ظلمت میں راہ ہے
ہے سنبلہ میں مہر کہ ہالے میں ماہ ہے

۳۷

گیسوئے مشک بو ہے امام فلک سریر
چہرہ قمر تو ابرو و مژگاں کمان و تیر
شرمندہ جس سے عود و خجل عنبر و عبیر
جس پر ہزار جان سے قربان جوان و پیر
سجدے کی جا ہے زُہرہ جبینوں کے واسطے
گوشہ ہے خوب چلّہ نشینوں کے واسطے

۳۸

دونوں بھویں کمانوں کی صورت کشیدہ ہیں
رخسار نازکی میں گلِ نو رسیدہ ہیں
بالائے سروِ راست ہلالِ خمیدہ ہیں
آنکھیں جنابِ فاطمہؑ کی نورِ دیدہ ہیں
جلوہ خدا کے نور کا ہے اس نگاہ میں
پتلی نہیں ہے چشم میں، یوسفؑ ہے چاہ میں

۳۹

واللیل والضحیٰ رخِ روشن خطِ سیاہ
ابرو و زلف و رو شبِ قدر و ہلالِ ماہ
لعل و غزال و گل لب و رخسار و چشمِ شاہ
تیر و سنان و زہ مژہ و سرمہ و نگاہ
قربان فاطمہؑ کا دلِ غم رسیدہ ہے
چشمِ گشودہ صاف کمانِ کشیدہ ہے

۴۰

آنکھوں کے آگے دیدۂ آہو ہیں ناپسند
رخسار مہر و ماہ سے روشن ہزار چند
پتلی ہے یہ کہ شیشے کے اندر پری ہے بند
بینی سے اور حُسن کا رتبہ ہوا بلند
ابرو ہیں اس طرح رخِ پُر آب و تاب پر
ہو جس طرح سے مدِّ الف آفتاب پر

۴۱

صدقے دہن کے اور لبِ جاں بخش کے نثار
یہ لعل لب ہیں اُن گہروں کے خزینہ دار
جن سے نتائجِ لبِ عیسیٰؑ ہیں آشکار
بے قدر ہیں صدف سے جہاں میں دُرِ شاہوار
ہیرے کے بھی نگیں خجل اُن کے حضور ہیں
دنداں نہیں یہ گوہرِ دریائے نور ہیں

۴۲

نازک کہیں ہیں برگِ گلِ تر سے لعلِ لب
کوکب ہیں آسماں پہ بھلا یہ چمک ہے کب
اور آب و تابِ گوہرِ دنداں میں ہے غضب
ہیں دن کو آفتاب تو بجلی میانِ شب
پانی انھیں پہ فاطمہؑ پیتی تھیں وار کے
بتیس دُر ہیں دودھ کے بتیس دھار کے

۴۳

وہ دوش ہیں شفاعتِ امّت کا جن پہ بار
اِس ساعد اور اس کفِ سیمیں کے ہم نثار
اور بازوؤں سے شانِ یداللہ آشکار
اٹھتے تھے عاصیوں کی دعا کو جو بار بار
ہیہات یہ کچھ نہ دستِ خدا کا ادب کیا
پہونچوں کو ساربان نے کاٹا غضب کیا

۴۴

وہ ہاتھ جن کے سامنے زر مال کچھ نہ سیم
شیعوں کے دست گیر بروزِ امید و بیم
کیا سیم و زر ہے کوثر و تسنیم کے قسیم
انگلی ہر ایک کلیدِ درِ جنت النعیم
ہر دم ہیں مثلِ ابرِ کرم پر تُلے ہوئے
ہیں ناخنوں پہ عقدۂ مشکل کھلے ہوئے

۴۵

سینہ ہے ایک خزینۂ انصاف و عدل و داد
نور اس میں یوں ہے قلب میں جیسے خدا کی یاد
قرآں اسے سمجھتے ہیں جو ہیں خوش اعتقاد
تیروں کے سامنے وہ سپر تھا دمِ جہاد
عاجز دمِ وغا شہِ عالم نہ ہوتے تھے
ٹوٹی ہوئی کمر تھی مگر خم نہ ہوتے تھے

۴۶
کرتا ہوں وصفِ پائے شہِ نامدار سر
کہتا ہے یہ جھکا کے قلم بار بار سر
کردے گا اس قسم کو بھی پروردگار سر
صدقے امامِ دیں کے قدم پر ہزار سر
رتبے دلاوری کے سرِ مو گھٹے نہیں
سر کٹ گیا پہ کھیت سے پاؤں ہٹے نہیں

۴۷
اس فوج پر جو قبلۂ عالم نے کی نگاہ
کالی گھٹا سی چھائی ہے سب شام کی سپاہ
دیکھا کھلے ہوئے ہیں کئی سو علم سیاہ
تیغوں کی یہ چمک ہے کہ اللہ کی پناہ
کہتے ہیں سب کہ غلغلۂ دار و گیر ہو
نزدیک ہے کہ بارشِ بارانِ تیر ہو

۴۸
دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا ہے جوش
رن میں مبارز کا ہر اک صف میں ہے خروش
نیزے ہلا رہے ہیں جوانانِ درع پوش
چلّے کھنچے ہوئے ہیں کمانوں کے تا بہ گوش
غل ہے کہ شاہِ یثرب و بطحا کو گھیر لو
مظلوم کو غریب کو تنہا کو گھیر لو

۴۹
مہمیز کر کے اسپ کو آگے بڑھے امام
اے سرکشانِ کوفہ و روم و عراق و شام
اعدا سے اس طرح بہ فصاحت کیے کلام
کرتا ہوں تم پہ آخری حجت کو میں تمام
کوئی بھی کاٹتا ہے گلا بے گناہ کا
میں کون ہوں جنابِ رسالت پناہ کا

۵۰
کس کے پدر کا نام جنابِ امیر ہے
وہ کون ہے جو صاحبِ تاج و سریر ہے
کس کا پدر رسولِ خدا کا وزیر ہے
کون و مکاں میں کون بشیر و نذیر ہے
بنیادِ کفر کس نے جہاں سے مٹائی ہے
کس نے نبیؐ کے دوش پہ معراج پائی ہے

۵۱
پیدا ہوا جو کعبے کے اندر وہ کون ہے
اتری جسے یہ تیغِ دو پیکر وہ کون ہے
چیرا ہے جس نے مہد میں اژدر وہ کون ہے
توڑا ہے جس نے قلعۂ خیبر وہ کون ہے
سب کافروں کو کس نے مطیعِ خدا کیا
باطل کو کس کی تیغ نے حق سے جدا کیا

۵۲
زور آورانِ خلق کو کس نے کیا ہے زیر
کہتی ہے کس کو خلق دو عالم خدا کا شیر
دونوں جہاں میں کون علیؑ سا ہوا دلیر
بھوکے کو کس ولی نے کیا تین روز سیر
کس کی سخا کا غل ہے عراق و حجاز میں
سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز میں

۵۳
حق نے کیا عطا پہ عطا ہل اتیٰ کسے
کونین میں ملا شرفِ انّما کسے
حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتا کسے
کہتی ہے خلق بادشہِ قل کفیٰ کسے
دنیا میں کون منتظمِ کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

۵۴
غیر از علیؑ ملا شرفِ صادقیں کسے
یٰسین میں کہا ہے امامِ مبیں کسے
ہاتھ آیا زورِ دستِ جہاں آفریں کسے
حق نے کیا ہے راز کا اپنے امیں کسے
نصِ مباہلہ ہے کہو کس کی شان میں
کس کو کہا ہے منذر و ہادی جہاں میں

۵۵
محبوبِ حق نے سابقِ الایماں کسے کہا
دانندۂ دقایقِ قرآں کسے کہا
فرمایا اپنا جسم کسے جان کسے کہا
نور و دلیل و حجت و برہاں کسے کہا
کہتے ہیں سب ولیِ خدا کس جناب کو
رجعت ہوئی ہے کس کے لیے آفتاب کو

۵۶
کس نے جہاں میں کفر و صنم حک و نک کیا
کس کو خدائے پاک نے فخرِ ملک کیا
کس شیر نے دو نیم سپرِ شرک و شک کیا
کس نے علیؑ کی طرح جہاد آج تک کیا
قائل ملک ہیں ضربِ امامِ جلیل کے
کاٹے ہیں کس کی تیغ نے پر جبرئیلؑ کے

۵۷
مشہور ہے جہاں میں بیر الالم کا حال
ڈر سے جنوں کو جان بچانا ہوا محال
آتش میں جا کے کود پڑے شیرِ ذوالجلال
سائے کی طرح ہو گئی سب فوج پائمال
نے دیو اُن کے سامنے ٹھہرے نہ جن لڑے
شیرِ خدا زمیں کے تلے تین دن لڑے

۵۸
سب کافروں کو بدر سے دم میں بدر کیا
جنگِ حنین و خیبر و خندق کو سر کیا
پیشِ رسولؐ عمرو کو زیر و زبر کیا
عنتر کو سر سے تا بہ قدم خوں میں تر کیا
مارا جو ایک ضرب میں مرحب کو جان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسماں سے

۵۹
جس نے بنائے دیں میں مدد کی وہ کون ہے
قوت ہے جس میں دستِ احد کی وہ کون ہے
جس کی کسی نے ضرب نہ رد کی وہ کون ہے
جس نے پیمبروں کی مدد کی وہ کون ہے
کیوں کر نجات چاہ سے یوسفؑ نے پائی ہے
طوفاں سے کس نے نوحؑ کی کشتی بچائی ہے

۶۰
آدم سے پہلے عرش پہ کس کا ظہور تھا
ہر آن کس پہ رحمتِ حق کا وفور تھا
حق سے قریب کون تھا اور کون دور تھا
جس کی ضیا تجلیِ طور پہ وہ کس کا نور تھا
چلّا رہے تھے بہرِ مدد سب کو دیر سے
کس شیر نے چھڑا دیا سلماں کو شیر سے

۶۱
کشّافِ مشکلاتِ دو عالم ہے کس کی ذات
عیسیٰؑ کو کس نے بخشا ہے سرمایۂ حیات
کون و مکاں میں کون ہوا فخرِ کائنات
یونسؑ کو کس نے بطن سے ماہی کے دی نجات
گُل کر دیا ہے نار کو کس نے خلیل پر
لکھا ہے کس کا نام پرِ جبرئیل پر

۶۲
خورشید سات بار ہوا کس سے ہم کلام
ناطق ہے کس کی شان میں اللہ کا کلام
کس سے زمین کہتی تھی شب کو خبر تمام
انجیل اور زبور میں لکھا ہے کس کا نام
حامی ہے کون سب کا حیات و ممات میں
کس کی ثنا ہے سورۂ والعادیات میں

۶۳
ہیں کس کے نام صفدر و کرار و مرتضیٰ
شیر و شجاع و صابر و معصوم و مقتدا
ذی علم ذی سعادت و ذی النصر و ذی العطا
منصور و ارتضا و یلیا و ایلیا
بازل وہی مظفر و منصور ہے وہی
غالب وہی ہے طور وہی نور ہے وہی

۶۴

سبطِ خلیل حجتِ دیں مالک الرقاب
بوطالبؑ و ابو الحسنینؑ و ابو تراب
بابِ علوم زوجِ بتولِ فلک جناب
زاہد و تقی طاہر و جوّاد و طیب و طاب
قرآں میں کون نورِ سموات و ارض ہے
طاعت وہ کس کی ہے جو زمانے میں فرض ہے

۶۵

شمشیرِ شرع خاربِ دیں شحنۂ نجف
دریائے معرفت دُرِ یکتائے نہ صدف
مفتاحِ فتح عارفِ اسرارِ مَنْ عَرَفْ
ذی جاہ ذی کرامت و ذی فیض و ذی شرف
ہر ذی حیات اُن سے طلب گارِ عون ہے
جس کے یہ مرتبے ہیں حسینؑ اس کا کون ہے

۶۶

میں پارۂ جگر ہوں بشیر و نذیر کا
ہے مجھ میں علم و فضل جنابِ امیرؑ کا
میں نور ہوں جہاں میں سراجِ منیر کا
واللہ پیشوا ہوں صغیر و کبیر کا
اس میں بھی مصلحت ہے جو مظلوم آج ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں سرِ عالم کا تاج ہوں

۶۷

واللہ بہترینِ عرب ہے مرا پدر
عالی حسب بلند نسب ہے مرا پدر
روزِ ازل سے عاشقِ رب ہے مرا پدر
ایجادِ آسماں کا سبب ہے مرا پدر
ہے حکم مثلِ کعبہ مرے احترام کا
فرزند ہوں میں مشعر و رکن و مقام کا

۶۸

دلبندِ مکہ و عرفات و منیٰ ہوں میں
حق ہیں مرے کلام زبانِ خدا ہوں میں
میرا ادب کرو خلفِ مرتضیٰ ہوں میں
مشکل کشا کا لال ہوں مشکل کشا ہوں میں
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دوں
عقدے جو لاکھ ہوں تو اشارے میں کھول دوں

۶۹

وہ کس کی والدہ ہے جو ہے بضعۃُ الرسول
مریم کی عرض ہوتی تھی جس طرح سے قبول
مرضیہ و رضیہ و صدیقہ و بتولؑ
فضہ کے واسطے ہے وہی مرتبہ حصول
عزت یہ فاطمہؑ کی کنیزی میں پائی ہے
اُس کے لیے بھی نعمتِ فردوس آئی ہے

۷۰

اعدا نے تب کہا کہ یہ سب ہم پہ ہے عیاں
حیدر تمھارے باپ ہیں اور فاطمہؑ ہیں ماں
بیشک ہو تم نبیرۂ پیغمبرؐ زماں
بیعت بغیر پر نہ ملے گی تمھیں اماں
مانیں گے فاطمہؑ کو نہ شیرِ الٰہ کو
کاٹیں گے بوسہ گاہِ رسالت پناہ کو

۷۱

کیا ہوگا گر ہے آپ کے قبضے میں ذوالفقار
دستِ علیؑ سے چلتی تھی یہ تیغ آب دار
آپ ایک یاں چھ لاکھ جواں اور کئی ہزار
فاقے میں تین دن کے کہاں زورِ کارزار
حملہ نہ ہو سکے گا ہزار آپ کد کریں
عباسؑ اب نہیں ہیں جو آ کر مدد کریں

۷۲

پہلے تو مسکرائے یہ سن کر امامِ دیں
ساتوں فلک لرز گئے الٹی جو آستیں
اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشمگیں
دیکھا جو سوئے چرخ تو ہلنے لگی زمیں
چمکی جو ذوالفقار نکل کر غلاف سے
پریاں بچا کے جان اڑیں کوہِ قاف سے

۷۳

نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد نابکار
آیا علیؑ کا شیر خبردار ہوشیار
لے دیکھ تین روز کے پیاسے کی کارزار
دیکھوں تو روکتے ہیں مجھے کس طرح سوار
مجھ سے کسے جہاں میں مجالِ ستیز ہے
بُرّانِ قاطع ایک مری تیغِ تیز ہے

۷۴

آفاق میں نہیں مری شمشیر کی پناہ
قوت وہ ہے کہ کوہ کو کاٹوں مثالِ کاہ
جوہر کھلیں تو بند ہو امن و اماں کی راہ
ہل جائے آسماں جو کروں غیظ سے نگاہ
دریا سموم قہر سے میرے سراب ہو
نعرہ کروں تو زہرۂ مریخ آب ہو

۷۵

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک
اُٹھا غریوِ کوس کہ ہلنے لگے فلک
قرنا پھنکی کہ گونج گیا دشت دور تک
شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

۷۶

حد سے فزوں تھی کثرتِ افواجِ نابکار
ہر سمت تھی سناں پہ سناں شکلِ نوکِ خار
نیزے پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آبدار
ہر صف میں تھی سپر پہ سپر شکلِ لالہ زار
پیکاں بہم تھے جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے تھے کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

۷۷

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دَل پہ دَل
خنجر وہ جن کی آب میں تھی تلخیِ اجل
تھے برچھیوں کے صورتِ مقراض پھل پہ پھل
وہ گُرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

۷۸

حملہ کیا خدیوِ فلک بارگاہ نے
راہِ اماں کو بند کیا تیغِ شاہ نے
رد کا سپر کو رخ پہ ہر اک روسیاہ نے
قبضے میں پائی امن کی جا گہ پناہ نے
تلوار تھی کہ فوج پہ قہرِ خدا چلا
گویا زباں نکالے ہوئے اژدہا چلا

۷۹

گیتی کو زلزلہ ہوا اللہ رے جلال
ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال
نعرہ کیا کہ گونج گیا عرصۂ قتال
سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال
مریخ نے منہ اپنا چھپایا تھا خوف سے
سینے کو آسماں نے چرایا تھا خوف سے

۸۰

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب
پانی سے مچھلیوں کو ابھرنے کی تھی نہ تاب
اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب
دہشت سے سب نہنگ چھپے جا کے زیرِ آب
اک شور تھا بچائے خدا اِس کے کاٹ سے
طوفاں اٹھا ہے تیغِ حسینی کے گھاٹ سے

۸۱

کعبہ اِدھر تھا جلوہ نما اور اُدھر کنشت
کھیتی اِدھر کرم کی اُدھر تھی ستم کی کشت
دوزخ کی آگ اُدھر تھی اِدھر گلشنِ بہشت
یاں کارِ نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت
شیطاں تھا اُس طرف تو اِدھر کردگار تھا
میداں میں مقابلۂ نور و نار تھا

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری	۸۲	کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری سر کاٹ کے ادھر سے ہوا تھی ادھر گری
زرہیں تنوں میں مثل کفن چاک ہو گئیں		اک آن میں صفیں کی صفیں خاک ہو گئیں
پڑتی تھی جس کے فرق پہ وہ تیغ سر شگاف تا سینہ کوئی اور کوئی تا کمر شگاف	۸۳	ہوتا تھا سر سے مثل قلم تا جگر شگاف چار آئینہ کسی کا کسی کی سپر شگاف
سر تھا اگر تو ہاتھ کا تن پر اثر نہ تھا		ثابت کسی کے ہاتھ اگر تھے تو سر نہ تھا
قبضے میں تھی حسینؑ کے دست خدا کی تیغ نیزوں کے بند کاٹتی تھی مرتضیٰؑ کی تیغ	۸۴	غل تھا کبھی رکی ہے کسی سے قضا کی تیغ عقدوں کو کھول دیتی تھی مشکل کشا کی تیغ
ثابت کسی سوار کے تن پر زرہ نہ تھی		کھولا نہ ہو جسے کوئی ایسی گرہ نہ تھی
دم بھر اماں نہ دیتی تھی وہ برق جاں گسل روباہ بن گئے تھے جوانان شیر دل	۸۵	ادنا دلیروں پہ آگ برستی تھی متصل مقتل کی خاک خوں سے سب ہو گئی تھی گل
کشتوں کی حد تو زخمیوں کی انتہا نہ تھی		اعدا کے تن سے دم کے نکلنے کی جا نہ تھی
سرکش تھے باد کبر سے جو خانماں خراب کڑیوں سے یوں زرہ کی گذر جاتی تھی شتاب	۸۶	خود ان کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب
ضربت میں شہ کی ضرب علیؑ کا قرینہ تھا		سر تھا نہ چار آئینہ تھا اور نہ سینہ تھا
پھولے تھے ہاتھ پاؤں سبھوں کے دم ستیز صرصر کی طرح چلتی تھی ہر سو وہ تیغ تیز	۸۷	نے تاب کارزار تھی نے طاقت گریز سر گر رہے تھے جسم سے تھی فصل برگ ریز
ان باغیوں پہ تیغ کے جوہر عیاں ہوئے		جب پھل لگا تو پھول سپر کے خزاں ہوئے
ہاتھوں میں زور قلب میں صبر و سکوں نہ تھا وہ کون سا نشان تھا جو سرنگوں نہ تھا	۸۸	رخ زرد تھے تنوں میں لعینوں کے خوں نہ تھا جز موت گمرہوں کا کوئی رہنموں نہ تھا
تھے سخت کشمکش میں ستمگار اس طرف		تیغ اس طرف کو کھینچتی تھی نار اس طرف
تھی شکل لا جو تیغ شہ آدم و ملک عالم سے کفر کاف کو اس نے کیا تھا فک	۸۹	گرتی تھی نفی نفی صدا وہ نہ فلک دو انگلیاں بنی تھیں پئے چشم شر دنک
ڈر سے اسی کے کفر کی بنیاد پست تھی		اسلام کو ظفر تو بتوں کو شکست تھی
تھی دست شاہ دیں میں دو چند آبروئے تیغ آتش سے معرکے میں مشابہ تھی خوئے تیغ	۹۰	تھا ہاتھ بھر سروں سے فزوں آب جوئے تیغ دوزخ کو کھینچ گیا جو کوئی آیا سوئے تیغ
سر کٹ کے دور جسم سے اک دم میں جا رہا		تن مثل سم قعر جہنم میں جا رہا

۹۱

تڑپاتا تھا شمر لاکھ لڑائی کا بندوبست
نیزے تو تھے بلند مگر ہمتیں تھیں پست
لکھی ہوئی تھی پر خطِ تقدیر میں شکست
آگے نہ پاؤں ڈر سے اٹھاتے تھے تیز دست
سر تیغ سے مثالِ قلم کٹتے جاتے تھے
پیچھے ہی ظالموں کے قدم ہٹتے جاتے تھے

۹۲

اک برق سی چمکتی تھی بالائے سطحِ خاک
جوشن تو پارہ پارہ تھے اور جسم چاک چاک
گاہے سوئے سمک تو کبھی جانبِ سماک
دم لیتی تھی نہ تیغ نہ رکتا تھا دستِ پاک
اپنے پروں کی فکر تھی روح الامیں کو
رعشہ تھا چرخِ پیر کو سکتہ زمیں کو

۹۳

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطانِ بحر و بر
چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتے تھے خاک پر
اڑتی تھی کٹ کے صورتِ کاغذ ہر اک سپر
قبضوں میں تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر
بے تھے قدم گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سرِ اعدا سپند تھے

۹۴

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
اوجِ سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
بھاگے شعاعِ مہر سے جس طرح شپرک
چمکی وہ جب تو کانپ گئی چرخ پر فلک
ہر شے تھی خوفِ جاں سے خشوع و خضوع میں
سجدے میں تھی زمیں تو فلک تھا رکوع میں

۹۵

جانوں کو چھوڑتی تھی نہ وہ تیغِ برق دم
ہر جوہر اس کا دیدۂ بینا سے تھا نہ کم
تھی اس کی آب جادۂ سر منزلِ عدم
اعدا کو ڈھونڈتی تھی وہ قد اس لیے تھا خم
تھی موج بحرِ قہر سرِ دار و گیر میں
سیلِ فنا کا جال تھا اس کے خمیر میں

۹۶

بجلی سی کوند کر جدھر آئی جلا گئی
لشکر میں فرد فرد کو جوہر دکھا گئی
دم میں چراغِ راہِ ضلالت بجھا گئی
خوں سے بھرا نہ پیٹ تو لوہے کو کھا گئی
جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے
پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے

۹۷

چلاتی تھیں کمانیں کہ کس جا ہوں گوشہ گیر
چلّے میں نیزے کانپتے تھے مثلِ پائے پیر
ہم تو خطا شعاروں کے قبضے میں ہیں اسیر
سہمے ہوئے نکلتے نہ تھے ترکشوں سے تیر
دم بند خنجروں کے بھی تھے اس مصاف میں
تیغیں چھپی تھیں خوف کے مارے غلاف میں

۹۸

دریا لہو کا بہتا تھا مقتل کی خاک پر
تھے مثلِ موج دستِ بریدہ ادھر ادھر
کاسے سروں کے مثلِ حباب آتے تھے نظر
نافیں بھنور تھیں اور کفِ دریا تھے مغزِ سر
نہریں لہو کی دشت میں پیشِ نگاہ تھیں
کشتوں کی کشتیاں خطِ خوں میں تباہ تھیں

۹۹

بڑھ بڑھ کے یوں پھر آتے تھے وہ عاشقِ صمد
جلتے تھے نیزہ داروں پہ جب صورتِ اسد
ہوتا ہے جس طرح سے سمندر میں جزر و مد
آتی تھی فاطمہ کی صدا یا علی مدد
ہو جاتی تھی دو چند برش ذوالفقار میں
ہوتے تھے سب کے ہاتھ قلم ایک وار میں

۱۰۰

جس فرق پر چمک کے وہ برقِ اجل گئی
جس صف کو آنچ لگ گئی اس کی دہ جل گئی
بوسہ زمینِ پاک کو دے کر نکل گئی
کاٹا کسی کو گر تو کسی کو نگل گئی
ضربت پہ عقل دیکھنے والوں کی دنگ تھی
افعی کسی جگہ تو کسی جا نہنگ تھی

۱۰۱

اک شور تھا کہ تیغ ہے یا یہ خدا کا قہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کے جس کی نہیں ہے لہر
بہتی ہے جس کی آگ سے کوسوں لہو کی نہر
اتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن میں زہر
زخموں سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہیں
جوہر نہیں ہیں تیغ میں دندان مار ہیں

۱۰۲

سر پر پڑی فرس کے تو سونے کفل چلی
بجلی سی جس لعیں پہ چلی برمحل چلی
وہ منہ کے بھل زمیں پہ چلا یہ نکل چلی
پہونچی ادھر سے تیغ ادھر سے اجل چلی
دو آفتوں نے دشمنِ دیں کو دبا لیا
سر تیغ نے لیا تو اجل نے گلا لیا

مطلع دوم ۱۰۳

جب حملہ ور امامِ مسیحا نفس ہوئے
کشتوں کے ڈھیر راس و چپ و پیش و پس ہوئے
نیچے ہوئے سوار تو اوپر فرس ہوئے
پانچ آ گئے جو تیغ کے نیچے وہ دس ہوئے
کشتوں کی شکل خوں سے جو ردپوش ہو گئی
گنتی اجل کو اُن کی فراموش ہو گئی

۱۰۴

سر پر چڑھی تو چنبرِ گردن کو دو کیا
جوشن کے ساتھ زین کے دامن کو دو کیا
گردن سے بڑھ کے سینۂ و جوشن کو دو کیا
دامن کی کیا بساط ہے توسن کو دو کیا
غل تھا حسینؑ بادشہِ شرق و غرب ہے
سکہ ہے جس کے نام کا جس کی یہ ضرب ہے

۱۰۵

ڈرتا تھا وہ نہنگِ محیطِ دلاوری
ہوتے تھے قتل کوفی و شامی و خیبری
کرتی تھی تیغ قلزمِ خوں میں شناوری
اڑتا تھا رخش یوں کہ اڑے جس طرح پری
غل طائروں میں تھا کہ عجب راہوار ہے
تختِ ہوا پہ آج سلیماں سوار ہے

۱۰۶

صرصر سے تیز تر تھا وہ اسپِ خجستہ فر
پانی پہ تھا جو موج تو آتش میں تھا شرر
یکساں تھا اس کو صورتِ خورشید دشت و در
گیتی نورد برق تگ و آسماں سفر
ٹاپوں سے سرکشوں کی صفیں پائمال تھیں
زین آفتاب تھا تو رکابیں ہلال تھیں

۱۰۷

طے کی جو راہ بحر تو بر سے نکل گیا
آیا ادھر سے گر تو ادھر سے نکل گیا
مانند خیر لشکرِ شر سے نکل گیا
پتلی کے گرد پھر کے نظر سے نکل گیا
سرعت میں تھا ہرن تو وغا میں ہژبر تھا
پستی میں سیل تھا تو بلندی میں ابر تھا

۱۰۸

مثلِ نگاہ فوج کی صف سے نکل گیا
وہ گر پڑا یہ جس کی طرف سے نکل گیا
غلطاں گہر تھا اک کہ صدف سے نکل گیا
اک تیر تھا کہ صاف ہدف سے نکل گیا
فرفر رواں ادھر سے دمِ جست و خیز تھا
اٹھا پھر ادھر سے تو رفرف سے تیز تھا

۱۰۹

نکلا اُدھر سے بہرِ وغا ایک روسیاہ
کاندھے پہ گرز بر میں زرہ خشمگیں نگاہ
زور آوری میں رستم و مغرور و کینہ خواہ
سر پر مثالِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ
آندھی کی تھی کہ رواں رود نیل تھا
ہیبت میں تھا جو دیو تو ہیکل میں فیل تھا

۱۱۰

تھا جسم نابکار سے عرصہ تورہ پہ تنگ
خونخوار۔ فتنہ ساز۔ دل آزار۔ خانہ جنگ
جوشن پہ یوں تھا دام ہیں جس طرح ہو نہنگ
آنکھیں تو فرطِ غیظ سے سرخ اور سیاہ رنگ
تیوری چڑھائی دیکھ کے حضرت کو دور سے
آیا قریبِ سبطِ نبیؐ کس غرور سے

۱۱۱

چمکا کے ذوالفقار اٹھائی جو شہ نے باگ
تھی شمعِ دودمانِ علیؐ سے جو اس کو لاگ
لشکر میں اس طرف سے ہوا غل کہ بھاگ بھاگ
سن کر یہ شور لگ گئی ناری کے تن میں آگ
سمجھا نہ یہ کہ ابنِ علیؐ ہے جلال پر
حملہ کیا شقی نے محمدؐ کے لال پر

۱۱۲

رد کر کے اس کے وار بڑھے شاہِ بحر و بر
دو کر دیا عمود کو مثلِ خیار تر
نیزے کے بند کاٹ دیے مثلِ نیشکر
جھپکا چمک سے تیغ دو سر کی وہ خیرہ سر
گرتے ہوئے لیا گر نابکار کو
غل پڑ گیا وہ شیر نے پکڑا شکار کو

۱۱۳

زیں سے اٹھا کے روک لیا صورتِ سپر
سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر
ہتھیار کُھل کے گر پڑے اس کے اِدھر اُدھر
طفلی سے زائچے میں کھنچا تھا اجل کا گھر
پہچاننا بھی شکل میں اشکال ہو گیا
ایک ایک عضو قرعۂ رمّال ہو گیا

۱۱۴

لوہے کا خود کاسۂ سر میں نہاں ہوا
بر سے اُکھڑ کے قلب و جگر میں نہاں ہوا
سر پر لگی یہ ضرب کہ بر میں نہاں ہوا
سینہ شکست ہو کے کمر میں نہاں ہوا
ساتوں طبق زمیں کے تہ چرخ ہل گئے
ابر دستی کے پاؤں کے ناخن نکل گئے

۱۱۵

پڑھنے لگے درود فلک پر ملک بہم
آئی صدا علیؐ کی نثار اس پہ خاک کے ہم
نصرت نے ہاتھ چوم لیے فتح نے قدم
تو شیرِ حق کا فخر ہے اے صاحبِ کرم
یہ جنگ تجھ پہ ختم ہے اندوہ و یاس میں
میں بھی کبھی لڑا نہیں اس بھوک پیاس میں

۱۱۶

اے افتخارِ فاتحِ بدر و حنین واہ
رحمت خدا کی واہ مرے نورِ عین واہ
کرتے ہیں مرد یونہی ادا سر سے دَین واہ
کس حسن سے جہاد کیا اے حسینؐ واہ
جو زور آج تک تھا خفی وہ جلی ہوا
تو فخرِ خاندانِ نبیؐ و علیؐ ہوا

۱۱۷

تنہا لڑا ہوں میں بھی ہزاروں سے میرے لال
میری مدد کو ہوتے تھے محبوبِ ذوالجلال
پیاسا و گرسنہ کبھی کی نہیں جدال
تنہا ہے تو ظلم ہوئے سب تیرے نونہال
ان حادثوں میں جنگِ عجب کا انتظام ہے
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی کام ہے

۱۱۸
رو کر کہا حسینؑ نے اے شاہِ بحر و بر
میں کیا کروں گا جنگ کہ سو داغ اک جگر
عباسؑ مر کے توڑ گئے ہیں مری کمر
دل ہے ضعیف جب سے موا ہے جواں پسر
کیا جنگ سوجھے غم ہو جب آنکھوں کے نور کا
ہاں کچھ لڑا تو سب ہے یہ صدقہ حضور کا

۱۱۹
اکبرؑ بغیر دل نہیں جینے کو چاہتا
نانا کے کلمہ گو ہیں یہ ان سے لڑوں میں کیا
اب کیجیے زبانِ مبارک سے یہ دعا
کٹ جائے تیغِ ظلم سے جلدی مرا گلا
سر دے کے حق کی راہ میں فارغ حسینؑ ہو
پھر بے حرم لٹیں مگر امت کو چین ہو

۱۲۰
زینبؑ پکاری ڈیوڑھی سے اس دم بچشمِ تر
یہ کس سے باتیں کرتے ہو یا شاہِ بحر و بر
آئی سمٹ کے فوج تمھیں کچھ نہیں خبر
دم گھٹ گیا نکلتی ہوں خیمے سے ننگے سر
پھر ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے کام لو
کس نے کہا کہ ہاتھ لڑائی سے تھام لو

۱۲۱
دیکھو وہ تیر چلّوں سے اعدا ملاتے ہیں
نیزوں کو تولتے ہوئے ظالم پھر آتے ہیں
چھپ چھپ کے حیلہ ساز کمندیں بچھاتے ہیں
ہے بے ستم شعار پرے پھر جماتے ہیں
رحم ان پہ آپ کا نہ جنھوں نے ادب کیا
تیغِ علیؑ کو روک لیا کیا غضب کیا

۱۲۲
پھر کھینچو ذوالفقار کو یا شاہِ دیں پناہ
ہم کو بچاؤ قید سے ہم ہوویں گے تباہ
شفقت کرے گا ان کے رانڈوں پہ کون آہ
صدقے گئی سکینہؑ کے سن پر کرو نگاہ
روتی مچل کے گر تو سنبھالی نہ جائے گی
بے آپ کے کسی سے یہ پالی نہ جائے گی

۱۲۳
یہ عمر اور یتیمی کے یہ رنج و غم و محن
بچی سے اٹھ سکے گا بھلا صدمۂ رسن
کبریٰؑ پہ جائے رحم ہے اے سرورِ زمن
اکبرؑ سا بھائی سر پہ نہ لختِ دلِ حسنؑ
حضرت بغیر کون ہے صورت حیات کی
رانڈ آج ہو گئی ہے دلھن ایک رات کی

۱۲۴
حضرت پکارے سب کا خدا ہے نہ کھاؤ غم
اب اشتیاقِ ذبح زیادہ ہے دم بہ دم
فرماتے ہیں علیؑ ولی شفقت و کرم
تھے شیرِ کبریا سے بہن ہم کلام ہم
بھائی پسر کی جنگ شہِ خاص و عام کو
بابا نے سرفراز کیا ہے غلام کو

۱۲۵
زینبؑ پکاری آئے علیؑ شکرِ کردگار
اب تو نہ برچھیاں تمھیں ماریں گے نابکار
پردے کو پھر اٹھا کے پکاری وہ سوگوار
بابا تمھاری بندہ نوازی کے میں نثار
بابا چھوڑیو نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
لے جاؤ اپنے ساتھ نجف میں حسینؑ کو

۱۲۶
دشمن تو لاکھ اور مرے بھائی کا ایک دم
واں تو کوئی کرے گا نہ سادات پر ستم
بچوں کو ساتھ لے کے وہیں جا پڑیں گے ہم
جھاڑے گی قبر ہاتھوں سے زینبؑ اسیرِ غم
دن کو تو کربلا کے شہیدوں کو روئیں گی
راتوں کو گرد آپ کی تربت کے سوئیں گی

۱۲۷
شہ بولے حکمِ حق میں نہیں طاقتِ کلام
حیدر بھی ہیں سکوت میں اور انبیا تمام
ہے ہر بشر کی عقدہ کشائی ہمارا کام
زینبؑ یہی زمیں ہے مرے قتل کا مقام
خنجر قریب زانوے قاتل قریب ہے
آج امتحانِ صبرِ حسینؑ غریب ہے

۱۲۸
چاہوں تو ایک دم میں فنا ہوں یہ نابکار
مظلوم ہو کے مرتا ہے زہراؑ کا یادگار
لیکن کیا ہے میں نے غریبی کو اختیار
تا ہو نجاتِ امّتِ محبوبِ کردگار
جو لطف رحم میں ہے وہ نہیں ہے عتاب میں
ہے عاجزی پسند خدا کی جناب میں

۱۲۹
کبریٰ اسیر ہو کہ سکینہؑ طمانچے کھائے
شیعہ رہا ہوں نار سے عابدؑ گلا بندھائے
دوزخ سے دوستوں کو ہمارے خدا بچائے
خیمہ مرا جلے پہ نہ امّت پہ آنچ آئے
دوزخ ہو دور کوثر و جنت قریب ہو
میں ذبح ہوں تو ہوں انھیں راحت نصیب ہو

۱۳۰
یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام
حربے کئی ہزار اور اک شاہِ تشنہ کام
گردن جھکا کے برچھیاں کھانے لگے امام
خوں میں قبا رسولؐ کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علیؑ کے لال کے شانوں پہ چل گئیں
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

۱۳۱
مینھ کی طرح برسنے لگے شاہِ دیں پہ تیر
دامن پہ تیر جیب پہ تیر آستیں پہ تیر
تھرّاتے تھے لگ کے تنِ نازنیں پہ تیر
پہلو پہ تیغ سینے پہ نیزہ جبیں پہ تیر
داغوں سے خوں کے رختِ بدن لالہ زار تھا
شکلِ ضریح سینۂ اقدس فگار تھا

۱۳۲
تر تھی لہو میں زلفِ شکن در شکن جدا
در پے تھے نیزہ باز جدا تیغ زن جدا
مجروح لعلِ لب تھے جدا اور دہن جدا
کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر اک عضوِ تن جدا
سیپارہ تھا نہ صدر فقط اس جناب کا
پرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

۱۳۳
کرتا تھا وار برچھیوں والوں کا سب پرا
نیزوں میں خوں نبیؐ کے نواسے کا تھا بھرا
تیغوں سے دم کے لینے کی فرصت نہ تھی ذرا
شمشیر و تیر نیزہ و خنجر کے ماورا
چلتے تھے سنگ فاطمہؑ زہرا کے لال پر
تھیں سختیاں ستم کی شہِ خوش خصال پر

۱۳۴
پھیری نہ تھی جو پشتِ مبارک دمِ مصاف
سیدِ بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف
تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تا بہ ناف
غل تھا کہ آج ہوتا ہے گھر فاطمہؑ کا صاف
سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بوتراب سے
لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے

۱۳۵
رہوار سے بھی نہ گرا تھا وہ تشنہ لب
دل زخمی ہو گیا تو ہوا روح پر تعب
نیزہ کسی کا چل گیا پہلو پہ ہے غضب
غش کھا کے صدرِ زیں سے گرے سرورِ عرب
پہونچی فلک پہ آہ شہِ مشرقین کی
آئی صدا زمیں سے کہ ہے ہے حسینؑ کی

۱۳۶

بڑھ کر سناں کا ابنِ انس نے کیا جو وار
دوڑے سنبھالنے کے لیے شاہ ذوالفقار
دامانِ زمیں پکڑ کے جھکے شاہِ نامدار
اس وقت یہ زمیں کو ہوا حکم کردگار
بے چین تجھ پہ گر کے نہ یہ دردمند ہو
اے ارضِ کربلا سے معلیٰ بلند ہو

۱۳۷

اس کے لیے جہاں کو سنوارا ہے اے زمیں
یہ عرشِ کبریا کا ستارہ ہے اے زمیں
میرے حبیبِ خاص کا پیارا ہے اے زمیں
ہم اس کے ہیں حسینؑ ہمارا ہے اے زمیں
دولت نبیؐ و فاطمہؑ و مرتضیٰؑ کی ہے
دامن میں لے اسے یہ امانت خدا کی ہے

۱۳۸

ہاگر بلند دامنِ زیں تک ہوئی زمیں
تھاما علیؑ نے بازوئے فرزندِ مہ جبیں
راہوار سے جھکے طرفِ خاک شاہِ دیں
زہرا پکاری غش میں ہے احمدؐ کا جانشیں
زخموں میں درد ہو نہ کہیں میرے لال کے
لوگو اتارو گھوڑے سے بازو سنبھال کے

۱۳۹

تڑپا اتر کے خاک پہ فرزندِ بوتراب
اس وقت شمر سے پسرِ عمر نے کیا خطاب
تیغیں چمکتی دیکھ کے کہتے تھے آب آب
کیا دیر ہے حسینؑ کا سر کاٹ لے شتاب
بے کس پہ کھینچ کھینچ کے خنجر عدو جھکے
ہاتھوں کو ٹیک کر شہِ دیں قبلہ رو جھکے

۱۴۰

بارہ تو خنجر ایک گلا وا مصیبتا
غم ہے کسی کا دل نہ جلا وا مصیبتا
سینے پہ یہ بلا پہ بلا وا مصیبتا
ان سب کے بعد شمر چلا وا مصیبتا
آیا نہ رحم سینۂ شاہِ شہید پر
زانو رکھا شقی نے کلامِ مجید پر

۱۴۱

رکھنے لگا جو حلق پہ خنجر وہ بد خصال
بیتاب ہوں بتا دے مجھے بہرِ ذوالجلال
اس وقت غش سے چونک کے بولا علیؑ کا لال
بی بی تو کوئی نکلی نہیں کھولے سر کے بال
بولا وہ نسلِ سیدِ زہرا بھی آتی ہے
کوئی تو پیٹتی ہوئی خیمے سے آتی ہے

۱۴۲

لڑکی بھی ایک ساتھ ہے پیٹے ہوئے جگر
اس دم تڑپ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
کہتی ہے زلفیں نوچ کے ہے ہے مرے پدر
اے شمر اس کے سامنے مجھ کو نہ ذبح کر
خنجر کو ایک دم کے لیے آہ روک لے
یہ خوں بھری عبا مری للہ روک لے

۱۴۳

گر یہ نہ ہو تو حلق پہ خنجر کو جلد پھیر
زینب وہ ہے کہ باپ ہے جس کا خدا کا شیر
پلٹے گی وہ حسینؑ سے آکر ہوئی جو دیر
اس دم لیا قساوتِ قلبی نے اس کو گھیر
غصے سے آستیں کو چڑھانے لگا لعیں
خنجر گلوئے شہ پہ پھرانے لگا لعیں

۱۴۴

کرتا ہے راویوں میں حمید اس طرح بیاں
آتی تھی شش جہت سے صدا یہ کہ الاماں
ہنگامِ ذبح تیرہ و تاریک تھا جہاں
غل تھا کہ اب زمیں پہ گرتا ہے آسماں
کرتا ہے شمر ذبح دو عالم کے شاہ کو
حضرت پکارتے ہیں رسالت پناہ کو

۱۴۵

رک بی بی دوڑی آتی تھی رن میں باضطراب — موزے تو پاؤں میں رخِ پر نور پر نقاب
گرد اس کے تھا روا کے سوا نور کا حجاب — پیرایہ تھا کہ ابر میں پنہاں ہے آفتاب
تھی آگے آگے چادرِ عصمت رکی ہوئی
بکھرے تھے سر کے بال کمر تھی جھکی ہوئی

۱۴۶

خالی نظر پڑا جو اسے ذوالجناحِ شاہ — چلائی سر کو پیٹ کے میں ہو گئی تباہ
سمجھی گرا زمیں پہ شہِ عرش بارگاہ — اے کربلا کدھر ہے محمدؐ کا رشکِ ماہ
دیکھی جو اس نے تیغ گلے پر امامؑ کے
رتی پہ گر پڑی وہ کلیجے کو تھام کے

۱۴۷

چلائی اٹھ کے خاک سے نانا مدد کو آؤ — بھائی ہے میرا تیغ تلے یا علیؑ بچاؤ
اماں خدا کے واسطے تشریف جلد لاؤ — یا مجتبیٰ حسینؑ کو آغوش میں اٹھاؤ
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسینؑ کو
اے ذوالجناح تو ہی بچالے حسینؑ کو

۱۴۸

اے ذوالجناح سبطِ نبیؐ میں ترے نثار — بچپن سے میرے بھائی نے تجھ کو کیا ہے پیار
قاتل ترے سوار کی چھاتی پہ ہے سوار — تیرے سوا نہیں کوئی اس وقت غم گسار
میں بنت فاطمہؑ ہوں جو بھائی کو پاؤں گی
تیرے سموں کو آنکھوں سے اپنے لگاؤں گی

۱۴۹

فریاد کر کے رہ گئی وہ سوختہ جگر — یاں تن سے کٹ گیا پسرِ فاطمہؑ کا سر
چلاتی تھی بتولؑ کہ ہے ہے مرا پسر — کہتے تھے مصطفیٰؐ کہ لٹا مرتضیٰؑ کا گھر
اب دیکھیے کہ لاشِ غریب الوطن اٹھے
شبیرؑ گیا جہاں سے کہ اٹھے پنجتنؑ اٹھے

۱۵۰

ہر دم رہے انیس زباں پر خدا خدا — بجز جہاں میں کون کسی کا ہے آشنا
دلداری و محبت و دلجوئی و وفا — معدوم ہے بصورتِ عنقا و کیمیا
گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو
ہم نے تو ایک دل کو نہ دیکھا کہ صاف ہو

سلام

۱ — سلامی درِ شہ پہ گر جائیں گے — تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے
۲ — ہر اک آن یاں زندگی موت ہے — جئیں گے جو واں جا کے مر جائیں گے

قطعہ

۳ — کہا فوجِ اعدا سے عباسؑ نے — سرک جاؤ ہم نہر پر جائیں گے
۴ — ملے گا اگر اب نہ پانی ابھی — بھڑک کر کئی طفل مر جائیں گے
۵ — گلوں سے جو اترے گا اک ایک گھونٹ — تو اکھڑے ہوئے دم ٹھہر جائیں گے
۶ — سکینہؑ کی ننھی سی اس مشک سے — جو ہو نہر خالی تو بھر جائیں گے

چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی — تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

قطعہ

لعینوں سے کہتے تھے زینبؑ کے لال — جو کچھ ہم سے ہوگا وہ کر جائیں گے
نہ دکھلاؤ تیغیں ہمیں کر صغیر — ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے
پہنا کر کہا شہ نے رختِ کہن — یہ کپڑے بھی تن سے اتر جائیں گے

قطعہ

حرم سے شبِ قتل کہتے تھے شاہ — دمِ صبح ہم کوچ کر جائیں گے
مصیبت کی راتیں بسر ہو گئیں — نہ روؤ یہ دن بھی گذر جائیں گے
یہ کہتی تھی بانوؑ خبر کس کو تھی — کہ اکبرؑ جواں ہو کے مر جائیں گے

قطعہ

عدو رنج دیتے تو کہتے تھے شاہ — ہم اب پھر کے یاں سے نہ گھر جائیں گے
خدا گواہ ہے شاہد کہ بے جرم ہیں — چھپیں گے کہاں اور کدھر جائیں گے
خدا بات رکھے جہاں میں انیسؔ — یہ دن ہر طرح سے گذر جائیں گے

رباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے — بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا — جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

رباعی

آدم کو عجب خدا نے رتبا بخشا — ادنیٰ کو دیے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں — اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

رباعی

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے — یہ ذوق مرفّع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو یہ دولتِ فقر — برسوں ڈھونڈھے تو بادشا کو نہ ملے

رباعی

دل بت سے اٹھا کے حق پرستی کیجئے — بے تیغ انیسؔ قطعِ ہستی کیجئے
آخر اک دن یہ پاؤں ہوں گے بیکار — بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجئے

مرثیہ

لہو سے لال جو رن میں علیؑ کا لال ہوا
بہا جو زخموں سے خوں جسم شہ نڈھال ہوا
عجب وفور جراحت سے تن کا حال ہوا
سنبھلنا خانۂ زیں پر اُسے محال ہوا
حسینؑ امام تو گھوڑے پہ ڈگمگانے لگے
قریب آکے عدو برچھیاں لگانے لگے

۲

اکیلے شاہ تھے اور تھا ہجوم لشکر شام
چھدا ہوا تھا تن پاک برچھیوں سے تمام
کوئی لگاتا تھا نیزہ ستم کا کوئی حسام
رضا رضا کے سوا کچھ نہ تھا زباں پہ کلام
نجات امت عاصی کی چاہتے تھے حسینؑ
جو کچھ زباں سے کہا تھا نباہتے تھے حسینؑ

۳

بدن پہ پڑتے تھے جب تیر شکر کرتے تھے
وہ تیر ظلم کے سینے سے جب گزرتے تھے
یہ رحم تھا کہ نہ قبضے پہ ہاتھ دھرتے تھے
تو دیکھ سوئے فلک سرد آہ بھرتے تھے
دکھاتے زور امامت تو پھر قیامت تھی
عجب رسولؐ کی امت سے شہ کو الفت تھی

۴

یہ کس میں حوصلہ جو تن تو ہوئے زخموں سے چور
جو چاہتا تو فنا ہوتے دم میں وہ مقہور
دکھائے اس پہ نہ قدرت وہ صاحب مقدور
مگر حسینؑ کو خالق کی تھی خوشی منظور
ملا نہ کون سا دکھ کون سی جفا نہ ہوئی
مگر زباں کبھی شکوے سے آشنا نہ ہوئی

۵

رفیق آنکھوں کے آگے ہوئے شہید ستم
فرات پر ہوئے بھائی کے دونوں ہاتھ قلم
بھتیجا قاسمؑ نوشاہ سا ہوا بے دم
پسر ہوا علی اکبرؑ سا سہہ کے رنج و الم
ہر ایک رنج میں گو جان دردمند رہی
رضائے خالق اکبر مگر پسند رہی

۶

عدو تو نیزہ و تیر و تبر لگاتے تھے
زبان خشک کبھی ہونٹوں پر پھراتے تھے
امام زخموں کو کھا کھا کے مسکراتے تھے
کبھی دعا کے لیے زخمی ہاتھ اٹھاتے تھے
حرم کا دھیان تھا نہ غم تھا اپنے پیاروں کا
فقط خیال تھا ہم سے گناہ گاروں کا

۷

بہم جو پہونچا نہ تھا تین دن سے قطرۂ آب
مہینہ جیٹھ کا تھا دھوپ میں تھی بہ تب و تاب
فرس پہ غش ہوئے جاتے تھے شاہ عرش جناب
کہ دشت کیں کی زمیں تھی زمین روز حساب
زوال شمس تھا لوئیں گرمیوں کی چلتی تھی
شرر فشاں تھا فلک اور زمین جلتی تھی

۸

کھڑا تھا دھوپ میں تنہا وہ شاہ نیک سیر
کٹے تھے پیچ عمامے کے تیغوں سے یکسر
نہ کوئی یار تھا اس وقت نے کوئی یاور
ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے تن پر
رکاب پائے مبارک سے نکلی جاتی تھی
زبان پیاس کی شدت سے لڑکھڑاتی تھی

۹

بدن کے زخم تمازت سے خور کی جلتے تھے
ہر ایک زخم سے خوں لے کے منہ پہ ملتے تھے
لہو کے قطرے بسان شرر نکلتے تھے
جو گرنے لگتے تھے گھوڑے پہ پھر سنبھلتے تھے
کبھی دہن سے ٹپکتا تھا گہ جبیں سے لہو
امام پونچھتے جاتے تھے آستیں سے لہو

۱۰

نہ رحم کرتے تھے کچھ شامیانِ بد کردار
ہر ایک سمت سے پڑتی تھی تیر کی بوچھار
پیاپے اس پہ لگاتے تھے تیغِ ظلم کے وار
تو اُن سے کہتا تھا فرزندِ احمدِ مختار
نہ مارو مجھ کو دو عالم کا بادشاہ ہوں میں
خدا گواہ ہے سید ہوں بے گناہ ہوں میں

۱۱

ڈرو خدا سے ذرا اے گروہِ ظلم پسند
کیا قبول کہ حیدرؑ کا بھی نہیں دل بند
نہیں سمجھتے نہ سمجھو رسولؐ کا فرزند
بتولؑ کے بھی کلیجے کا میں نہیں پیوند
اسیرِ رنج و محن ہوں۔ بلا نصیب تو ہوں
میں کلمہ گو تو ہوں مہماں تو ہوں غریب تو ہوں

۱۲

امام سمجھو نہ اک بندۂ خدا سمجھو
علیؑ کا لال نہ زہراؑ کا دلربا سمجھو
غریب بے کس و بے یار و آشنا سمجھو
عیال دار مصیبت کا مبتلا سمجھو
کلیجہ سوزِ عطش سے کباب ہے یارو
پلانا پیاسے کو پانی ثواب ہے یارو

۱۳

کوئی نہ سنتا تھا یہ اُس امام کی تقریر
کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ سر کھولے شاہ کی ہمشیر
ستم کی برچھیاں سینے پہ مارتے تھے شریر
فغاں یہ کرتی تھی وہ دخترِ امیرِ کبیر
لعینو! بھوکے پیاسے کو قتل کرتے ہو
رسولِ حق کے نواسے کو قتل کرتے ہو!

۱۴

میں اب نکلتی ہوں جیسے نے سر کے کھولے بال
غریب بے کس و بے آس ہے رسولؐ کا لال
نہ لو امام کے خوں کا تم اپنے سر پہ وبال
بس اب نہ وار کرو زخمی ہو چکا ہے کمال
عیال لے کے کسی اور سمت جائے گا
تمہاری ملک کی سرحد میں اب آئے گا

۱۵

یہ کہہ کے زینبؑ بیکس پچھاڑیں کھاتی تھی
سکینہؑ ہائے پدر کہہ کے بلبلاتی تھی
درِ خیام سے کلثومؑ نکلی آتی تھی
صدا یہ گوشِ شہِ تشنہ لب میں جاتی تھی
سوئے خیام بہ حسرت نگاہ کرتے تھے
جگر کو تھام کے ہاتھوں سے آہ کرتے تھے

۱۶

بہن جو سنتی تھی بھائی کی نالہ و زاری
پکارتی تھی کہ بھیا بہن ترے واری
اٹھا کے خیمے کے پردے کو تب وہ دکھیاری
لگے ہیں تیروں سے کیا زخم جسم پر کاری
پکار کر کہو مجھ سے جو حال ہے بھائی
تمہارا جسم تو سب خوں سے لال ہے بھائی

۱۷

یہ ظلم دیکھنے کی میرے دل کو تاب کہاں
تمہاری بے کسی مظلومی کے بہن قرباں
خدا کے واسطے خیمے میں آؤ بھائی جاں
خبر تو رانڈوں کی لو یا امامِ تشنہ دہاں
کھڑی ہوئی درِ خیمہ پہ ہاتھ ملتی ہوں
تم آؤ ورنہ میں اب ننگے سر نکلتی ہوں

۱۸

جو تم میں آنے کی طاقت نہ ہو تو آؤں میں
بدن پہ نیزہ و خنجر کے زخم کھاؤں میں
تمہارے بدلے سپر ہوں تمھیں بچاؤں میں
ردائے حضرتِ زہراؑ تمھیں اوڑھاؤں میں
پھر اپنی آنکھوں سے اک بار دیکھ لوں بھائی
تمہارا آخری دیدار دیکھ لوں بھائی

۱۹
سنی غریب بہن کی یہ جس گھڑی تقریر
تو اپنی بے کسی پہ رو دیے سیدِ دلگیر
پکارے تیغ کو منہ پھیر کر کہ اے ہمشیر!
مرے بچانے کی اس وقت مت کرو تدبیر
لگام گھوڑے کی اس دم پھرا نہیں سکتے
یہ زخمی ہیں کہ وہاں تک ہم آ نہیں سکتے

۲۰
کھڑی ہے گھیرے ہوئے مجھ کو فوجِ ناہنجار
قدم نہ ڈیوڑھی سے باہر نکالیو زنہار
خدا کے شیر کی بیٹی ہو تم بلند وقار
جو نکلو گی تو کہے گا ہر ایک بدکردار
حسینؑ امام کی خواہر کو سر کھلے دیکھا
بتولِ پاک کی دختر کو سر کھلے دیکھا

۲۱
یہ سچ ہے ضبط کا اس دم نہیں یارا
پہ کیا کریں کہ سوا ضبط کے نہیں چارا
اگرچہ تن ہے مرا تیغ کیں سے صد پارا
مگر بہن ترے بھائی نے دم نہیں مارا
یہ جانیو کہ مجھے زخموں کی اذیت ہے
خدا کی راہ میں جو رنج ہے سو راحت ہے

۲۲
یہ جائے گریہ نہیں بلکہ ہے خوشی کی جا
کہ آج ہوتا ہوں بھینا شہیدِ راہِ خدا
ملے گا خلعتِ پر خوں مجھے شہادت کا
بلند ہوگا دو عالم میں مرتبہ میرا
فدائے خالقِ بندہ نواز ہو شبیرؑ
چڑھے سناں پہ جو سر سرفراز ہو شبیرؑ

۲۳
بھلاؤ دل سے مجھے اب خدا کو یاد کرو
نہ دے گا کوئی طلب مت کسی سے داد کرو
رضائے خالقِ اکبر پہ اعتماد کرو
اسی کی جا ہو خوشی دل کو اپنے شاد کرو
جو وہ ہو راضی تو مرنا بھی زندگانی ہے
محل رنج و مصیبت یہ دارِ فانی ہے

۲۴
تمھاری ماں پہ ہوئے کیسے رنج و محن
ہمیشہ صدمے پہ صدمے دیا کیے دشمن
سوائے شکر شکایت کا پر کیا نہ سخن
گروہ تم بھی کہ جو تھا تمھاری ماں کا چلن
نہ پیٹو سینہ و سر نے بکا کرو بھینا!
اب اپنے بھائی کے حق میں دعا کرو بھینا

۲۵
گلے پہ جبکہ رواں ہوئے میرے تیغِ ستم
تو سوئے قبلہ ہو سجدے میں تم بھی گردن خم
ہزار تیر بدن پر اگر لگیں پیہم
دعا کرو یہ کہ اس راہ سے ڈگے نہ قدم
گلے پہ جلد رواں میرے تیغِ بُرّاں ہو
اب ایک ذبح کے دم کی بھی مشکل آساں ہو

۲۶
بیاں بہن سے یہ کرتا تھا وہ امامِ انام
پکارا فوج کو تب ابنِ سعد بد انجام
کرو بس اب پسرِ فاطمہؑ کا کام تمام
گرا دو گھوڑے سے جلد اے گروہِ لشکرِ شام
سناں سے تیغ سے خنجر سے دل فگار کرو
بدن سے کاٹ کے سر نیزے پر سوار کرو

۲۷
یہ سن کے ٹوٹ پڑی اس پہ فوجِ کیں اک بار
ہر اک طرف سے ہوئی برچھیوں کی مارا مار
قبا رسولؐ کی سب خوں سے ہو گئی گلنار
پہ کیا بیاں کروں صبرِ شہِ بلند وقار
نہ اضطراب تھا کچھ اور نہ بے قراری تھی
دعائے بخشش امت زباں پہ جاری تھی

۲۸

سنبھلنے کا جو نہ تھا ذوالجناح کو یارا
کہ نیزہ پہلو پہ اک بد نہاد نے مارا
تو لڑکھڑاتا تھا ہر مرتبہ وہ بیچارا
تڑپ گیا وہ جنابِ رسولؐ کا پیارا
تکان سے اس کی جو سینے میں درد ہونے لگا
تو شہ کا چہرۂ پرنور زرد ہونے لگا

۲۹

نہ اس ستم پہ بھی باز آئے آہ وہ بے پیر
ابوالحنوق لعیں نے کماں میں جوڑ کے تیر
کسی نے فرقِ مبارک پہ ماری اک شمشیر
لگایا آہ سوئے دلبرِ جنابِ امیر
وہ ماتھا چاند سا یوں تیر کا نشانہ ہوا
کہ پشتِ سر سے وہ تیرِ ستم روانہ ہوا

۳۰

وہ زخم تیر کا جب یک بہ یک لگا کاری
پسر بن وہب نے ایک برچھی چھاتی پر ماری
جبیں سے صورتِ فوارہ خوں ہوا جاری
کہ اس کی زہر میں آلودہ تھی سناں ساری
وہ برچھی سینۂ شبیرؑ کے جو پار ہوئی
تو روحِ فاطمہؑ مرقد میں بے قرار ہوئی

۳۱

سناں وہ سینے سے سبطِ نبیؐ نے جب کھینچی
غش آیا پھر نہ سنبھلنے کی شہ کو تاب رہی
کلیجہ ٹکڑے ہوا خون کی بہی ندی
قدم رکابوں سے اور ہاتھ سے لگام چھٹی
جدا جو گھوڑے سے وہ نامدار ہونے لگا
تو ذوالجناح بھی گردن جھکا کے رونے لگا

۳۲

ابھی زمیں پہ گرے تھے نہ ذوالجناح سے شاہ
خبر حسینؑ کی لو جلد آکے یا ابتاہ!
کہ آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا ناگاہ
خدا کے شیر کو بھی لیتے آئیو ہمراہ
دہائی ہے مرا پیارا زمیں پہ گرتا ہے
خدا کے عرش کا تارا زمیں پہ گرتا ہے

۳۳

کوئی نہیں مرے بچے کو تھامنے والا
کوئی لگاتا ہے تیرِ ستم کوئی بھالا
ہر ایک زخم سے بہتا ہے خوں کا پرنالہ
بڑے دکھوں سے اسے فاطمہؑ نے تھا پالا
شہید لال مرا بے گناہ ہوتا ہے
مدد کرو کہ مرا گھر تباہ ہوتا ہے

۳۴

پکاری فاطمہؑ پھر ذوالجناح کو اک بار
گرے کہیں نہ تری پشت سے مرا دلدار
سوارِ دوشِ رسولِ خدا ہے تجھ پہ سوار
دوزانو خاک پہ آہستہ بیٹھ جا رہوار
خدا نہ کردہ جو یہ نیم جاں زمیں پہ گرا
یقیں سمجھ لے کہ بس آسماں زمیں پہ گرا

۳۵

یہ تیری پیٹھ کا بچپنے سے چڑھنے والا ہے
یہ برگزیدۂ محبوبِ حق تعالیٰ ہے
اسے رسولؐ سے آقا نے تیرے پالا ہے
مگر فلک نے مصیبت میں اس کو ڈالا ہے
زمیں پہ گر کے جو غلطاں بگرد ہووے گا
مرے حسینؑ کے زخموں میں درد ہووے گا

۳۶

تو جانتا ہے یہ چڑھتا تھا دوشِ احمدؐ پر
برائے سجدۂ معبود جب جھکاتے تھے سر
بنا تھا عید کے دن اس کا اونٹ پیغمبرؐ
سوار ہوتا تھا پشتِ نبیؐ پہ یہ دلبر
خدا کے دوست سے ایسا یہ پیار کرتا تھا
نہ سر اٹھاتا تھا جب تک نہ یہ اترتا تھا

۳۷

سنی جو گھوڑے نے یہ بنتِ مصطفیٰؐ کی صدا
اتر کے رن پہ گھوڑے سے دلبرِ زہراؑ
تو گھٹنے ٹیک کے تازی زمیں پہ بیٹھ گیا
لہو میں ماہیِ بے آب سا تڑپنے لگا
وہ گیسو خاک سے اس بن کی اَٹ گئے سارے
بدن کے زخم تڑپنے سے پھٹ گئے سارے

۳۸

زمیں پہ خون میں غلطاں تھے حضرتِ شبیرؑ
کمال کوزہ سے نکلا حصینؔ ابنِ نمیر
کہ گرد شہ ہوا انبوہِ فرقۂ بے پیر
گلوئے خشک پہ حضرت کے اس نے مارا تیر
دوسار ہو کے وہ تیرِ ستم اٹکنے لگا
گلے میں آئے رکا دم لہو ٹپکنے لگا

۳۹

یہ حال دیکھ کے بھائی کا زینبؑ مضطر
قریبِ شاہ کے آ پہونچی جب وہ خستہ جگر
اٹھا کے خیمے کے پردے کو دوڑی ننگے سر
پکاری اے عمرِ سعد دیکھ خدا سے تو ڈر
حجاب فوج پیمبرؐ سے کچھ بھی آتا ہے
تو دیکھتا ہے ہمارا بھائی مارا جاتا ہے

۴۰

یہ کون ہے جسے کرتا ہے قتل اے بے پیر
یہ کس کا حلق ہے مارا ہے جس پہ ظلم کا تیر
یہ کس کے جسم سے نکلے ہیں نیزہ و شمشیر
بھری ہے خون میں یہ کس کی چاند سی تصویر
ارے غریب ہے بیکس ہے بھوکا پیاسا ہے
ذرا سمجھ تو یہ کس شخص کا نواسا ہے

۴۱

سخن یہ زینبؑ دلگیر کے جو شہ نے سنے
اور اپنے حلق سے کھینچا وہ تیر جلدی سے
زمیں پہ غش میں تڑپتے تڑپتے اٹھ بیٹھے
لگے کہ زخم پہ زینبؑ کی تا نظر نہ پڑے
لہو کی دھار سی لیکن نظر جو آنے لگی
دہائی دے دے کے زینبؑ پچھاڑیں کھانے لگی

۴۲

نہ آیا اس پہ بھی رحم ابنِ سعد کو اصلاً
سنان و خولی و حجاج و شمر سے یہ کہا
شقی نے اپنا رخِ نحس ادھر سے پھیر لیا
بدن سے کاٹ لو اب سر حسینؑ بے کس کا
کسی کے چیخنے رونے کا مت خیال کرو
سموں سے گھوڑوں کے لاشہ بھی پائمال کرو

۴۳

یہ سن کے آئے پئے قتلِ شہ وہ ناہنجار
تنِ شریف میں جنبش رہی نہ جیب زنہار
امامِ دیں پہ پھر آ کر کیا ہر ایک نے وار
چڑھا حسینؑ کی چھاتی پہ شمرِ بدکردار
اب آگے حال کہوں کیا گلو و خنجر کا
انیسؔ تازہ ہے غم تا بہ حشر سرور کا

سلام

۱. گھر سے جب زوّار دو منزل گیا — بحر ہی جنت کا رستہ مل گیا
۲. کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو — زخم جو کھایا بدن پہ کھل گیا
۳. سینۂ اکبرؑ پہ واں برچھی لگی — گھر میں یاں ماں کا کلیجہ ہل گیا
۴. تھے علی اکبرؑ عجب رشکِ چمن — کربلا کو لطفِ جنت مل گیا

بات کی جب پھول منہ سے جھڑ پڑے	۵	مسکرا اے جب تو غنچہ کھل گیا
	قطعہ	
شہسوارِ دوشِ احمدؐ کا پسر	۶	قید میں پیدل کئی منزل گیا
بیڑیوں سے پنڈلیاں زخمی ہوئیں	۷	طوق سے نازک گلا چھل چھل گیا
روئے آسائش نہ دیکھا عمر بھر	۸	جو گیا دنیا سے وہ بے دل گیا
قہرِ حق تھا غیظ عباسِ علی	۹	شیر کے نعروں سے جنگل ہل گیا
کہتے تھے شہ مل گئے ہم خاک میں	۱۰	اے فلک بتلا تجھے کیا مل گیا
شکر اللہ تخت پر بیٹھے علیؑ	۱۱	جلوہ فرما حق ہوا دل کھل گیا
پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ	۱۲	جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا
	رباعی	
گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو		ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو
توقیر کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم		موسیٰ سے رموزِ لن ترانی پوچھو
	رباعی	
دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں		نے مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو		ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں
	رباعی	
کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے		کیا عزو شرف امامِ غازی کا ہے
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے		نیزے پہ یہ سر کسی غازی کا ہے
	رباعی	
میداں میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے		زہرا و علیؑ اشکوں سے منہ دھوتے تھے
بھائی کے لیے ہوتے تھے شبرؑ بیتاب		سر پیٹ کے محبوبِ خداؐ روتے تھے
	رباعی	
زینبؑ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے		بے رحم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر		سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

مرثیہ ۱

جبکہ خاموش ہوئی شمع امامت رن میں
اور تڑپنے لگا وہ سرو سا قامت رن میں
دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثارِ قیامت رن میں
چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی
نالۂ فاطمۂ زہرا کی صدا آتی تھی

۲

شور تھا فاطمہؑ کا راحتِ جاں قتل ہوا
حق کے سجدے میں امامِ دو جہاں قتل ہوا
ہائے پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا
قبلۂ دینِ شرف کون و مکاں قتل ہوا
ظلم اعدا سے ہوا یثرب و بطحا خالی
ہو گئی پنجتنِ پاک سے دنیا خالی

۳

تشنہ لب بے کس و مظلوم و مسافر ہے ہے
تابعِ مرضیِ حق صابر و شاکر ہے ہے
بوند پانی کی نہ پائی دمِ آخر ہے ہے
روضۂ احمدِ مرسل کے مجاور ہے ہے
سر لیے جاتے ہیں نیزے پہ چڑھانے کے لیے
کوئی آتا بھی نہیں لاش اٹھانے کے لیے

۴

بی بیاں ڈیوڑھی پہ چلاتی ہیں کھولے ہوئے سر
کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ تفتیدہ جگر
ہائے فرزندِ علیؑ ہائے محمدؐ کے پسر
سبطِ احمدؐ تری مظلومی کے صدقے خواہر
تم نے پردیس میں منہ بہنوں سے موڑا بھائی
آپ جنت کو سدھارے ہمیں چھوڑا بھائی

۵

گھر میں زہرا کے تو ماتم تھا ستم گاروں میں عید
غل تھا سجدے میں ہوا فاطمہؑ کا لال شہید
روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روزِ سعید
آلِ احمدؐ پہ ظفریاب ہوئی فوجِ یزید
قتل فرزند ہوا غالبِ ہر غالب کا
کٹ گیا باغ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا

۶

اپنے خیمے میں ادھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
لے مبارک ہو کہ مارا گیا زہرا کا پسر
کہ خبرداروں نے ناگاہ یہ دی آکے خبر
فاطمہؑ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
خیمے کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی ہیں
بیٹیاں فاطمہؑ کی رن میں چلی آتی ہیں

۷

کہہ کے یہ کرسیِ زر پر سے اٹھا وہ بے دیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمرِ لعیں
شکر ہے قتل ہوا بادشہِ عرش نشیں
سر تھا اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں تھا خنجرِ کیں
کہتا تھا احمدِ مختار کا گھر خاک ہوا
اے عمر خاتمۂ پنجتنِ پاک ہوا

۸

تیرا اقبال تھا یاور کہ لڑائی ہوئی سر
خنجرِ ظلم سے کاٹا ہے محمدؐ کا جگر
اس کا یہ سر ہے جو تھا فاتحِ خیبر کا پسر
آج گل ہو گئی شمعِ لحدِ پیغمبرؐ
نالۂ شیرِ الٰہی کی صدا آیا کی
میرا خنجر نہ رکا فاطمہؑ چلایا کی

۹

اس نے دیکھا جو سرِ پاکِ امامِ خوش خو
بولا یہ شمر سے وہ آپ پیمبرؐ کا عدو
چاہتا تھا کہ ہنسے پر نکل آئے آنسو
کس طرح ذبح کیا مجھ سے مفصل کہہ تو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
اس نے رو کر کہا امت کی دعا کرتے تھے

۱۰

جب میں نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجر کیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدۂ خالق میں جبیں
قبلہ رو بیٹھے تھے خاموش شہِ عرش نشیں
آیتیں میں نے جو الٹیں تو لرزتی تھی زمیں
عرش تھرّاتا تھا جب فاطمہ چلاتی تھی
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی

۱۱

زانو اس سینۂ پر نور پہ رکھنے لگا جب
تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے تھے سلطانِ عرب
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب
بیر اسینہ ہے یہ اس سینے کا لازم ہے ادب
تجھ کو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
سرِ شبیر کو خنجر سے جدا کرتا ہے

۱۲

گردنِ سبطِ پیمبر پہ جو رکھا خنجر
پھر گئی آنکھ تنے گردشِ چشمِ حیدر
شہِ بے کس نے عجب یاس سے کی مجھ پہ نظر
رو کے فرمایا کہ زینب تو نہیں ڈیوڑھی پر
اوٹ مجھ کرے کہ وہ جی سے گزر جائے گی
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جاوے گی

۱۳

ذبح کے وقت کا احوال سناؤں تجھے کیا
سر برہنہ تھے نبیؐ پیٹتے تھے شیرِ خدا
زینب آ پہونچی تھی شبیر تلک سے ننگے پا
رکھے دیتی تھی گلا تیغ کے نیچے زہراؑ
جب علیؑ ہاتھ پکڑتے تھے تو ہٹ جاتی تھی
پھر تڑپ کر شہِ بے کس سے لپٹ جاتی تھی

۱۴

ماں کے احوال پہ روتا تھا علیؑ کا جانی
مجھ سے دو مرتبہ منہ پھیر کے مانگا پانی
ہونٹھ سوکھے ہوئے تھے پیاس کی تھی طغیانی
سبطِ احمدؐ کی کوئی بات نہ میں نے مانی
زیرِ شمشیر گلوئے شہِ خوش خو دیکھا
آسماں ہل گئے جب سینے پہ زانو دیکھا

۱۵

ضرب اول میں شہِ دیں نے کہا بسم اللہ
تیسری ضرب میں آئی یہ صدائے جاں کاہ
دوسری بار پکارے مدد اے یا جدّاہ
بخش دے حشر میں یارب مرے شیعوں کے گناہ
پھر نہ کچھ حضرتِ شبیرؑ کی آواز آئی
جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

۱۶

شمرِ ظالم سے خوشی ہو کے لگا کہنے عمر
حکم دے فوج کو کوئی نہ ابھی کھولے کمر
شکرِ صد شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر
جلد غارت کریں ابنِ اسد اللہ کا گھر
دن بہت کم ہے بس اب فکرِ زر و مال کرو
لٹ چکیں خیمے تو پھر لاشوں کو پامال کرو

۱۷

شمر چلایا یہ سنتے ہی کہ اے لشکرِ شام
دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام
غارتِ خیمہ کا ہے حکم چلے فوج تمام
جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسبابِ امام
پاسِ ناموسِ نبیؐ کے زر و زیور نہ لے
ہاں سرِ زینبؑ و کلثومؑ پہ چادر نہ رہے

۱۸

یہ سخن سن کے چلے خیموں پہ اعدا کے پرے
کاٹ کر لاشوں سے سر نوک پہ نیزوں کے دھرے
شور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
نہ خدا سے نہ علیؑ سے نہ پیمبرؐ سے ڈرے
آلِ احمدؐ پہ عجب طرح کی آفت آئی
فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

١٩
پیٹتی پھرتی تھیں میدان میں کھولے ہوئے بال
خوف کے مارے سکینہؑ کا عجب تھا احوال
ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر سے اطفال
ماں سے لپٹی ہوئی چلاتی تھی وہ نیک خصال
جاں بہ لب ہوں شہ والا کو بلا دے کوئی
ارے لوگو مرے بابا کو بلا دے کوئی

٢٠
ارے لوگو مرے بھیا علی اکبرؑ ہیں کہاں
لوٹی جاتی ہے دولہن قاسمِ مضطر ہیں کہاں
کس سے بلواؤں پھوپھی جان کے دلبر ہیں کہاں
اُن کے قربان میں عباسؑ دلاور ہیں کہاں
ظلم تو لشکرِ اعدا سے دکھاتا مجھ کو
کوئی اس وقت بچانے نہیں آتا مجھ کو

٢١
یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر
اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
شور تھا جلد بتا دو کہ خزانہ ہے کدھر
تختی رکھی ہے کہاں سبطِ نبیؐ کی دولت
کیا ہوئی احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کی دولت

٢٢
بیبیاں کہتی تھیں بکھرائے ہوئے چہروں پہ بال
کرتا تھا فاقے پہ فاقے اسد اللہ کا لال
گھر سخی کا ہے یہ بے جا ہے یہاں زر کا خیال
نہ دفینہ ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے نہ مال
اب حسینؑ ابن علیؑ سے ہے زمانہ خالی
ہو گیا آج محمدؐ کا خزانہ خالی

٢٣
غش میں بستر پہ جو سجادؑ پڑے تھے تنہا
ننھے سے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا
بے حواسی میں سکینہؑ گئی دوڑی اُس جا
پھوپھی اماں کی ردا چھن گئی اٹھو بھیا
جی مرا ڈرتا ہے چھاتی سے لگا لو مجھ کو
میرے گوہر نہ کوئی چھینے چھپا لو مجھ کو

٢٤
اٹھو صدقے گئی دیکھو کہ یہ کیسا ہے ستم
کھول کر آنکھ پکارے یہ امامِ عالم
برچھیاں تانے ہوئے گھر میں کھڑے ہیں اظلم
ہائے شاید سرِ شبیرؑ ہوا تن سے قلم
رہ گئے ہم اسد اللہ کا پیارا نہ رہا
لٹ گئے خلق میں سرتاج ہمارا نہ رہا

٢٥
کہتے تھے یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اٹھ او مغموم
قتل اس کو بھی کر دیتی یہ لعینوں میں دھوم
باپ مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم
لوٹ موجود ہیں ناموس کے بہلانے کو
بیڑیاں آتی ہیں بھاری ترے پہنانے کو

٢٦
آگیا غیظ میں فرزندِ علیؑ کا دلدار
شمر ظالم سے یہ فرمایا کہ او نابہنجار
کانپتے ہاتھوں سے بستر سے اٹھائی تلوار
تیری سب فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار
او لعیں صاحبِ شمشیر کا پوتا ہوں میں
قید ہونے کا نہیں شیر کا پوتا ہوں میں

٢٧
اس کا بیٹا ہوں میں دو لاکھ سے کی جس نے جدال
پاٹ دوں لاشوں سے اک دم میں یہ صحرائے قتال
قید کر لو گے مجھے کیا ترے لشکر کی مجال
غضب آ جاتا ہے جب دم میں آتا ہے جلال
ہم وہ ہیں جن سے رسولوں نے مدد چاہی ہے
دستِ بیمار میں بھی زورِ یداللٰہی ہے

۲۸
بیچ میں آ گئیں سب بیبیاں کھولے ہوئے سر
کہا زینب نے پھوپھی صدقے ہو اے نورِ نظر
بانو چلائی کہ ہے ہے مرے بیمار پسر
کچھ تمھیں یاد ہے کیا کہہ گئے تھے تم سے پدر
جنگ کا قصد نہ اے سید سجادؑ کرو
صدقے میں باپ کی باتوں کو ذرا یاد کرو

۲۹
لے کے بھائی کی بلائیں یہ پکاری کبریٰ
خط وصیت کا ہے تم اس کو تو پڑھ لو بھیّا!
وقت رخصت تمھیں کچھ لکھ کے ہے بابا نے دیا
لے کے اس نامے کو سجادؑ نے آنکھوں پہ دھرا
بولے دیکھوں خط شبیرؑ میں کیا لکھا ہے
اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے

۳۰
خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمدِ خدا
ہم تو اب جاتے ہیں خنجر سے کٹانے کو گلا
مرے عابدؑ تری تنہائی کے صدقے بابا
سب کو سونپا تمھیں اور تم کو خدا کو سونپا
تابعِ مرضیِ حق عابد و زاہد رہنا
باپ کی بے کسی و یاس کے شاہد رہنا

۳۱
لوٹنے آئے مرے بعد جو فوجِ دشمن
طوق لا دیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن
منہ سے نکلے نہ بجز شکر کوئی اور سخن
کیجیو امت کی دعا باندھیں جو ہاتھوں میں رسن
گھر کے لٹنے کا نہ اے لال تاسف کرنا
میری مسند بھی جلا دیں تو نہ تم اُف کرنا

۳۲
رکھیو امت پہ نبیؐ کی نظرِ لطف و کرم
مجھ کو سب طرح کی قدرت تھی پہ مارا نہیں دم
کھینچیو تیغ نہ جھنجھلا کے مرے سر کی قسم
اے مری جان ڈگے راہ رضا سے نہ قدم
مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہووے گا
شام تک ساتھ تمھارے مرا سر ہووے گا

۳۳
پڑھ چکا باپ کی تحریر کو جب وہ بیمار
دیکھ کر لشکرِ کفار کو یہ کی گفتار
اشک آنکھوں سے بہے ہاتھ سے رکھ دی تلوار
طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار
ہاتھ باندھو یہ گرفتارِ بلا حاضر ہے
پاؤں کھینچے ہوئے حاضر ہیں گلا حاضر ہے

۳۴
سن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہلِ جفا
ہوئی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پر نور گلا
جب بندھے ہاتھ تو فرمایا کہ یا عقدہ کشا
میں تو صابر ہوں یہ حضرت تجھے دیکھتے ہیں
آئی آواز ید اللہ کہ ہم دیکھتے ہیں

۳۵
اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطانِ امم
دوڑا معصومۂ سکینہؑ کی طرف اک ظالم
کھینچ لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دونوں کانوں سے گہر چھین لیے وائے ستم
خوں میں گوشوں کو بھرا دیکھ کے تھراتی تھی
ہاتھ کانوں پہ دھرے باپ کو چلاتی تھی

۳۶
گود میں لے کے اسے رونے لگی بانوئے زار
اونٹ بٹھلانے تو چلائی یہ زینبؑ اک بار
غل ہوا اہلِ حرم جلد ہوں اونٹوں پہ سوار
کس طرف ہو علی اکبرؑ یہ پھوپھی تم پہ نثار
گرد اونٹوں کے قنات آ کے لگا دو بیٹا
ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھا دو بیٹا

۳۷

اونٹ آئے ہیں سواری کو یہ اے نورِ نظر
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جس پر
اپنی ماں جائی کی لیتے نہیں اس وقت خبر
سر پہ چادر نہیں ہے شان ہماری دیکھو
آج ناموسِ محمدؐ کی سواری دیکھو

۳۸

یہ جو زینبؑ نے کہا رونے لگے خورد و کلاں
بس انیسؔ جگر افگار نہیں تاب و تواں
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے ہوئے اشک رواں
عرض کر حق سے بصد عجز کہ ربِ دو جہاں
توبہ کرتا ہوں گناہوں سے پشیماں ہیں ہم
عفو کر جرم کہ آلودۂ عصیاں ہیں ہم

رباعی

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں
جوشِ غمِ شبیرؑ سے ہے دل دریا
مردم کے لیے عزت و شرف آنکھیں ہیں
آنسو ہیں گوہر اور صدف آنکھیں ہیں

رباعی

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری
اے گنجِ لحد کے سونے والو افسوس
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری
کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

رباعی

کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیسؔ
چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

رباعی

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انیسؔ
آفت میں پھنسے دامِ بلا میں آئے
جیسے کوئی کاروانسرا میں آئے

رباعی

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

رباعی

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

رباعی

اب زیرِ قدم لحد کا باب آپہونچا
ہشیار ہو جلد وقتِ خواب آپہونچا
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیسؔ
ہنگامِ غروبِ آفتاب آپہونچا

رباعی

یہ عمر یوں ہی تمام ہو جائے گی
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیسؔ کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

رباعی

آلودہ جسد اس غمِ جاں کاہ میں ہے
زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے
اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیسؔ
پہونچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

رباعی

محبوب کو ہمکنار بھی دیکھ لیا
تربت دیکھی فشار بھی دیکھ لیا
بے مہریِ آسمان کے شاکی تھے بہت
صد شکر زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

مرثیہ ۱

میداں میں ہوا خاتمہ جب آلِ عبا کا
گھر ہو گیا تاراج امامِ دوسرا کا
کنبہ ہوا محبوس شہِ عقدہ کشا کا
عریاں ہوا سر بلوے میں خاصانِ خدا کا
جن بی بیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے
افسوس انھیں بے پردہ کیا فوجِ شقی نے

۲
وہ خیمہ جو رتبے میں تھا کعبے کے برابر
اور اوج میں تھا گنبدِ گردوں سے بھی بہتر
مسند وہ جو تھی جلوہ گہِ احمدؐ و حیدرؑ
وہ فرش جو تھا نور سے جوں عرشِ منور
دنیا میں بنا دیں کی تھی جس گھر کی زمیں سے
اعدا نے وہ گھر پھونک دیا آتشِ کیں سے

۳
کونین میں تھی جن کے لیے عزت و توقیر
قرآں میں ثنا جس کی کرے مالکِ تقدیر
یعنی حرمِ محترمِ حضرتِ شبیرؑ
شمشیر بکف لوٹنے آئے انھیں سب بے پیر
بے اذن جہاں پاؤں ملک نے نہ دھرا تھا
ہیہات وہ گھر لوٹنے والوں سے بھرا تھا

۴
جس شخص کا دادا تھا علیؑ فاتحِ خیبر
یعنی خلفِ سبطِ نبیؐ عابدؑ بے پر
راضی بہ رضا بحرِ سخا عاشقِ داور
عالم کے لیے عقدہ کشا دین کا رہبر
جس کے نہ دُکھے پاؤں بزرگوں کے چلن سے
آزار اُس کے ستمگاروں نے باندھے تھے رسن سے

۵
قطع نظر ان باتوں کے لب تشنہ و بیمار
پاؤں پہ ورم دردِ سر اور تپ میں گرفتار
تھا ضعف سے اک گام اُٹھانا جسے دشوار
پیدل لیے جاتے تھے اُسے ظالمِ غدّار
غش آتا تھا گر راہ میں تشنہ دہنی سے
ظالم اُسے چونکاتے تھے نیزے کی انی سے

۶
تھا گردنِ لاغر میں تو اک طوقِ گلوگیر
اور پاؤں میں بیمار کے پہنائی تھی زنجیر
چلنے میں جو گر پڑتا تھا با حالتِ تغییر
اونٹوں پہ حرم روتے تھے اور ہنستے تھے بے پیر
اٹھنے کی تقیّد کوئی کرتا تھا بگڑ کر
کانٹوں پہ کوئی کھینچتا تھا طوق پکڑ کر

۷
سر پر نہ عمامہ ہے نہ ہے پاؤں میں نعلین
ہیں شدتِ آزار سے سوجے ہوئے ساقین
لب خشک حرارت سے جگر سینے میں بے چین
اشک آنکھوں میں اور دل میں الم قبلۂ کونین
منزل پہ نہ کچھ کھاتے تھے نے پیتے تھے عابدؑ
اعجازِ امامت سے فقط جیتے تھے عابدؑ

۸
رستے میں کہیں بیٹھنے دیتے تھے نہ دم بھر
بیمار کو کھینچے لیے جاتے تھے ستمگر
سردارِ دو عالم کا جو سایہ نہ تھا سر پر
سنولا گیا تھا دھوپ سے رنگِ رخِ انور
تھی قید میں یہ اس جگر افگار کی صورت
پہچانی نہیں جاتی تھی بیمار کی صورت

۹
جوں بید نقاہت کے سبب کانپتا تھا تن
اور طوق کے لنگر سے جھکی جاتی تھی گردن
لب پیاس سے نیلے تھے بہ رنگِ گلِ سوسن
تلواریں سرِ پاک پہ چمکاتے تھے دشمن
خاموش تھے کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے عابدؑ
تھوڑا سے ہوئے سر کو چلے جاتے تھے عابدؑ

۱۰

جس دم نظر آتا تھا کوئی وادیٔ پرخار
ہے قہر کی جا آپ تو تھے گھوڑوں پہ اسوار
لے جاتے تھے عابدؑ کو اُسی راہ سے کفّار
اور برہنہ پا جاتا تھا وہ دین کا سردار
بیمار کے آگے سے نہ سرکاتے تھے کانٹے
نشتر کی طرح پاؤں میں چبھ جاتے تھے کانٹے

۱۱

اللہ رے صبر پسرِ سیّدِ ابرار
جکڑے گئے زنجیروں میں مانند گنہگار
ایذا پہ تو ایذا تھی اور آزار پہ آزار
درد و الم و رنج و مصیبت میں گرفتار
یہ ظلم و ستم تھے یہ صعوبت یہ جفا تھی
ہر لحظہ مگر بخششِ امت کی دعا تھی

۱۲

آگے تو چلا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
شہزادیوں کو دی تھی اُن اونٹوں کی سواری
پیچھے حرمِ شاہؑ میں تھی گریہ و زاری
جس پر نہ کجاوہ تھا نہ محمل نہ عماری
ناموس کی بھیڑ سے شرماتی تھیں رانڈیں
بالوں سے چھپائے ہوئے منہ جاتی تھیں رانڈیں

۱۳

اکبرؑ سے بچھڑنے کا کسی رانڈ کو تھا غم
حیدرؑ کے نواسوں کا کوئی کرتی تھی ماتم
کوئی غمِ اصغرؑ میں فغاں کرتی تھی پیہم
قاسمؑ کو کوئی روتی تھی گردن کو کیے خم
کوئی غمِ عباسؑ میں مصروفِ بکا تھی
لب پر کسی کے ہائے حسینا کی صدا تھی

۱۴

کہتی تھی کوئی لٹ گیا مقتل میں مرا راج
کہتی تھی کوئی خانۂ زہراؑ ہوا تاراج
مارا گیا ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج
ہے ہے ہوئی اب ایک ردا کے لیے محتاج
چلّاتی تھی کوئی مجھے صدمہ یہ بڑا ہے
وارث مرا بے گور و کفن رن میں پڑا ہے

۱۵

تھے پیاس سے غش گودیوں میں ماؤں کی اطفال
ان بچوں میں تھا بالی سکینہ کا یہ احوال
گلبرگ سے لب سوکھے تھے اور دھوپ سے رخ لال
کانوں سے لہو بہتا تھا اور سوسنی تھے گال
سر ننگے تھا کرتے کا گریبان پھٹا تھا
اور چاند سا منہ گردِ یتیمی سے اٹا تھا

۱۶

بیٹھی تھی جو ماں پاس تو چلاتی تھی رو رو
کیا جانے سدھارے ہیں کدھر سیّد خوش خو
میں مرتی ہوں لوگو مرے بابا کو بلا دو
کیوں آکے لگاتے نہیں وہ چھاتی سے مجھ کو
دیدار سے اپنے مجھے ترساتے ہیں بابا
بیٹی سے خفا ہیں جو نہیں آتے ہیں بابا

۱۷

وہ ہوتے تو گھر کو نہ لعیں لوٹنے آتے
وہ ہوتے تو کیوں خوں مرے کانوں سے بہاتے
وہ ہوتے تو در در نہ لعیں مجھ کو پھراتے
وہ ہوتے تو کیوں ظالموں کی قید میں جاتے
کیوں کر نہ کرے نالہ و فریاد سکینہؑ
مرنے سے ہوئی باپ کے برباد سکینہؑ

۱۸

رو رو کے کبھی چلّاتی تھی اس طرح وہ ناداں
فرقت میں تمھاری میں کوئی دن کی ہوں مہماں
اچھے مرے بابا میں تمھارے گئی قرباں
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
بے چین ہوں گودی میں اٹھاؤ مجھے آکر
نیند آتی ہے چھاتی پہ سلاؤ مجھے آکر

۱۹

اس بین سے سرور کو جو روتی تھی وہ ناکام
منزل پہ پہونچتے تھے وہ قیدی جو سرِ شام
یہ سنتی تھیں رانڈیں کہ پڑا جاتا تھا کہرام
جز رنج نہ ملتا تھا وہاں بھی انھیں آرام
پانی کے عوض اشکوں سے منھ دھوتے تھے قیدی
تا صبح عزیزوں کے لیے روتے تھے قیدی

۲۰

واں بیٹھتے تھے سایوں میں خیموں کے بد اختر
سوتے تھے اُدھر فرشِ مصفا پہ ستمگر
اور سایۂ افلاک تھا یاں رانڈوں کے سر پر
یاں تکیہ کی جا سنگ تھے اور خاک کا بستر
واں تہنیتِ قتلِ امامِ مدنی تھی
یاں وارثوں کا ذکر تھا اور سینہ زنی تھی

۲۱

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راقمِ اخبار
بولے عمرِ سعد سے یہ آکے خبردار
نزدیکِ دمشق آیا جو وہ قافلہ یکبار
اس راہ میں ہے ایک محبِ شہِ ابرار
قتلِ شہِ بے کس کا جو احوال سنا ہے
شب خوں کا تری فوج پہ قصد اس نے کیا ہے

۲۲

سنتے ہیں کہ وہ شخص بھی ہے صاحبِ لشکر
ٹھہرا ہے یہ باہم قسم ایک سے ہو کر
ہیں ساتھ بہت اس کے جوانانِ دلاور
چھینو عمرِ سعد سے چل کر سرِ سرور
ہیں بیٹیاں زہرا کی گرفتار رسن میں
اعدا سے چھڑا کر انھیں پہونچاؤ وطن میں

۲۳

گھبرا گیا سن کر عمرِ سعدِ جفاکار
دیکھو گے دیتا ہوں خبردار خبردار
ایک ایک کو ملا کے یہ سمجھایا بہ تکرار
چوکی ہے اسیروں کی تغافل نہ ہو زنہار
سر شہ کا نہ چھن جائے یہی خوف و خطر ہے
ہشیار رہو دن سے کہ شب خون کا ڈر ہے

۲۴

محنت سے ہے تم لوگوں نے ان شیروں کو مارا
عالم کے شجاعوں میں ہوا نام تمھارا
سر تن سے محمد کے نواسے کا اتارا
ڈر ہے کہ بنا کام بگڑ جائے نہ سارا
گر چھوٹ گئیں بیٹیاں زہرا و علی کی
پھر قید پہ جرأت نہیں پڑنے کی کسی کی

۲۵

ہے سیدِ سجاد دو عالم کا نوزادہ
جس کا کہ علی صاحبِ دلدل سا ہو دادا
ہرگز نہیں رہتے ہیں کوئی اس سے زیادہ
کانٹوں پہ ہم اس کو لیے جاتے ہیں پیادہ
آگاہ ہیں سب قتلِ شہنشاہِ امم سے
سر بچ کے سجاد کو لے جائیں گے ہم سے

۲۶

کہنے لگا تب شمر کہ یہ خوف بجا ہے
آقا ہے دو عالم کا جو سر تن سے کٹا ہے
احبار میں یہ ماجرا ہر سمت گیا ہے
خوں جوش میں شیعوں کا ہے دل غم سے بھرا ہے
سب مانتے ہیں آلِ رسولِ دوسرا کو
مارا ہے جفا سے پسرِ شیرِ خدا کو

۲۷

لازم ہے اسیروں کی حفاظت میں یہ تدبیر
سجاد کو پہنائیے دو طوقِ گلوگیر
صندوق میں تو رکھیں مقفل سرِ شبیر
اور پاؤں میں بھی چاہیئے زنجیر پہ زنجیر
گو ناتواں ہے ان رانڈوں کے طاقت نہیں تن میں
پر بازوے بازو بھی بندھے ہوں رسن میں

۲۸

غیرت کوئی عابدؑ کے قریب آنے نہ پائے
چادر کوئی زینبؑ کے لیے لانے نہ پائے
رہگیروں کو حال اپنا یہ دکھلانے نہ پائے
ہرگز کوئی رانڈوں پہ ترس کھانے نہ پائے
گردو یہ تقیید کہ ہلے لب نہ کسی کا
چلّا کے نہ لے نام حسینؑ ابن علیؑ کا

۲۹

اس راہ میں دن بھر متردد رہے ظالم
ناگاہ انھیں اک دَیر نظر آگیا محکم
اک دشت میں پہونچے سرِ شام آکے وہ جس دم
اس دَیر کے نزدیک ہوئی فوج فراہم
بولا عمر اس دَیر میں ایذا تو سہیں گے
محفوظ مگر آفتِ شب خوں سے رہیں گے

۳۰

داخل کرو یاں قافلے کو نوحہ گروں کے
کیا کر سکیں گے دوست علیؑ کے پسروں کے
رکھ دو یہیں صندوق شہیدوں کے سروں کے
شب بھر رہیں قیدی یہیں آگے نظروں کے
آنے نہ پرندہ بھی کوئی دَیر کے در تک
حلقہ کیے ہشیار رہے فوج سحر تک

۳۱

یہ کہہ کے گیا دَیر کے دروازے پہ بے پیر
کی آن کے دَیرانی نے یہ بام پہ تقریر
ہاتھوں سے ہلانے لگا دروازے کی زنجیر
دروازے کو کیا کھولنے کی کرتے ہو تدبیر
گھیرا ہے مرے دَیر کو کیوں فوجِ گراں سے
تم کون ہو کیا کام ہے آئے ہو کہاں سے

۳۲

آتے ہیں پرستش کو یہاں صاحبِ زنار
کہنے لگا اُس سے عمرِ سعد جفاکار
لشکر کے اترنے کی جگہ یہ نہیں زنہار
ایسے کا یہ لشکر ہے جو ہے شام کا سردار
اک شخص نے یثرب سے خروج اُس پہ کیا تھا
حاکم نے ہمیں قتل کا حکم اُس کے دیا تھا

۳۳

اقبال سے حاکم کے ہوئی فتح لڑائی
اس راہ میں شب خوں کی خبر ہم نے ہے پائی
سر لائے ہیں اور رانڈوں کی بندی بھی ہے آئی
ہاں رانڈوں کی اور ہوگی [illegible] نہ رہائی
یہ رات جو گذرے گی ہمیں امن و اماں سے
لے کر انھیں ہم صبح چلے جائیں گے یاں سے

۳۴

دَیرانی نے دروازے کو ناچار کیا وا
صندوقِ سرِ شہ کا تو اک حجرے میں رکھا
داخل ہوا اس میں وہ لعینِ ستم آرا
اور گوشوں میں رانڈوں کو بٹھا کر نکل آیا
تاریکی میں منھ اشکوں سے دھونے لگیں رانڈیں
دروازہ کیا بند تو رونے لگیں رانڈیں

۳۵

برپا ہوا خیمہ عمرِ سعد کا در پر
بستر پہ خوش آرام تھا دَیرانی کو دم بھر
ہشیار رہا گرد جفاکار کا لشکر
جب نصف گئی رات تو کیا دیکھا وہ مضطر
جس حجرے کے اندر سرِ شاہِ شہدا ہے
واں خود بخود اک نورِ خدا جلوہ نما ہے

۳۶

افلاک سے آتے ہیں فلک مضطر و حیران
گیسو تو ہیں بکھرے ہوئے اور چاک گریبان
اور تخت پہ اک پیر ہیں با حالِ پریشاں
کہتا ہے کہ اے لال یہ نانا ترے قرباں
بولو کہ جگر کے مرے پیوند ہو بیٹا
کس حجرۂ تاریک میں تم بند ہو بیٹا

۳۷

آؤ مری چھاتی سے لگو جلد مرے لال
سینچا ہے جسے ہے ہے مری بیٹی نے مہ و سال
ہاتھوں سے سمالو کہ ہے نانا کا بُرا حال
اُجڑا وہ چمن اور وہ کھیتی ہوئی پامال
ماتم میں ترے آہ رلایا ہے تجھے بیٹا
تربت میں بھی اعدا نے ستایا ہے مجھے بیٹا

۳۸

دو شخص ہیں ہے ان کی زباں پر یہی تقریر
کس جرم پہ مارا تجھے اے تا بہ تقدیر
اک کہتا ہے بابا ترے صدقے مرے شبیر
اک کہتا ہے سر پیٹ کے با حالتِ تغیر
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ دل بستۂ غم ہوں
تم کشتۂ شمشیر ہو میں کشتۂ سم ہوں

۳۹

اتری اسی حجرے میں پھر اک کالی عماری
چلاتی ہے اس طرح وہ باگریہ و زاری
غل ہے کہ ہٹو آتی ہے زہرا کی سواری
اے لال یہ مادر تری مظلومی کے واری
چھاتی پہ تری چڑھ کے کیا ذبح شقی نے
اس ماں کو تجھے پالا تھا اس کوکھ جلی نے

۴۰

ہے ہے بھری یہ خوں میں تری چاند سی تصویر
ہے ہے ترا خورشید سا منھ اور خطِ شمشیر
ہے ہے تری پیشانیٔ روشن پہ لگا تیر
ہے ہے تری گردن پہ چلا خنجرِ بے پیر
تو بعدِ شہادت بھی گرفتارِ محن ہے
سر قید ہے تن خاک پہ محتاجِ کفن ہے

۴۱

صدقے ترے اے قومِ جفا پیشہ کے مہمان
جب چلتا تھا گردن پہ ترا خنجرِ بُرّان
کس ظلم سے تو قتل ہوا ہائے مری جان
میں کوکھ کو پکڑے ہوئے چلاتی تھی اُس آن
بیتابی میں گہ اٹھتی تھی گہ گرتی تھی بیٹا
پروانہ صفت گرد ترے پھرتی تھی بیٹا

۴۲

اے میرے غریب اے مرے بیکس مرے مظلوم
اے بے وطن اے میرے ستم کش مرے معصوم
اے میرے شہید اے مرے صابر مرے مغموم
ہے ہے تجھے اعدا نے رکھا پانی سے محروم
جب عرش تلے سر ترا ہاتھوں پہ دھریں گی
اس ظلم کی اللہ سے فریاد کریں گی

۴۳

زہرا نے جو یہ بین کیے بادلِ غمناک
درانی کا دل خنجرِ غم سے ہوا صد چاک
تھرائی زمیں ہلنے لگا گنبدِ افلاک
غش کھا کے گرا خوف کے مارے وہ سرِ خاک
جو ہوش میں آیا تو دیکھا نہ وہ مجمع نہ فغاں ہے
پُر خوف ہی سر ہے وہی تاریک مکاں ہے

۴۴

روتا ہوا پاس اُس سرِ پُرخوں کے وہ آیا
پہلے تو سرِ پاک کو آنکھوں سے لگایا
اور ہاتھوں کو تسلیم بجا لا کے اٹھایا
آخر کو باادب سخن لب پہ یہ لایا
یہ تو ہوا معلوم کہ تو خاصۂ رب ہے
للہ بتا دے ترا کیا نام و نسب ہے

۴۵

انساں کا پس از مرگ یہ دیکھا نہیں اعزاز
کر مجھ سے تکلم کہ یہ بندہ ہو سرافراز
معلوم مجھے ہوتا ہے تو صاحبِ اعجاز
یہ کون تھے جو آئے تھے مجھ پر بھی کھلے راز
حیراں ہوں قرابت تجھے ان لوگوں سے کیا ہے
توریت میں انجیل میں نام ان کا لکھا ہے

۴۶

تو کون ہے کر مجھ سے بیاں اپنی تو روداد
اعجاز سے رو کر سر شہ نے کیا ارشاد
خاصان خدا کرتے ہیں تیرے لیے فریاد
ہرگز نہ سنی ہوگی جو مجھ پر ہوئی بیداد
آفت زدہ ہوں کشتۂ شمشیر جفا ہوں
مظلوم ہوں سید ہوں غریب الغربا ہوں

۴۷

نانا تھے وہ کھاتے تھے جنھیں حضرت آدم
بابا تھے وہ پڑھتے تھے کلمہ جو بصد غم
موسیٰ تھے ادھر اور ادھر عیسیٰ مریم
وہ بھائی تھے جو میرے لیے کرتے تھے ماتم
نانی تھیں وہ حوریں جنھیں حلقے میں لیے تھیں
اماں تھیں وہ جو چاک گریباں کیے تھیں

۴۸

کیا نام ہیں ان لوگوں کا تجھ پر کروں اظہار
بابا ہے مرا شیر خدا حیدر کرار
نانا کا مرے نام تو ہے احمد مختار
بھائی حسن سبز قبا سید ابرار
اور فاطمہ زہرا مری ماں کوکھ جلی ہے
بے جرم چھری جس کے کلیجے پہ چلی ہے

۴۹

میں وہ ہوں کہ لاشے پہ کوئی جس کے نہ رویا
میں وہ ہوں کہ امت کے لیے جان کو کھویا
میں وہ ہوں کہ تربت میں نہ آرام سے سویا
میں وہ ہوں کہ کشتی کو مری خوں میں ڈبویا
صابر ہوں نہ شکوہ نہ گلا کرتا ہوں اب بھی
امت کی شفاعت کی دعا کرتا ہوں اب بھی

۵۰

میں وہ ہوں بلایا جسے اعدا نے دغا سے
میں وہ ہوں کہ مجروح ہوا تیغ جفا سے
میں وہ ہوں کہ بچے مرے مارے گئے پیاسے
میں وہ ہوں کہ کاٹا مری گردن کو قفا سے
پامال ہوا گھوڑوں سے تن جس کا میں وہ ہوں
دامان بیاباں ہے کفن جس کا میں وہ ہوں

۵۱

بے باپ کا قاسم روز تلا دو عالم
بھتیجہ مرا سہرے سے بزرگی میں نہ تھا کم
اور تیسرا فاقہ تھا کہ جب ذبح ہوئے ہم
آتش سے جلا کر گئے کیا خوش ہوئے ظالم
یہ ظلم نہ ہوگا کسی کافر کے بھی گھر پر
چادر بھی نہ چھوڑی مرے ناموس کے سر پر

۵۲

رسی مری معصوم سکینہ کو لگائی
بہنیں مری دیتی تھیں محمد کی دہائی
بیمار پسر کو مرے زنجیر پہنائی
سیدانیوں سے بھی انھیں کچھ شرم نہ آئی
جن بی بیوں کا باپ شہنشاہ عرب ہے
سر ننگے پھرایا انھیں بلوے میں غضب ہے

۵۳

دیرانی نے جس دم یہ سنا قصۂ جاں کاہ
صدقے تری مظلومی کے اے عاشق اللہ
چلایا کہ امت نے کیا ظلم یہ کیا آہ
قرباں ترے اعجاز کے اے سرور ذی جاہ
میں گرد تو پھر لوں کہ ولی ابن ولی ہو
معلوم ہوا اب کہ حسین ابن علی ہو

۵۴

یاں آپ کے آنے سے رسول زمن آئے
روتے ہوئے گلزار جناں سے حسن آئے
اور فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
بے فخر کی جا گھر میں مرے پنجتن آئے
زندہ نہ ادھر آپ کا آنا ہوا آقا
مرکر مرے گھر آپ کا آنا ہوا آقا

۵۵
ہیں آپ جہنم کے بھی جنت کے بھی مختار
بخشائیے گا مجھ کو بھی یا سیدِ ابرار
فرمایا کہ کلمۂ توحید کا اقرار
بچنا ہے اگر نار سے تو توڑ یہ زنار
ایماں کا پس از مرگ ثمر تجھ کو ملے گا
ضامن ہوں کہ فردوس میں گھر تجھ کو ملے گا

۵۶
اللہ ری تاثیر کلامِ شہِ ذی شاں
پڑھ کر کلمے کو وہ ہوا دل سے مسلماں
کیا فیض ہے مولا کا میں اس فیض کے قرباں
کافر کو پس از مرگ بھی دی دولتِ ایماں
رتبہ بھی دیا عزت و توقیر بھی بخشی
اسلام بھی اور خلد کی جاگیر بھی بخشی

۵۷
دیرانی نے پھر رو کے کہا اے مرے مولا
نیزے پہ تو ہوتی ہے بہت آپ کو ایذا
سنولا گیا ہے دھوپ میں خورشید سا چہرا
لے نکلے چھپا کر سرِ پُر نور کو بندا
منظور یہ ہے دفن کروں جا کے نجف میں
سونپوں گہرِ پاک کو پاکیزہ صدف میں

۵۸
شب گذری تو مہلت نہ ذرا دیویں گے اعدا
پھر نیزے پہ اس سر کو چڑھا دیویں گے اعدا
اور کوچ کا نقارہ بجا دیویں گے اعدا
اونٹوں پہ اسیروں کو بٹھا دیویں گے اعدا
کیا جانیے لیجائیں گے اب یاں سے کدھر کو
دشمن کا وہ سر جانتے ہیں آپ کے سر کو

۵۹
ارشاد کیا رو کے سرِ شہ نے یہ اس دم
ہر چند بہت دیتے ہیں ایذا ہمیں اظلم
ناموس مرے قید میں روتے ہیں بصد غم
ہرگز ابھی اُن سے نہیں ہوئیں گے جُدا ہم
عابدؑ کو قلق ہوئے گا مر جائے گی زینب
میں ساتھ نہ جاؤں گا تو گھبرائے گی زینب

۶۰
بیٹی مری اک تین برس کی ہے سکینہ
جیتی وہ پہونچنے کی نہیں تا بہ مدینہ
بالوئے حزیں پیٹے گی اپنا سر و سینہ
میں چھوڑوں انھیں یہ نہیں اُلفت کا قرینہ
رستے میں انھیں ہوں گے بہت رنج سفر کے
ساتھ ان کے میں اور ساتھ ہیں یہ سب عمر بھر کے

۶۱
کیا کیا نہ ابھی ہوں گے ستم شام میں ہم پر
لے جائیں گے جب سامنے حاکم کے مرا سر
سر ننگے کھڑے ہوئیں گے ناموسِ پیمبرؐ
مارے گا چھڑی ہونٹوں پہ میرے وہ ستمگر
اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے گا ظالم
دروازے پہ سر کو مرے لٹکائے گا ظالم

۶۲
روتا تھا وہ سُن سُن کے سرِ شاہ کی تقریر
اتنے میں ہوئی صبح اُٹھے ظالم بے پیر
پھر نصب کیا نوکِ سناں پر سرِ شبیر
رانڈوں کو لئے شام کی جانب ہوئے رہ گیر
خاموش انیس اب ہو کہ دل ٹکڑے ہے غم سے
دریا ہے رواں آنسوؤں کا دیدۂ نم سے

رُباعی

افسوس کہ چین مصطفیٰؐ کو نہ ملے
آرام علیؑ مرتضیٰؑ کو نہ ملے
ہم لوگ کسی سے کیا توقع رکھیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ ملے

رُباعی

جامِ عرفاں ہے چشمِ مستِ حیدر
چہرہ ہے بہارِ بوستانِ فردوس
حق بیں ہے نگاہِ حق پرستِ حیدر
گلدستۂ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

رُباعی

کعبے میں ہوا جو بند و بستِ حیدرؑ
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم
شاداں ہے دلِ خدا پرستِ حیدر
عرشِ اعظم تھا زیرِ دستِ حیدر

رُباعی

ہے کون نہ مکاں میں اختیارِ حیدر
اک جان ہے اک دل ہے بضاعت اپنی
گردوں ہے سبک پیشِ وقارِ حیدر
احمدؐ کے وہ قرباں یہ نثارِ حیدر

رُباعی

ہے چادرِ نورِ حق ردائے حیدر
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدر
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدر

رُباعی

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ
خود قاسمِ رزقِ دو عالم تھے مگر
دُنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدر
تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدر

رُباعی

آہوئے حرم ہے چشمِ مستِ حیدر
سینہ تو ہے مخزنِ علومِ نبوی
کعبہ ہے دلِ خدا پرستِ حیدر
ابرِ کرمِ خدا ہے دستِ حیدر

مرثیہ

جب خیمۂ فرزندِ پیمبرؐ ہوا تاراج
ناموسِ نبیؐ کا زر و زیور ہوا تاراج
اک شور ہوا خانۂ حیدرؑ ہوا تاراج
جو رونقِ دنیا تھا وہی گھر ہوا تاراج
بے دینوں نے لوٹا حرمِ شیرِ خدا کو
سیدانیاں محتاج ہوئیں ایک ردا کو

۲

وہ پردہ گیانِ حرمِ عزت و توقیر
میداں میں سر ننگے تھیں اور گرد تھے بے پیر
نازل ہوا تھا جن کے لئے آیۂ تطہیر
تھا چار طرف شور کہ مارے گئے شبیرؑ
تاکید تھی ہر دم عمرِ سعدِ شقی کی
ہاں باندھ لو رسّی سے نواسی کو نبیؐ کی

۳

خالق نے ظفریاب کیا شیروں پہ ہم کو
تھا عشق بہت دخترِ سلطانِ عجم کو
گھیرے رہو حلقے میں غزالانِ حرم کو
دکھلا دو سرِ نیزہ سرِ شاہِ اُمم کو
کیں لونڈیاں آزاد بہت راہِ خدا میں
اب خود کوئی دن رنج سہے قیدِ بلا میں

۴

ان قیدیوں میں بیٹیاں زہراؑ کی کہاں ہیں
دیکھیں تو کہ سر کس کے یہ بالائے سناں ہیں
بے پردہ ہیں اس وقت کہ پردے میں نہاں ہیں
کس کس کے یہ تن ہیں جو سرِ خاک طپاں ہیں
تلوار پکڑ کر علیؑ اکبر نہیں آتے
اب بہرِ مدد سبطِ پیمبرؐ نہیں آتے

۵

کیا ہو گیا وہ خیمۂ زنگاریِ سرور
مسند ہے کہاں بیٹھتے تھے جس پہ پیمبرؐ
کیا ہو گیا وہ شاہ کدھر کو گیا لشکر
درباں تھے ملک جس کے کہاں آج ہے وہ گھر
وہ تیغ وہ گھوڑا علیؑ اکبر کا کہاں ہے
وہ ننھا سا جھولا علیؑ اصغر کا کہاں ہے

۶

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں بیڑیاں لاؤ
سجادؑ کے پہلو سے سکینہ کو ہٹاؤ
زنجیر ید اللہ کے پوتے کو پنھاؤ
لپٹا ہوا ہے باپ سے باقرؑ کو چھڑاؤ
سر کاٹ لو فرزندِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
تا فاتحہ خواں بھی نہ رہے سبطِ نبیؐ کا

۷

اونٹ آئیں وہ جن پر نہ ہو ہودج نہ عماری
ہے روز خوشی کا کہ ہوئی فتح ہماری
کوفے کی طرف جائے گی رانڈوں کی سواری
کہہ دو کوئی قیدی نہ کرے گریہ و زاری
ہرگز نہ رہائی کسی تدبیر سے لے گی
بچہ بھی جو روئے گا تو تعزیر ملے گی

۸

بانو یہ تقیّد تھی کہ اکبرؑ کو نہ روئے
اک شب کی دلہن قاسمِ بے پر کو نہ روئے
چھاتی بھی جو بھر آئے تو اصغرؑ کو نہ روئے
زینبؑ سے یہ کہہ دو کہ برادر کو نہ روئے
اب لاش پہ بھی سبطِ رسولِؐ مدنی کی
ہو جائیں گے قلم ہاتھ اگر سینہ زنی کی

۹

حیدرؑ کو پکارے نہ کوئی غم کی ستائی
یہ غل نہ کریں لُٹ گئی زہراؑ کی کمائی
دیوے نہ کوئی رانڈ محمدؐ کی دہائی
رو کر نہ کہے کوئی کہ ہے ہے مرا بھائی
نعروں سے ہلا دیں نہ بزرگوں کی لحد کو
سب مر گئے اب کوئی نہ آئے گا مدد کو

۱۰
لیوے گی سکینہؑ جو کبھی نام علمدار
پیٹے ہے مرے بابا جو پکارے گی وہ ہر بار
تو سرخ طمانچوں سے کریں گے گلِ رخسار
کُس دیوے گا رسّی سے گلا شمرِ ستمگار
بھولے سے بھی گر اونٹ پہ فریاد کرے گی
دیویں گے وہ ایذا کہ بہت یاد کرے گی

۱۱
اعدا کی یہ تاکید تھی رانڈوں کا یہ تھا حال
چلّاتی تھی بانو مرا لوٹا گیا اقبال
سر پیٹتی تھیں چہروں پہ بکھرے ہوئے تھے بال
میں رانڈ ہوئی قتل ہوا فاطمہؑ کا لال
کیوں کر نہ دُہائی دوں رسولؐ دوسرا کی
سر ننگے ہے بلوے میں بہو شیرِ خدا کی

۱۲
چلّاتی تھی مقتل کی طرف زینبؑ مضطر
بازو مرے رسّی سے بندھے چھن گئی چادر
یا سبطِ نبی لوٹی گئی آپ کی خواہر
حلقے میں ستمگاروں کے تنہا ہوں کھُلے سر
فریاد ہے منہ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا
تم قتل ہوئے اور مجھے رونا نہیں ملتا

۱۳
کبریٰ کی ہیں تقدیر نے یہ ظلم دکھائے
نزدیک ہے مظلوم سکینہ کو غش آئے
خوں روتی ہے منہ دستِ حنائی سے چھپائے
زخمی ہوئے ہیں گال طمانچے بھی ہیں کھائے
منہ خشک ہے پر روتی ہے کانوں پہ دھرے ہاتھ
اور کہنیوں تک چھوٹے سے ہیں خوں میں بھرے ہاتھ

۱۴
ایک ایک کو سر کٹنے کا تھا وارثوں کے درد
سینوں میں جو دل جلتے تھے بھرتی تھیں دمِ سرد
صدمے سے گرفتاری کے تھے چاند سے منہ زرد
تھرّاتے تھے شعلے کی طرح سے تنِ پُرگرد
نکلی تھیں جو جلتے ہوئے خیمے کے تلے سے
لپٹے ہوئے اطفال تھے رانڈوں کے گلے سے

۱۵
حلقے میں جفاکاروں کے تھے عابدِ بیمار
حدّاد یہ کہتا تھا کہ اے شمرِ ستمگار
شدّت سے تپِ غم کی غش آجاتا تھا ہر بار
پہناؤں کسے بیڑیاں اور طوق گرانبار
گردن یہ نہیں طوقِ گلوگیر کے قابل
یہ پاؤں نہیں حلقۂ زنجیر کے قابل

۱۶
طوق اُس کو پہناتے ہیں جو ہوتا ہے توانا
اِن کانپتے پاؤں میں نہ زنجیر پنھانا
دشوار ہے بیمار کو گردن کا اُٹھانا
ورنہ ابھی ہو جائے گا دم تن سے روانا
نے پاؤں ہیں اس بوجھ کے لائق نہ گلا ہے
یہ ضعف ہی اس کے لئے زنجیرِ بلا ہے

۱۷
حدّاد سے یوں کہنے لگا قاتلِ شبّیر
یہ شیر ہیں بگڑیں تو نہ بن آئے گی تدبیر
تکرار نہ کر جلد پنھا طوق گلوگیر
گردن میں رسن چاہیئے اور پاؤں میں زنجیر
بیماری میں سالم ہیں ضعیفی میں قوی ہیں
غیظ اُن کا غضب ہے کہ یہ اولادِ علیؑ ہیں

۱۸
لازم ہے کہ اس طرح انھیں کیجے گرفتار
پہونچے یہ کسے جائیں کہ ہوں اُنگلیاں بیکار
نے پاؤں بڑھیں اور نہ کھینچے ہاتھ سے تلوار
بیڑی ہو یہ بھاری کہ چلے زور نہ زنہار
فریاد کو بھی ہاتھ یہ مضطر نہ اُٹھائے
طوق ایسا گراں ہو کہ کبھی سر نہ اُٹھائے

۱۹

عابدؑ نے کہا گو ہیں گرفتارِ مصیبت
اِن کانپتے ہاتھوں میں بھی ہے زورِ امامت
بھر جائے زمیں خوں سے جو دکھلائیں شجاعت
کیا جانیے کیا ہے جو دکھاتے نہیں طاقت
نے ضعف کا باعث نہ نقاہت کا سبب ہے
واللہ فقط بخششِ اُمت کا سبب ہے

۲۰

برہم ہوں تو عالم کی بنا ہو ابھی نابود
گلزار ہو سایے سے مرے آتشِ نمرود
اعجاز ہے موسیٰؑ کا عصا ہیں مرے موجود
آہن کو ابھی موم کروں صورتِ داؤد
ہے زور مرے قبضے میں حیدرؑ کے برابر
دو اُنگلیاں ہیں تیغِ دو پیکر کے برابر

۲۱

بابا کو جو رو دوں تو اُٹھے نوحؑ کا طوفاں
ہے زیرِ نگیں خاتمِ انگشتِ سلیماں
عیسیٰؑ کی طرح مُردۂ صد سالہ کو دوں جاں
جنات و ملائک ہیں مرے تابعِ فرماں
پر طوق پنہا دو کہ جھکائے ہوئے سر ہوں
میں سیدِ مظلوم کا مظلوم پسر ہوں

۲۲

دادا کے مرے زور سے ماہر ہے خدائی
ہاتھ اُن کے رہی خیبر و خندق کی لڑائی
کی بُت شکنی کفر کی بنیاد مٹائی
اس زور پہ پھر رسّی سے گردن بھی بندھائی
ہے فخر کی جا گر مری گردن میں رسن ہو
پوتے میں بھی لازم ہے کہ دادا کا چلن ہو

۲۳

سب جانتے ہیں صابری و جراتِ حیدرؑ
اک روز یہ مظلوم ہوئے بعدِ پیمبرؐ
اک روز وہ تھا فتح کیا قلعۂ خیبر
کچھ بولے نہ جب دادی کے پہلو پہ گرا در
دی آتشِ کیں خیمے کو حیدرؑ کے پسر کے
مجھ پر بھی وہی ظلم ہوا بعد پدر کے

۲۴

آگے مرے زیور مری مادر کا اُتارا
بے جُرم طمانچہ مری ہمشیر کو مارا
زینبؑ کی ردا چھن گئی گھر لٹ گیا سارا
یہ سب کیا اُمت کے لئے میں نے گوارا
خوش ہو کے اسیری کے بھی دُکھ درد سہیں گے
ہم وہ ہیں کہ ہر درد میں صابر ہی رہیں گے

۲۵

تم سب نے تو دیکھی مرے بابا کی شجاعت
قربان میں اس تشنہ کے اللہ رے ہمت
مارے گئے کی حاکمِ فاسق کی نہ بیعت
رکھ لی پسرِ فاطمہؑ نے دین کی عزت
خنجر تو نہیں حلق سے جو خون بہے گا
کیا طوق کی ایذا بھی نہ بیمار سہے گا

۲۶

میں اذنِ دغا گر شہِ مظلوم سے پاتا
ششماہہ مرا بھائی تو جاں اپنی گنواتا
اس چھاتی پہ اکبرؑ کی طرح برچھیاں کھاتا
ایسا تو نہ تھا میں کہ گلا بھی نہ کٹاتا
وہ صاحبِ قسمت ہوئے داخل شہدا میں
ہم قید کے قابل تھے پھنسے رنج و بلا میں

۲۷

یہ سن کے لعیں طوق کا حلقہ لیے آیا
زنجیر کو جب سامنے بیمار کے لایا
کس صبر سے عابد نے سرِ پاک جھکایا
فرزندِ یداللہ نے خود پاؤں بڑھایا
دم مارا نہ کچھ طوقِ گلوگیر پہن کر
سجدے کے لئے جھک گئے زنجیر پہن کر

۲۸

اٹھ کر کہا سجدے سے کہ اے مالکِ تقدیر
بندے کو حصارِ امن کا ہے طوقِ گلوگیر
یہ قید تری راہ میں ہے عزت و توقیر
اور سلسلۂ بخشش امت ہے یہ زنجیر
ہمت دے کہ ہر رنج میں خورسند رہوں میں
اس قید میں بھی صبر کا پابند رہوں میں

۲۹

عادل ہے توانا ہے تو اے قادرِ مختار
مولا تری طاقت سے قوی ہے یہ دلِ زار
حامی ہے غریبوں کا ضعیفوں کا مددگار
یہ بار کہاں اور کہاں عابدِ بیمار
یاں ایک قدم چلنے کا مقدور نہیں ہے
پہونچا دے جو منزل یہ تو کچھ دور نہیں ہے

۳۰

بابا سا شفیق اٹھ گیا، ہوں بے کس و تنہا
موجود ہے تو گر یہ تو کچھ غم نہیں اصلا
عورات کا ساتھ اور گرفتاری کی ایذا
ماں سے کہیں بڑھ کے تری شفقت ہے زیادا
گو بلوے میں عریاں سرِ ناموسِ نبیؐ ہے
ستار ترا نام ہے دل اس سے قوی ہے

۳۱

رو رو کے وہ بیمار یہ کرتا رہا تقریر
اسوار ہوئے گھوڑوں پہ سب ظالمِ بے پیر
اونٹوں پہ چڑھیں بیبیاں بہ حالتِ تغیر
سجاد پیادہ چلے پہنے ہوئے زنجیر
نیزے پہ جو پُرخوں سرِ شاہِ شہدا تھا
اونٹوں پہ نبیؐ زادیوں میں حشر بپا تھا

۳۲

مقتل میں جو وہ قافلہ سب نوحہ گر آیا
سینے میں الم سے دلِ سجاد بھر آیا
تیغوں سے قلم باغِ محمدؐ نظر آیا
بابا کو پکارے کہ یہ قیدی پسر آیا
صدمہ یہ ہوا زینبؑ ناشاد و حزیں پر
اشتر سے گری ہائے اخی کہہ کے زمیں پر

۳۳

چلاتی تھی اے زینتِ آغوشِ پیمبرؐ
آئی یہ صدا نعشِ شہِ دیں سے مکرر
گردن تو اٹھاؤ بہن آئی ہے کھلے سر
بھائی ترے قربان ہوا اے مری خواہر
سچ ہے کہ عجب تجھ پہ ستم ہوتے ہیں زینبؑ
تیرے لئے نیزے پہ بھی ہم روتے ہیں زینبؑ

۳۴

جس وقت یہ پُر درد صدا کان میں آئی
چلائی کہ فریاد ہے میں لٹ گئی بھائی
جا لپٹی تنِ شہ سے وہ گردوں کی ستائی
تقدیر نے لاش آپ کی بہنا کو دکھائی
ہوں کور تو یہ ظلم نہ ان آنکھوں سے دیکھوں
صدقے گئی بے سر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

۳۵

بچپن سے سدا دوشِ نبیؐ پر تمہیں دیکھا
گودی سے جدا ماں کی نہ دم بھر تمہیں دیکھا
چھاتی پہ یداللہ کی اکثر تمہیں دیکھا
اور آج کے دن خاک پہ بے سر تمہیں دیکھا
اب کوئی بزرگوں میں نہیں ہائے برادر
بہنا کسے لاش آپ کی دکھلائے برادر

۳۶

اک روز وہ تھا بھیجی تھی اللہ نے پوشاک
یا جامۂ تن آج ہوا تیغوں سے صد چاک
اور اونٹ سواری کا بنے تھے شہِ لولاک
کس بے کسی سے آج پڑے ہو بہ سرِ خاک
آرام کجا از رنج و محن بھی نہیں ملتا
مظلوم ہو ایسے کہ کفن بھی نہیں ملتا

۳۷
چلاتی تھی بانو مرے سید مرے سرتاج
حضرت کو تو نیزے پہ ملا رُتبۂ معراج
لُٹا مرا تخت آپ کے مرنے سے لٹا راج
اور لونڈی ہے بلوے میں ردا کے لئے محتاج
گھر لٹ گیا بے وارث و والی ہوئی صاحب
بچوں سے بھری گود بھی خالی ہوئی صاحب

۳۸
اب کون ہے یا شاہ مرا پوچھنے والا
کب تک سہوں یہ رنج و ستم اے شہ والا
وہ بھی نہیں اٹھارہ برس تک جسے پالا
اعدا نے مجھے لوٹ کے پردے سے نکالا
بیماری میں سجاد گرفتار رسن ہے
میں قید ہوں لاش آپ کی بے گور و کفن ہے

۳۹
رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ بانوئے بے پر
پہچانا ہو تم نے تو بتا دو مجھے مادر
جو ماں سے کہا بانی سکینہ نے یہ رو کر
یہ کون سے مظلوم کا ہے لاشۂ بے سر
بیتاب ہے دل چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
اس لاش سے تو بابا کی بو آتی ہے اماں

۴۰
بانو نے یہ چاہا کہ سکینہ سے چھپائے
خود لاش نے کہہ کر یہ سخن ہاتھ اٹھائے
پر بیٹی کا منہ دیکھ کے آنسو نکل آئے
آؤ کہ یہ بابا تمھیں چھاتی سے لگائے
سوتی تھیں تم رکھ کے اسی چھاتی پہ سر کو
کیا بھول گئیں بے کس و مظلوم پدر کو

۴۱
صدقے تری مظلومی کے میں اے مری پیاری
سیلی جو تجھے شمر ستمگار نے ماری
اس وقت تلک روح تڑپتی ہے ہماری
پھر خوں ہوا صدمے سے مرے زخموں سے جاری
مشتاق ملاقات ہیں ہم آؤ سکینہ
اس خوں بھری چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہ

۴۲
کوئی نہ تھا جو باپ سے ملنے کا قرینہ
لاشے پہ گری ہائے پدر کہہ کے سکینہ
بس سنتے ہی آواز شہنشاہ مدینہ
گردن پہ تو منہ رکھ دیا اور سینے پہ سکینہ
چلائی کہ ویران بھرا گھر کیا بابا
ہے ہے تمھیں کس جرم پہ بے سر کیا بابا

۴۳
ہے ہے مرے مظلوم پدر پیاس کے مارے
شب کو مجھے نیند آتی تھی سینے پہ تمھارے
تلواروں سے یہ عضو بدن ٹکڑے ہیں سارے
اب کون سُلا دے گا مجھے تم تو سدھارے
بھیا علی اصغر کو تو لیتے گئے بابا
اور داغ یتیمی ہمیں دیتے گئے بابا

۴۴
قربان گئی بیٹی سے منہ آپ نے موڑا
اعدا نے کڑوں کے لئے ہاتھوں کو مروڑا
کھانے کو طمانچے ہمیں خیمے میں ہی چھوڑا
برچھی کبھی دکھلائی اٹھایا کبھی کوڑا
بیزار ہوئے پیار کے وہ دن گئے بابا
تم آئے نہ اور میرے گہر چھن گئے بابا

۴۵
خیمہ بھی جلا چھن گئی اماں کی بھی چادر
زنجیر گراں پہنے ہیں سجاد برادر
ہیں بلوۂ اعدا میں پھوپھی جان کھلے سر
صدقے گئی بھیا کو بچا سکتے نہیں اٹھ کر
بیمار کو آرام نہیں ملتا ہے بابا
یہ طوق ہے بھاری کہ گلا چھلتا ہے بابا

۴۶

کرتی تھی جو یہ بین سکینہؑ جگر افگار
اور کہتے تھے یہ کھینچ کے بازو کو ستمگار
تھرا رہی تھی خاک پہ نعشِ شہِ ابرار
بس چھوڑ تنِ شاہ کو اے بیکس و ناچار
وہ کہتی تھی منھ شہ سے نہ موڑے گی سکینہؑ
بابا کے تو لاشے کو نہ چھوڑے گی سکینہؑ

۴۷

ملعونوں میں بیکس ہوں نہ بیکس کو ستاؤ
مرجاؤں گی لاشے سے نہ بابا کے چھڑاؤ
پہونچا نہ مروڑو مرا بازو نہ دکھاؤ
جنگل میں رہوں گی مجھے یاں چھوڑتے جاؤ
بے غسل و کفن فاطمہؑ کا ماہ جبیں ہے
لاشے کی نگہبان کوئی بھی کوئی نہیں ہے

۴۸

تنہائی کا بابا کی بڑا ہے مجھے وسواس
جیتے ہیں نہ قاسمؑ نہ علیؑ اکبر و عباسؑ
دیکھو تو برستی ہے عجب بے کسی و یاس
بیٹی تو بھلا باپ کے لاشے کے رہے پاس
جاؤں گی کہاں باپ کے پہلو سے میں ہٹ کر
شب ہوگی تو سوؤں گی میں چھاتی سے لپٹ کر

۴۹

پہلو سے صدا آئی کہ زہرا ترے قرباں
میں کو کھ جلی ہوں ترے بابا کی نگہباں
تنہائی کا شبیرؑ کے غم کھا نہ مری جاں
اب فاطمہؑ ہے اور ہے یہ قتل کا میداں
شبیرؑ سے اک دم نہ جدا ہوئے گی زہراؑ
آغوش میں لاشے کو لئے روئے گی زہراؑ

۵۰

سن کر یہ صدا اندر دل میں رونے کی ہوئی دھوم
وہ حال انیس اب نہیں ہو سکتا ہے مرقوم
یہ پیٹیں کہ غش کھا کے گریں زینبؑ و کلثومؑ
جس طرح چھٹی باپ سے وہ دخترِ مظلوم
عالم میں یہ صدمہ نہ ہوا ہوگا کسی پر
رستے میں ہوئی جو کہ جفا آلِ نبیؐ پر

رباعی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اِس باغ سے کیا کیا گُلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گُل کھلے جو مُرجھا نہ گئے

مرثیہ

جب غرق بحرِ خوں ہوئی کشتی نجات کی
غلّائے خضرؑ اٹھ گئی لذت حیات کی
ڈوبی لہو میں شکل شہ خوش صفات کی
گویا نبیؐ نے آج جہاں سے وفات کی
زہراؑ نہیں نبیؐ و علیؑ و حسنؑ نہیں
پھر کیا رہا جہان میں جب پنجتن نہیں

۲

جاری تھا جس سے فیض وہ گھر ہو گیا تباہ
حیواں کو ذبح کرتے ہیں پانی پلا کے آہ
شبیرؑ سا نہ ہوئے گا اُمت کا خیر خواہ
مارا ستم کی فوج نے پیاسے کو بے گناہ
ایذا ہے بعد ذبح تنِ پاش پاش کو
تربت میں گاڑتے نہیں سید کی لاش کو

۳

تیغِ ستم سے کٹ گیا زہراؑ کا باغ سب
افسوس باغیوں نے کیا ظلم بے سبب
پھولے پھلے چمن پہ خزاں آئی ہے غضب
پانی سے تر ہوئے نہ کبھی گل بدن کے لب
ایک ایک سرو قد کا گلزار میں کٹ گیا
سب فاطمہؑ کا باغ اسی بن میں چھٹ گیا

۴

دُنیا ہوئی تباہ غضب آج ہو گیا
گھر فاطمہؑ کا ظلم سے تاراج ہو گیا
بے سر تمام خلق کا سرتاج ہو گیا
کنبہ رسولؐ پاک کا محتاج ہو گیا
کیا کیا گلِ ریاضِ محمدؐ خزاں ہوئے
تھی جن سے روشنی وہ ستارے نہاں ہوئے

۵

بے سر جو تھا زمیں پہ یداللہ کا خلف
تھی کربلا میں خاک بسر قدسیوں کی صف
برپا تھا شور ہائے حسیناؑ کا ہر طرف
ہلتا تھا کعبہ کانپتا تھا یثرب و نجف
زہراؑ برہنہ سر تھیں علیؑ اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنج لحد بے قرار تھے

۶

پریاں پکارتی تھیں یہ کھولے سروں کے بال
فریاد ہے شہید ہوا شاہ خوش خصال
پیٹو ہوا ہے فخرِ سلیماں کا انتقال
ہے ہے پسر بتولؑ کا ہے یہ علیؑ کا لال
ماتم کرو کہ سیدِ ذی جاہ مر گئے
اہلِ حرم تباہ ہوئے شاہ مر گئے

۷

اہلِ حرم میں ہائے حسیناؑ کی تھی پکار
چلاتی تھی یہ زینبؑ مغموم بار بار
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے تھے بے قرار
بھیا تمہارے لاشۂ بے سر کے میں نثار
کیونکر ردا اُڑھاؤں تنِ چاک چاک پر
مسندِ نبیؐ کی چھوڑ کے سوئے ہو خاک پر

۸

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہراؑ تھا خوابگاہ
جس لب کے بوسے لیتے تھے پیغمبرِ الٰہ
اک دن یہ ہے کہ لاش پہ سایہ نہیں ہے آہ
زخمی وہ تیر سے ہوئے بے جرم و بے گناہ
کیونکر بہن کے دل میں نہ غم کا وفور ہو
جب جسمِ پاک آپ کا ٹکڑوں سے چور ہو

۹

یہ شور تھا کہ آئے ستمگر سوئے خیام
فضہؑ نے دی صدا کہ ادب کا ہے یہ مقام
چلایا شمر پھونک دو ہاں خیمۂ امام
یاں بیٹیاں علیؑ کی ہیں اے ساکنانِ شام
جل جاؤ گے جو اہلِ حرم پر نگاہ کی
ڈیوڑھی یہ ہے امامِ فلک بارگاہ کی

۱۰

اے ناریو! یہ حیدرِ صفدر کا ہے مکاں
پیچھے ہٹو نبیؐ کی یہ دختر کا ہے مکاں
اس کا ادب کرو یہ پیمبر کا ہے مکاں
حق سے ڈرو یہ شافعِ محشر کا ہے مکاں
یاں اذن جبرئیل کو جبتک ملا نہیں
پاسِ ادب سے وہ کبھی آگے بڑھا نہیں

۱۱

رہتے تھے اس میں سیدِ سردارِ انس و جاں
یاں کی زمیں سے پست ہے رتبے میں آسماں
کعبے سے کم نہیں ہے بزرگی میں یہ مکاں
اس کا ہر ایک در ہے درِ خلد بے گماں
رفعت میں اوجِ عرشِ بریں سے دوچند ہے
کرسی سے اس مکان کا رتبہ بلند ہے

۱۲

ظاہر ہے سب یہ حضرتِ خیر النسا کا حال
ہیں اُن کی بیٹیاں بھی غریب و شکستہ حال
فاقے پہ فاقے کر کے سدھاریں وہ خوش خصال
اُس گھر کو لوٹتے ہیں جہاں ہو متاع و مال
سیدانیوں کے فقر سے آگاہ کیا نہیں
ثابت کسی کے سر پہ گزی کی ردا نہیں

۱۳

غصّے سے تب یہ کہنے لگا شمرِ بے حیا
تو یہ خیام آگ سے دیویں گے ہم جلا
ہے ہم کو بغض مال اگر کچھ نہ نکلے گا
اور سر سے چھین لیں گے ہر اک رانڈ کی ردا
دانستہ اہلِ بیت نبیؐ کو ستائیں گے
مسند محمدؐ عربی کی جلائیں گے

۱۴

اُن کو تو قتل کر چکے تھا جن کا ہم کو ڈر
اکبرؑ نہ اب ہیں اور نہ سلطان بحر و بر
لوٹیں گے اہلِ بیت محمدؐ کا مال و زر
عباسؑ بھی نہیں جو بچائیں گے آن کر
کانوں سے ننھے بچوں کے گوہر اُتاریں گے
کپڑا جو پہنے ہو گی وہ زیور اُتاریں گے

۱۵

غصّے سے جب یہ شمرِ لعیں نے کیا کلام
جس وقت صحن میں نظر آیا ہجومِ عام
درانہ آئے فاطمہؑ کے گھر میں اہلِ شام
سر پیٹنے لگے حرمِ سیدِ انام
لٹتا تھا گھر جو بادشہِ مشرقین کا
غل تھا نبیؐ کی آل میں ہے ہے حسینؑ کا

۱۶

مسند لٹی جو شاہِ فلک بارگاہ کی
غل تھا کہاں چھپیں نہیں جاگہ پناہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینبؑ نے آہ کی
فریاد ہے دُہائی ہے شیرِ الٰہ کی
آقا تمہارے اہلِ حرم لوٹے جاتے ہیں
یا شیرِ حق بچاؤ کہ ہم لوٹے جاتے ہیں

۱۷

شکلیں مہیب دیکھ کے بچے تھے بے قرار
چلّاتی تھی یہ بانوئے مغموم بار بار
کُرتوں سے منہ چھپاتے تھے روتے تھے زار زار
اکبرؑ بچاؤ ہوتے ہیں بے پردہ پردہ دار
نامحرموں کو قہرِ الٰہی کا ڈر نہیں
ماں بہنیں لوٹی جاتی ہیں تم کو خبر نہیں

۱۸

کہتی تھی سہم کر یہ سکینہؑ جگر فگار
غافل ہیں ہم نے دیکھ لیا بس سبھوں کا پیار
مجھ کو کہیں چھپاؤ پھوپھی تم پہ میں نثار
اکبرؑ ہیں یاں نہ حضرتِ عباسؑ نامدار
نامحرم آ کے خیمۂ عصمت میں بھر گئے
پوچھو کسی سے تم مرے بابا کدھر گئے

۱۹
کیا ہو گیا جو خیمے میں آتے نہیں پدر
تشریف ایسے وقت میں لاتے نہیں پدر
کچھ ہیں خفا جو شکل دکھاتے نہیں پدر
لٹتے ہیں اہلِ بیت بچاتے نہیں پدر
ہے ہے میں کیا کروں یہ مہم کون سر کرے
کوئی خدا کے واسطے اُن کو خبر کرے

۲۰
زینبؑ نے اُس یتیم سے سر پیٹ کر کہا
ہوتے اگر حسینؑ تو آ سکتے اشقیا
کس کو پکارتی ہو سکینہ پھوپھی فدا
ہے ہے ہوئے شہید شہنشاہ کربلا
خالی ہوا زمانہ ترے بابا جان سے
پڑھ کر نماز عصر سدھارے جہان سے

۲۱
زینب ابھی سکینہؑ سے کرتی تھی یہ کلام
دیکھا نہ تھا جو گھر میں کبھی یہ ہجوم عام
لٹنے لگے ردائیں سروں پر سے اہلِ شام
حق کی دُہائی دینے لگیں بیبیاں تمام
منت سُنی کسی کی نہ خوفِ خدا کیا
زہراؑ کی بہوؤں بیٹیوں کو بے ردا کیا

۲۲
پھر وہ جفا شعار صغیروں کے پاس آئے
کانوں سے بُندے کھینچ لئے اُن کے ہائے ہائے
سہمے ہوئے وہ روتے تھے کرتوں سے منہ چھپائے
روئے جو وہ یتیم تو نیزے آنکھیں دکھائے
فریاد کی صغیروں نے منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
گر گر پڑے زمین پہ سب کانپ کانپ کے

۲۳
آیا قریں سکینہ کے پھر شمر تیرہ سر
کُرتا بدن کا ہو گیا سارا لہو میں تر
اور بد گہر نے کھینچ لیا کان سے گہر
تڑپی وہ مثل ماہیِ بے آب خاک پر
چلائی وہ یتیم کہ راحت کے دن گئے
فریاد ہے حسینؑ گہر میرے چھن گئے

۲۴
آئی صدا یہ شاہ کے لاشے سے اُس گھڑی
شاکی ہیں ان سے فاطمہؑ و حیدر و نبیؐ
صدقے میں تیرے صبر کے اے میری لاڈلی
تجھ پر ستم کیا نہیں ایذا یہ مجھ کو دی
تجھ کو نہیں لعیں نے طمانچے لگائے ہیں
بیٹی یہ سب حسینؑ نے صدمے اٹھائے ہیں

۲۵
اتنے میں ناریوں نے دیا اور تازہ غم
جلنے لگا جو خیمۂ شاہنشہِ اُمم
حضرت کے گھر میں آگ لگا دی بصد ستم
بچوں کو لے کے گود میں رونے لگے حرم
استادہ صحن میں ہوئے خیمے سے بھاگ کے
رخسار تمتما گئے شعلوں سے آگ کے

۲۶
جب جل چکے خیامِ شہِ آسمان وقار
عابدؑ کے دستِ پاک میں اونٹوں کی دی مہار
اونٹوں پہ اہلِ بیت نبیؐ کو کیا سوار
گر گر پڑے ہر قدم پہ یہ تھا بیڑیوں کا بار
گورا گلا وہ حلقۂ طوق و رسن میں تھا
مہتاب آسمانِ شرافت گہن میں تھا

۲۷ مطلع دوم
جب عصر تک سپاہ خدا رن میں لڑ چکی
آرام اہلِ بیت کی صورت بگڑ چکی
یعنی بتول پاک کی کھیتی اُجڑ چکی
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ چکی
کنبہ نبیؐ کا مورد بیداد ہو گیا
گھر فاطمہؑ کا ظلم سے برباد ہو گیا

۲۸

لکھتا ہے اس طرح سے ابو مخنف سعید
وہ دن تھا ابنِ سعد کے نزدیک روز عید
جس وقت لٹ چکے حرم سرورِ شہید
سب کے سروں کو سامنے منگوا کے وہ پلید
بولا سبھوں کو فتح دکھانا ضرور ہے
نیزوں پہ ان سروں کو چڑھانا ضرور ہے

۲۹

بیٹھا منگا کے کرسیٔ زرّیں وہ بد گہر
قاسم کا سر کسی کو دیا اُس نے خوں میں تر
لشکر کے سرکشوں کو لگا بانٹنے وہ سر
بخشا کسی کو پھر سرِ عباسؑ نامور
اک بدنہاد کو علی اکبرؑ کا سر دیا
اور اک لعیں کے ہاتھ میں اصغرؑ کا سر دیا

۳۰

جب دشمنوں نے نیزوں کی نوکوں پہ سر چڑھائے
بانو پکارتی تھی کہ ماں تیرے صدقے جائے
تھا شور اہلِ بیت نبیؐ میں کہ ہائے ہائے
اصغر نہ دو برس بھی مرا دودھ پینے پائے
اماں کا گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
واری ہماری گود کو سنسان کر گئے

۳۱

جب سب کے سر وہاں سوئے کوفہ وہ کر چکا
خولی اصبحی کو لعیں نے طلب کیا
اُس وقت دستِ نحس میں سر شاہ کا لیا
سر اس کو دے کے سبطِ پیمبر کا یہ کہا
تھی آرزو کہ قتل امامِ زمانہ ہو
سر لے کے شہ کا کوفے میں جلدی روانہ ہو

۳۲

خولی کو اس لعین نے جو سونپا سرِ حسینؑ
رومال میں لعیں نے جو باندھا سرِ حسینؑ
خیمے میں اپنے لے کے وہ پہونچا سرِ حسینؑ
بسمل سا تن کے واسطے تڑپا سرِ حسینؑ
زہرا کا نے علیؑ و نبیؐ کا ادب کیا
کوچ اس نے لے کے شاہ کا سر وقتِ شب کیا

۳۳

جس وقت بابِ شہر پہ پہونچا وہ بد گہر
جب تھک گیا پکار کے سب کو وہ خیرہ سر
جس جا سے آتے جاتے تھے سب بند تھے وہ در
ناچار ہو کے واں سے چلا تب وہ اپنے گھر
پوشیدہ دستِ نحس میں تصویرِ شاہ لی
ڈر سے ٹھہر سکا نہ کہیں گھر کی راہ لی

۳۴

اک فرسخ اُس لعیں کا مکاں واں سے دور تھا
اک بی بی حضرمیہ تھی خوش خو و پارسا
اس بے حیا کی بیبیاں دو تھیں جدا، جدا
وہ زن بنی اسد سے تھی جو گھر تھا دوسرا
شیعہ تھیں دوستدار جنابِ بتولؑ تھیں
وہ دونوں دل سے عاشقِ سبطِ رسولؐ تھیں

۳۵

رومال میں لیے سرِ سلطانِ کربلا
بی بی بنی اسد سے جو تھی اُس کے گھر گیا
پہونچا قریب قریہ جو وہ دشمنِ خدا
رکھ کر سرِ حسینؑ کو کھولنے لگا
سارا مکان نور سے معمور ہو گیا
گھر میں فروغِ روشنیٔ طور ہو گیا

۳۶

حیران ہو کے بولی وہ بی بی نکو سیر
ہے دورِ شب چراغ جو ایسا ہے جلوہ گر
رومال میں یہ لایا ہے کیا چیز باندھ کر
جس کی ضیا سے ہو گیا روشن تمام گھر
کیا سانحہ ہے جس سے مرا دل ملول ہے
اس نے کہا کہ یہ سرِ سبطِ رسولؐ ہے

۳۷
کوفے میں وقتِ صبح میں لے جاؤں گا یہ سر
قتلِ حسینؑ کی تو ہوئی ہے اُسے خبر
ابنِ زیاد سے مجھے لینا ہے مال و زر
دیکھا نہیں مگر سرِ سلطانِ بحر و بر
جب اس کو خوں بھرا ہوا یہ سر دکھاؤں گا
اِس کے صلے میں خلعت و انعام پاؤں گا

۳۸
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ خوش خصال
لوٹا یہ کس نے خانۂ محبوبِ ذوالجلال
ہے ہے یہ اُس کا سر ہے جو ہے فاطمہؑ کا لال
دُنیا کے آفتاب پہ یوں آگیا زوال
واحسرتا حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ گئی
ہے ہے بتولؑ پاک کی کھیتی اُجڑ گئی

۳۹
لاتے ہیں آدمی تو غنیمت سے سیم و زر
او ظالم و لعیں و بد آئین و بد گہر
لایا ہے گھر میں تو پسرِ فاطمہؑ کا سر
سر کو حسینؑ کے لئے پھرتا ہے در بدر
پیشِ خدا جو روزِ قیامت کو جائے گا
بتلا مجھے بتولؑ کو کیا منھ دکھائے گا

۴۰
برباد دیں کیا طمعِ زر سے ہے غضب
لایا ہے سر حسینؑ کا لشکر سے ہے غضب
تو کچھ ڈرا نہ روحِ پیمبر سے ہے غضب
لٹکائے تھا یہ بے ادبی سر سے ہے غضب
جن و ملک تو روتے ہیں اور تجھ کو غم نہیں
ظالم یہ سر حسینؑ کا قرآں سے کم نہیں

۴۱
یہ کہہ کے سر کو پیٹتی دوڑی وہ سوگوار
اُس مومنہ نے غیظ میں آکر پھرا ایک بار
چلائی اے نبیؐ کے نواسے ترے نثار
مارا لعیں کو سنگ کہ سر ہو گیا فگار
پایا محل نہ گھر میں جو آرام و چین کا
بھاگا وہاں سے لے کے لعیں سر حسینؑ کا

۴۲
لٹکا کے دستِ نحس میں سبطِ نبیؐ کا سر
تھی وہ بھی دل سے عاشقِ سلطانِ بحر و بر
بی بی جو خضریہ تھی آیا وہ اُس کے گھر
ظالم ڈرا کہ اس سے بھی پہونچے نہ کچھ ضرر
ناری نے کچھ نہ فرق کیا نار و نور میں
رکھا سرِ حسینؑ چھپا کر تنور میں

۴۳
کچھ زہر مار کر کے تو سویا وہ کینہ جو
جب بعدِ نصفِ شب کے اُٹھی وہ پئے وضو
اور تھی نمازِ شب کی زنِ مومنہ کی خو
اک روشنی سی گھر میں نظر آئی چار سو
بولی کہ تا بہ چرخ ہے نور اس مکان سے
اُترا ہے کیا زمیں پہ چاند آسماں سے

۴۴
تھی رات لیکن اس کو ہوا دن کا اشتباہ
کیا نور کیا فروغ ہے کیا روشنی ہے واہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرتِ اِلٰہ
رکھتا نہیں کبھی یہ ضیا چودھویں کا ماہ
یہ نور طعنہ زن ہے تجلّیِ طور پر
ہے بُرجِ آفتاب کا عالم تنور پر

۴۵
حیران ہو کے دل سے یہ بولی وہ ذی شعور
روشن تھی آج تو نہیں میں نے کیا تنور
اُٹھتی ہوں روز پر کبھی دیکھا نہیں یہ نور
کھلتا نہیں یہ کچھ نہ کچھ اسرار ہے ضرور
پُر نور کیوں تنور سے سارا مکان ہے
کیسی یہ روشنی ہے کہ تارا مکان ہے

۴۶

تھی سوچ میں کہ دیکھتی کیا ہے وہ خوش سیر
اک ہودج آسماں سے اترا زمین پر
ہے اس میں چار بیبیاں لیکن برہنہ سر
اک بی بی بیقرار ہے تھامے ہوئے جگر
آنسو رواں ہیں آنکھوں سے اور لب پہ نالے ہیں
ہاتھوں سے تین بیبیاں اسکو سنبھالے ہیں

۴۷

چلاتی ہے کہ ہائے مرے نور عین ہائے
اے گلعذار فاطمہ بدر و حنین ہائے
مرنے کے بعد بھی نہ ملا تجھ کو چین ہائے
یہ تیرے سر پہ ظلم و ستم اے حسینؑ ہائے
واری میں بیٹھی ہوئی آئی ہوں دور سے
صورت دکھاؤ ماں کو نکل کر تنور سے

۴۸

ہودج سے سر برہنہ جو اتری وہ حق شناس
چہرہ تو آفتاب سا تھا اور سیاہ لباس
بالوں پہ بن کی خاک پریشان و بے حواس
تھامے جگر جھکی ہوئی آئی تنور پاس
دیکھا اٹھا جو گرد سے رخ نور عین کا
گودی میں لے لیا سر انور حسینؑ کا

۴۹

ہونٹوں سے ہونٹ مل کے کیے اس طرح سے بین
اے میرے لال اے مرے بیکس مرے حسین
آنکھوں پہ ماں تو رکھتی تھی اے میرے نور عین
آیا تنور میں تمہیں یاں کس طرح سے چین
فریاد ہے یہ امت احمدؐ نے کیا کیا
چھاتی پہ چڑھ کے تن سے ترا سر جدا کیا

۵۰

واری تنور اور ترا بستر ہزار حیف
یہ خاک اور زلف معنبر ہزار حیف
پانی سے خشک لب نہ ہوئے تر ہزار حیف
سوکھے گلے پہ چل گیا خنجر ہزار حیف
تم چھٹ گئے بہن سے بہن تم سے چھٹ گئی
ہے ہے کمائی فاطمہؑ کی بن میں لٹ گئی

۵۱

کیسے وطن سے چھٹ کے چلے آئے ماں نثار
کیا دشمنوں کے ہاتھوں سے دکھ پائے ماں نثار
فاقوں میں زخم تیغ و سناں کھائے ماں نثار
شکوے کا حرف لب پہ نہ تم لائے ماں نثار
پیاری بہن اسیر ہے بلوائے عام میں
دولت مری لٹا گئے امت کے کام میں

۵۲

دیکھا پسر کے غم میں جو زہراؑ کو بے قرار
یوں تینوں بیبیوں نے یہ کی عرض بار بار
للہ صبر کیجئے ہم آپ پر نثار
تھراتا ہے عرش ملائک ہیں اشکبار
آنکھوں کو شہ کے سر سے نہ مل مل کے رویئے
بس کربلا میں لاش پہ اب چل کے رویئے

۵۳

رکھ کر تنور میں سر سردار انس و جاں
ہودج پہ چڑھ کے واں سے سدھاریں وہ بیبیاں
آئی تنور پر زن خولی بصد فغاں
دل کانپتا تھا سینے میں اور اشک تھے رواں
رقت کا تھا یہ جوش کہ تھرا کے گر پڑی
دیکھا جو سر تنور میں غش کھا کے گر پڑی

۵۴

تھی غش میں وہ کہ ہاتف غیبی نے دی صدا
اے زن نکل اب اپنے شوہر ملعوں کے گھر سے جا
تو دوست ہے علیؑ کی یہ ہے دشمن خدا
کافر سے کام مومنۂ پاک کو ہے کیا
تو نیک اعتقاد ہے وہ بد سرشت ہے
دوزخ مکاں ہے اس کا ترا گھر بہشت ہے

۵۵

اس نے کیا سوال یہ ہاتف سے ایکبار | یہ کون بیبیاں تھیں جو روتی تھیں زار زار
آئی صدا کہ مریم و حوّا ہیں اشکبار | اور تیسری خدیجۂ کبریٰ تھیں بیقرار
گھر میں ترے جو خلد سے تشریف لائی تھیں | یہ بیبیاں حسینؑ کے پُرسے کو آئی تھیں

۵۶

وہ بی بی جو کہ سب سے زیادہ تھیں دردناک | سب خون سے بھرا ہوا تھا جن کا رُوئے پاک
بکھرے ہوئے تھے بال گریباں تھا چاک چاک | کپڑے سیاہ جسم پہ تھے اور سر پہ خاک
رو رو کے چومتی تھیں جو منھ نورِ عین کا | وہ فاطمہؑ تھیں اور یہ سر ہے حسین کا

۵۷

چونکی صدا یہ سن کے جو غش سے وہ خوش سیر | تنّور سے نکال لیا شاہِ دیں کا سر
چھڑکا گلاب اور رکھا جانماز پر | ہے ہے حسین کہہ کے وہ چلّائی تا سحر
ہنگام صبح غم کی چھری دل پہ چل گئی | جنگل میں پیٹتی ہوئی گھر سے نکل گئی

۵۸

خاموش اے انیسؔ کہ دل آب آب ہے | اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے
یہ مرثیہ ہے یا غمِ شہ کی کتاب ہے | رونے کی فصل مجلسِ ماتم کا باب ہے
روئیں گے وہ جو عاشقِ نامِ حسینؑ ہیں | فقرے فقط یہ درد کے اور غم کے بین ہیں

رُباعی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا | کھانے کی نہ لذّت نہ مزا پانی کا
گرد ہیے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ | پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

رُباعی

دُنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ | اے پُختہ مزاجو طمعِ خام ہے یہ
ہاں سوچ کے پاؤں اس زمیں پہ رکھو | چُھٹتا نہیں پھنس کے جس سے وہ دام ہے یہ

رباعی

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے
جاتا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دُنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

رباعی

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی تو میں نہیں
ہر چند کہ ہوں خسرو اقلیم سخن
غیر از داوات کچھ قلمرو میں نہیں

رباعی

کچھ فرق کلام کہنہ و نو میں نہیں
منصف ڈھونڈھوں تو ایک بھی تجھ میں نہیں
تھا یوں نہ کبھی گوہر مضموں بے قدر
انصاف فلک تیری قلمرو میں نہیں

رباعی

راحت کا مزا عدوئے جانی نکلا
دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا
بیاسے رہے آکے چاہ دُنیا پہ انیس
نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

رباعی

سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیس
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

رباعی

کل دل کو نہیں ہے آج کل جائیں گے
اب ہند سے گھبرا کے نکل جائیں گے
ہاتھ آئے تو جادۂ صراطِ ایماں
گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

مرثیہ ۱

جب تیغ کیں حسینؑ کی گردن پہ چل چکی
آتش سے سندِ شہِ لولاک جل چکی
اور فوج شام گھوڑوں سے لاشے کچل چکی
زینبؑ حرم سرا سے کھلے سر نکل چکی
چادر کسی کے پاس نہ تھی اژدہام میں
سیدانیاں اسیر ہوئیں فوج شام میں

۲

رتبے میں جو کہ خانۂ کعبہ سے تھا نہ کم
اونٹوں پہ بے عماری و ہودج چڑھے حرم
اُس خیمے کو جلا دیا آتش سے بے ستم
رونے نہ پائے لاشوں پہ بھی وہ اسیر غم
جو دستگیر خلق تھا وہ دستگیر تھا
پوتا علیؑ کا طوق و رسن میں اسیر تھا

۳

رانڈوں کو ساتھ لے کے چلے جب وہ اہلِ شر
لے چل خدا کے واسطے مقتل میں اے عمر
زینبؑ پکاری اونٹ سے سر پیٹ پیٹ کر
تا دیکھ لیں عزیزوں کے لاشوں کو اک نظر
پائیں گے پھر نہ نعش شہِ مشرقین کو
سب مل کے ہم وداع تو کر لیں حسینؑ کو

۴

سنتے تھے کب اسیروں کی زاری وہ بدشعار
پھر پھر کے دیکھتے گئے لاشوں کو سوگوار
دم بھر ٹھہرنے پائی نہ اونٹوں کی واں قطار
زینب پکارتی تھی کہ بھیا بہن نثار
کیونکر بلائیں لاشے کی لوں دسترس نہیں
بس میں ستمگروں کے ہوں کچھ میرا بس نہیں

۵

آئی حسینؑ کے تنِ بے سر سے یہ صدا
زینبؑ سے تب یہ کہنے لگا شمر بے حیا
بھیا تری اسیری و غربت کے میں فدا
بس رو چکی خموش ہو اے بنتِ مرتضیٰؑ
وہ سوگوار بھائی کو چلّا کے رہ گئی
لاشِ حسینؑ خاک پہ تھرّا کے رہ گئی

۶

وہ قافلہ دمشق کی جانب ہوا رواں
رسّی لئے تھے اونٹوں کی سجادؑ ناتواں
نیزوں پہ تھے شہیدوں کے سر ہائے خونچکاں
ہے ہے حسینؑ کہتی تھیں سر کھولے بیبیاں
بچے بھی ماں کی گودیوں میں بیقرار تھے
عابدؑ پیادہ پا تھے، ستمگر سوار تھے

۷

منزل پہ کس تعب سے پہونچتے تھے تا بہ شام
کہتی تھی ناتوانی کہ کر دو اب یہیں مقام
تھا ایک کوس ضعف کی شدّت سے ایک گام
گرتے تھے جب تو اُٹھتے تھے لے کر علیؑ کا نام
دم رُک گیا جو طوق سے گھبرا کے گر پڑے
کانٹا چبھا تو خاک پہ تھرّا کے گر پڑے

۸

منزل پہ جا کے سوتے تھے راحت سے بد صفات
جز حمدِ حق زباں پہ نہ آتی تھی کوئی بات
غم میں پدر کے روتے تھے عابد تمام رات
ہر دم تھا شکر نعمتِ معبودِ پاک ذات
کٹتی تھی راہ بندگیِ بے نیاز میں
شب کو جب اُٹھ کے دیکھا تو پایا نماز میں

۹

رانڈوں کو اک گھڑی کسی منزل پہ تھا نہ چین
اصغرؑ کے غم میں پچھلے کو کرتی تھی ماں یہ بین
رہتا تھا تا بہ صبح بپا شور وا حسینؑ
جنگل میں کس طرح سے رہا میرے نورِ عین
کس کو سلاؤں سینے پہ میں آہ تم نہیں
اُٹھ آ ہے دودھ چھاتی پہ اے ماہ کم نہیں

۱۰

کرتا ہے اب یہ راویِ شیریں سخن بیاں
فوجِ امیرِ شام فروکش ہوئی وہاں
پہونچا قریب قلعۂ شیریں وہ کارواں
تھک کر زمیں پہ گر پڑے سجادؑ ناتواں
اُس دشت میں اُتر گئے حرم نوحہ گر ہوئے
نیزوں پہ نصب پھر وہ شہیدوں کے سر ہوئے

۱۱

شیریں کو تھا جو آٹھ پہر شاہ کا خیال
اس طرح خواب میں نظر آیا اُسے جمال
زخمی ہیں سر سے تا بہ قدم شاہِ خوش خصال
اصغرؑ کی لاش گود میں کپڑے لہو سے لال
زخمی گلا ہے تیغ سے پیشانی تیر سے
بوندیں لہو کی گرتی ہیں حلقِ صغیر سے

۱۲

شیریں نے شاہِ دیں کو نہ پہچانا مطلقاً
حیرت سے شہ کو دیکھتی تھی سر سے تا بہ پا
کہنے لگا تب اُس سے یہ مظلومِ کربلا
اِفراطِ زخم سے مرا نقشہ بدل گیا
صدمے جو مجھ پہ گزرے اسے جانتی نہیں
میں ہوں حسینؑ تو مجھے پہچانتی نہیں

۱۳

شیریں قدم پہ گر کے پکاری کہ میں نثار
یہ حال کیا ہے آپ کا یا شاہِ باوقار
فرمایا تب حسینؑ نے با چشمِ اشکبار
شیریں مرے گلے پہ چلی تیغِ آبدار
کس سے کہیں جو پیاس کے صدمے اُٹھائے ہیں
وعدہ کیا تھا تجھ سے سو ہم مر کے آئے ہیں

۱۴

دشتِ بلا میں لٹ گیا سارا ہمارا گھر
یاں تک کہ قتل ہو گیا ننھا سا یہ پسر
زینبؑ اسیر ہے تجھے اس کی نہیں خبر
بی بی ہے تیری فوجِ ستمگر میں ننگے سر
جس نے غنی کیا تھا تجھے وہ فقیر ہے
آزاد کرنے والی تری خود اسیر ہے

۱۵

شیریں اُٹھی جو دیکھ کے وہ خواب ہولناک
چھاتی پہ ہاتھ مار کے تڑپی بہ روئے خاک
شوہر پکارا آپ کو کرتی ہے کیوں ہلاک
کیا سانحہ ہوا جو گریباں کیا ہے چاک
چلّائی وہ کہ تختِ امامت اُلٹ گیا
ہے ہے مرے امام کا سر تن سے کٹ گیا

۱۶

اُس نے کہا کہ منھ سے نہ یہ فالِ بد نکال
دیکھا ہے خواب کچھ تو ہے اس کا عبث خیال
آئی ہے یاں صدا خبرِ شاہِ خوش خصال
حج کو گیا ہے کعبے میں خیرالنساءؑ کا لال
امت ستائے گی شہِ ذوالاحترام کو
کعبے میں کون قتل کرے گا امامؑ کو

۱۷

مشکل کشا ہے خلق دو عالم کا پیشوا
محبوبِ کبریا کی زباں حجّتِ خدا
ایسے بزرگ پر کوئی کرتا نہیں جفا
فرزندِ فاطمہؑ نے کسی کا ہے کیا کیا
سیّد کے سر کو تیغ سے ناحق اُتاریں گے
کس جرم پہ نبیؐ کے نواسے کو ماریں گے

۱۸

شیریں نے تب کہا کہ قلق ہے مجھے شدید
سنتی ہوں میں نبی مرے آقا سے ہے یزید
ہے ذبحِ ابنِ فاطمہؑ کی اس شقی کو عید
ڈر ہے کیا نہ ہو شہِ ذیجاہ کو شہید
کوئی نہ پنجتن میں رہے یہ مراد ہے
دشمن سوا یزید سے ابنِ زیاد ہے

۱۹

نوجیں اُدھر ہیں یاں نہیں ساماں کارزار
دُنیا نہ ہاتھ میں، نہ ریاست نہ اقتدار
کچھ ہیں عزیز ساتھ تو کچھ ہیں رفیق و یار
حاصل فدک کا بھی نہیں دیتے ستم شعار
اُن کو نظر ہے کچھ نہ ریاست نہ جاہ پر
تکیہ کیا ہے قبرِ رسالت پناہ پر

۲۰

یہ بین کرکے روتی تھی وہ غم کی مبتلا
شیریں خبر نہیں ہے تجھے اس خوشی کی کیا
اتنے میں آن کر کسی عورت نے یہ کہا
ہے شور آمد آمدِ فرزندِ مصطفا
اب داخلہ ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کا
یاں سے قریب اُترا ہے لشکر حسینؑ کا

۲۱

دیکھ آئے لوگ خیمۂ زنگاریِ امام
کہتے ہیں ساتھ آئے ہیں اہلِ حرم تمام
اُس رکنِ دیں نے آج کیا ہے یہیں مقام
ہے زیرِ قلعہ فوجِ حسینی کی دھوم دھام
بستی کے لوگ شہ کی زیارت کو جاتے ہیں
یاں صبح سے ہے شور کہ شبیرؑ آتے ہیں

۲۲

شیریں پکاری اُٹھ کے ترے منہ کے میں نثار
اُس نے کہا غلط نہ کہوں گی میں زینہار
سچ ہے قریب آئے شہنشاہِ نامدار
مژدہ یہ سن کے شاد ہوئی وہ نکو شعار
آنکھوں سے سیلِ اشک جو بہتی تھی رک گئی
مارے خوشی کے خاک پہ سجدے کو جھک گئی

۲۳

سجدے سے اُٹھتے ہی کہے شوہر سے یہ کلام
دعوت کا میں کروں گی تکلف سے اہتمام
آیا مدینے سے مرا آقا مرا امام
بہتر ہو جتنی جلد ہو تیاریِ طعام
کیوں کر خوشی نہ ہوں کہ یہ روزِ سعید ہے
آئے حسینؑ آج مرے گھر میں عید ہے

۲۴

فرزندِ فاطمہؑ کی عنایت کے میں فدا
یہ گھر کہاں کہاں قدمِ ابنِ مرتضاؑ
منظور تھا کنیز کا اعلیٰ ہو مرتبا
آنکھوں کو آج فرش کروں گر تو ہے بجا
بالوں سے اپنے گھر کی زمیں کو بہاروں گی
شہزادیوں پہ آپ کو صدقے اُتاروں گی

۲۵

یہ کہہ کے اُس نے فرش کیا گھر میں سربسر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہِ بحر و بر
مومن کے دل کی طرح مصفا ہوا وہ گھر
تکیوں کو صاف کرکے لگایا ادھر ادھر
کہتی تھی میرے گھر میں ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے

۲۶

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہِ دیں کے برادر کے واسطے
راحت سے شہ نشیں پہ امامِ زمن رہیں
حجرہ یہ اس لیے ہے کہ دولہا دلہن رہیں

۲۷

کرسی کو لا کے جلد کبھی جا بچھاتی تھی
سجدے میں بہرِ شکر کبھی سر جھکاتی تھی
تکیوں کو کشتیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ آتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزندِ فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

۲۸
جاکر کبھی خواصوں سے کرتی تھی یہ کلام
بھر بھر کے آبِ سرد کے رکھ دو ہوا میں جام
کھانے پکاؤ جلد کہ آتے ہیں اب امام
لبریز آبِ گرم کے کر دو سبو تمام
پردیسیوں کو خیر سے جب گھر میں لاؤں گی
ہاتھوں سے اپنے پاؤں سبھوں کے دھلاؤں گی

۲۹
ہمسایوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار
ہے باغِ فاطمہؑ پہ عجب حسنؑ کی بہار
اب دیکھیو زیارتِ سلطانِ نامدار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دیں لاجواب ہیں
قد سروِ باغِ حسن ہیں رخ آفتاب ہیں

۳۰
شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو
کیا نوجواں ہے شہ کے برادر کو دیکھیو
سروِ ریاضِ حضرتِ شبیرؑ کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اس جری میں محمدؐ کے نور کا

۳۱
خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار
بہنیں فدا ہیں باپ تصدق ہے ماں نثار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
سر پر پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہیں چار
چہرے کے آگے نیرِ تاباں بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

۳۲
اب خیریت سے گزرے گا اٹھارواں جو سال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
شادی کریں گی بیٹے کی باذوقِ خوشخصال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہیں نسبتیں طلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہووے گی دھوم سے

۳۳
جب ڈھل گئی اسے انھیں باتوں میں دوپہر
اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہ بحر و بر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اترے کہاں کسی سے مفصل سنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو

۳۴
کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہیں اغنیا غربا پر سوا کرم
لونڈی کو سرفراز کر دیا شہِ اُمم
اب بے حضور چین نہیں مجھ کو ایک دم
کچھ آج ہے طپش سی دلِ بیقرار میں
آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں

۳۵
قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہیں ہے دور
ہم لوگ مشتِ خاک ہیں حضرت خدا کے نور
خاصہ تناول اُن کے اِس جا کریں حضور
ہوگا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور
کہنا حضور راہِ ہدایت کی شمع ہیں
پروانے یاں سحر سے زیارت کو جمع ہیں

۳۶
عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے میں کچھ اگر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر
آنے میں کیوں حرم کے ہوئی دیر اس قدر
گڑوا رکھی ہیں میں نے قناتیں ادھر اُدھر
محمل میں گھٹتی ہوویں گی زہراؑ کی پیاریاں
عباسؑ لے کے آئیں زنانی سواریاں

۳۷

للہ جلد اپنے برادر کو بھیجئے
نورِ نگاہ حضرتِ شبیرؑ کو بھیجئے
ہمراہ اُن کے عترتِ حیدرؑ کو بھیجئے
مشتاق ہوں بہت علی اکبرؑ کو بھیجئے
آئیں تو شاہزادوں پہ اپنے نثار ہوں
عابدؑ کے دیکھنے کے لئے بیقرار ہوں

۳۸

گھر سے خوشی عزیز چلا سُن کے یہ پیام
روکا سپاہیوں نے تو اس نے کیا کلام
پہونچا اُتر کے کوہ سے نزدیک فوجِ شام
میں بھی تمھارے شاہ کا ادنیٰ سا ہوں غلام
ہے اشتیاق فاطمہؑ کے نورِ عین کا
بتلاؤ کس طرف کو ہے خیمہ حسینؑ کا

۳۹

ہنس کر زروئے طعن یہ بولا کوئی شریر
اس ساری فوج کا پسرِ سعد ہے امیر
جا پوچھ ان سے خاک پہ بیٹھے ہیں جو اسیر
وہ سب ہیں رشتہ دار امامِ فلک سریر
خیمہ ادھر نہیں شہِ عالی مقام کا
تجھ کو پتا انھیں سے ملے گا امامؑ کا

۴۰

آگے بڑھا عزیز تو دیکھا یہ اُس نے حال
روتے ہیں مارے بھوک کے اطفالِ خردسال
کچھ بیبیاں ہیں خاک نشیں کھولے سر کے بال
اک نوجوان ضعف کی شدت سے ہے نڈھال
طاقت نہیں جو دھوپ سے آ بیٹھے چھاؤں میں
گردن میں بھاری طوق ہے زنجیر پاؤں میں

۴۱

یہ دیکھ کر عزیز کے آنسو ہوئے رواں
چہرے پہ تو اسیروں کی ہے سب شکوہِ شاں
کی عرض اپنا حال تو کچھ کیجئے بیاں
گردن جھکا کے بولے یہ سجادؑ ناتواں
ہوں گے کبھی امیر یہ اب تو فقیر ہیں
بیکس ہیں بے وطن ہیں یتیم و اسیر ہیں

۴۲

اُس نے کہا بتائیے خادم کو اپنا نام
مضطر عزیز مردہ اسیرِ سپاہ شام
فرمایا رو کے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کنبہ شہید ہو گیا اک دشت میں تمام
قیدی ستم کی فوج میں بچوں سمیت ہوں
میں ساربانِ قافلۂ اہلِ بیت ہوں

۴۳

بولا وہ تب کہ خیمۂ شبیرؑ ہے کدھر
کہنے لگے یہ عابدؑ بیکس بہ چشمِ تر
شیریں کو انتظار میں گذری ہے دو پہر
جا دیکھ لے حسینؑ کا نیزے پہ ہے وہ سر
خنجر گلوئے سبطِ پیمبرؐ پہ چل گیا
رہتے تھے جس میں شاہ سو وہ خیمہ جل گیا

۴۴

دشتِ بلا میں لٹ گیا زہراؑ کا سب چمن
ہے جن کے بازوؤں میں بندھی ظلم کی رسن
جیتا بچا ہوں ایک میں بیمار خستہ تن
بیٹھی ہے ان میں کوئی کوئی شاہ کی بہن
مظلوم ہوں یتیمِ شہِ مشرقین ہوں
عابدؑ ہے میرا نام میں ابنِ حسینؑ ہوں

۴۵

جس دم سُنی عزیز نے ماتم کی یہ خبر
شیریں کھڑی تھی آس لگائے قریبِ در
سر پیٹتا ہوا وہ چلا واں سے اپنے گھر
دھیان اُس کو تھا کہ آتے ہیں سلطانِ بحر و بر
شوہر کو روتے دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
ڈیوڑھی سے پیٹتی ہوئی باہر نکل پڑی

۴۶

چلا کے دی صدا کہ ارے کیسا غضب ہوا
برباد خاندان امیر عرب ہوا
اس نے کہا کہ سانحہ بی بی عجب ہوا
خنجر سے ذبح سبط نبیؐ تشنہ لب ہوا
زینب ہوئی اسیر حسینؑ اس سے چھٹ گئے
یثرب سے آگے راہ میں سجادؑ لٹ گئے

۴۷

میں تجھ سے کیا کہوں کہ جگر میں نہیں ہے تاب
بی بی حسینؑ کو نہ ملا تین روز آب
جو تو بیاں کرتی تھی وہ سچ تھا ترا خواب
لے خاک اڑا کہ ذبح ہوا ابن بوتراب
آتا ہے یاں جو آگے وہ لشکر ہے شام کا
لائے ہیں سر حسین علیہ السلام کا

۴۸

عابدؑ بچا ہے اک سو وہ بے پر اسیر ہے
عاشق تھے جس کے شاہ وہ دختر اسیر ہے
کبریٰ اسیر بانوئے مضطر اسیر ہے
سب اک طرف ہیں شاہ کی خواہر اسیر ہے
نامحرموں میں پردہ آل عبا نہیں
زہراؑ کی بیٹیوں کے سروں پر ردا نہیں

۴۹

شیریں پکاری ٹوٹ گئی ہائے میری آس
کس نے قلم کیا سر شبیرؑ حق شناس
یہ کس کا ذکر کرتا ہے مجھ میں نہیں حواس
ہے ہے ردا نہیں مری شہزادیوں کے پاس
لے چل مجھے کہ روؤں گی اور خاک اڑاؤں گی
رانڈوں میں بیبیوں میں حسینؑ کے پرسے کو جاؤں گی

۵۰

روتی چلی اسیروں کی جانب وہ نوحہ گر
پہونچی قریب رانڈوں کے جس وقت ننگے سر
زیور جو پہنے تھی اسے پھینکا زمین پر
سب پیٹنے لگے حرم شاہ بحر و بر
ماتم کا اہل بیت محمدؐ میں جوش تھا
شیریں کو تھا نہ ہوش نہ بانوؑ کو ہوش تھا

۵۱

شیریں یہ رو کے کہتی تھی بانو سے بار بار
شیریں سے رو کے بولی یہ کبرا جگر فگار
تبلاؤ تم کدھر مری بی بی ہیں میں نثار
کیا کہتی ہے یہی تو ہیں بانوئے نامدار
قیدی ہیں کوکھ اجڑ گئی اور مانگ جل گئی
وارث شہید ہو گیا صورت بدل گئی

۵۲

قدموں پہ گر کے تب وہ پکاری بدرد و غم
پہچانوں کیا کہ بال ہیں بکھرے کمر ہے خم
یہ حال ہو گیا مری بی بی کا ہے ستم
ماتھے سے خون بہتا ہے آنکھوں پہ ہے ورم
چھائے ہیں خاک کے رخ نیکو پہ ہے غضب
نیلے نشاں ہیں چاند سے بازو پہ ہے غضب

۵۳

بانوؑ پکاری کیا کہوں شیریں میں اپنا حال
اکبر جوان تھے علی اصغرؑ تھے خرد سال
زہرا کا باغ ہو گیا مقتل میں پائمال
بے جرم قتل ہو گئے سب میرے نونہال
دونوں کے سر قریں سر شاہ زمن کے ہیں
برچھی کے پھل یہ پھول ہمارے چمن کے ہیں

۵۴

بولی یہ رو کے زینب ناشاد و نامراد
مشہور تو ہے اہل وفا اور خوش اعتقاد
شیریں یزید کو شہ بیکس سے تھا عناد
بھولی کبھی نہیں مرے بھائی کو تیری یاد
ہم سب کو ساتھ لے کے جو تشریف لائے ہیں
مر کر حسینؑ وعدہ وفائی کو آئے ہیں

۵۵

یہ سن کے دوڑی جانب نیزہ وہ ننگے سر
تب دونوں ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ نوحہ گر
نیزے پہ آفتاب سا آیا اُسے نظر
لونڈی نثار آپ کے یا شاہ بحر و بر
ندی لہو کی چاند سی گردن سے بہہ گئی
لونڈی کو نہانی کی حسرت ہی رہ گئی

۵۶

اس خوں بھرے ہوئے رُخِ انور کے میں نثار
آنکھوں کے صدقے زلفِ معنبر کے میں نثار
نیلے ہیں اب تلک لبِ اطہر کے میں نثار
اے مصطفیٰ کے لال ترے سر کے میں نثار
کیا بن گئی حضور کہاں کربلا کہاں
نیزے کی نوک ہائے کہاں یہ گلا کہاں

۵۷

مجھ سے تو عورتوں نے کہا تھا یہ آن کر
آراستہ کیا تھا خوشی سے تمام گھر
آتے ہیں آج گھر میں ترے شاہ بحر و بر
یوں آپ آئیں گے مجھے اس کی نہ تھی خبر
بالوں سے جو خاک اُڑاتی ہوئی گھر میں جاؤں گی
اب فرش اُٹھا کے میں صفِ ماتم بچھاؤں گی

۵۸

اعجاز سے یہ دی سرِ شبیرؑ نے صدا
وعدہ جو تجھ سے تھا اُسے ہم نے ادا کیا
شیریں نہ رو کہ تھا یہی منظورِ کبریا
لازم تجھے یہ ہے کہ غریبوں کے پاس جا
پرسا ہمارا زینبؑ عالی ہمم کو دے
دعوت ہے بس یہی کہ ردائیں حرم کو دے

۵۹

پایا نہیں کفن تو کچھ اس کا نہیں اَلم
شیریں کسی بشر پہ یہ ہوتا نہیں ستم
زینبؑ ہے بے ردا ہمیں اس کا بہت ہے غم
مقتل میں تین روز کے پیاسے ہوئے ہیں ہم
ماتم میں میرے نالہ و فریاد کیجیو
جب پانی دیجیو تو مری یاد کیجیو

۶۰

یہ کہہ کے جھک گیا سوئے شیریں سرِ حسینؑ
بس اے انیسؔ آگے نہ کہہ بیبیوں کے بَین
غل پڑ گیا کہ ہائے شہنشاہ مشرقین
راحت جگر کو ہے کوئی ساعت نہ دل کو چین
دنیا میں کیا کسی کا مقدر سے زور ہے
شیریں تو ہے کلام مگر بخت شور ہے

رباعی

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
بے شبہ یہ اندوہ و اَلم کے دِن ہیں
کیوں کر نہ کریں شیعہ قیامت برپا
بے سر ہوئے شبیرؑ ستم کے دِن ہیں

رباعی

دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں
خوشنود شہِ تشنہ جگر ہو جائیں
موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک
حضرت کو جو منظورِ نظر ہو جائیں

رباعی

سجادؑ حزیں شغلِ بُکا رکھتے ہیں
تر اشکوں سے رُخسار سدا رکھتے ہیں
بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب
یادِ عطشِ شاہِ ہُدا رکھتے ہیں

رباعی

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے
دُنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اک جسم میں کس طرح سمائیں دونوں
غافل یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

رباعی

اُس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے
اب جائیں کہاں اجل کے بس میں آئے
مر کر نکلے تو کنجِ مرقد پایا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

رباعی

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر
دنیا سے انیسؔ اب تو بیزاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید
ہے صبحِ اجل کوچ کی تیاری کر

مرثیہ ۱

اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ
خوشنودیٔ خالق کے طلبگار تھے شبیرؑ
دریائے وفا کے دُرِ شہوار تھے شبیرؑ
اقلیم صداقت کے جہاندار تھے شبیرؑ
چاہا جو خدا نے وہی چاہا شہِ دیں نے
کیا وعدۂ طفلی کو نباہا شہِ دیں نے

۲

تھا قول کا صادق پسرِ مخبرِ صادق
کیوں خوش نہ ہو اس طرح کی مخلوق سے خالق
معشوق خدا وہ تو یہ اللہ کا عاشق
بچپن سے رہے حق کی ملاقات کے سائق
فرماتے تھے تن سر یہ امانت ہے خدا کی
یہ قرض ادا ہو تو عنایت ہے خدا کی

۳

سر دینے کا اقرار کیا تھا جو خدا سے
سر نذر خدا کر دیا تسلیم و رضا سے
آپ آئے کٹانے کو گلا تیغ جفا سے
پانی نہ کبھی روز پیا مر گئے پیاسے
وعدہ فقط اک سر کا تھا درگاہ خدا میں
حضرت نے بہتّر دئے سر راہ خدا میں

۴

محتاجوں کی دعوت تھی یتیموں کی مدارات
کیا بات کے پورے تھے شہنشاہ خوش اوقات
تھا وعدہ وفائی کا خیال آپ کو دن رات
فرق اس میں نہ آیا جو کبھی منھ سے کہی بات
اس طرح کے صادق کبھی دیکھے ہیں کسی نے
مر کر کیا وعدے کو وفا سبطِ نبیؐ نے

۵

شیریں رقمانِ صحفِ حسنِ بلاغت
زینت دہ بیت الشرف خاص تھے حضرت
اس طرح رقم کرتے ہیں شیریں کی روایت
اور سامنے تھی شیریں بھی حاضر پئے خدمت
بانو سے جو مانوس شہنشاہ زمن تھے
کچھ پیار کی باتیں تھیں محبت کے سخن تھے

۶

شیریں پہ جو حضرت کی نظر جا پڑی اک بار
خوش چشم ہے کس مرتبہ شیریں خوش اطوار
بانو سے یہ بولے بہ تبسم شہِ ابرار
اس طرح کی آنکھیں کبھی دیکھی نہیں زنہار
فرمائی جو یہ بات شہنشاہِ اُمم نے
منھ موڑ لیا سر دُخترِ سلطان عجم نے

۷

سوچی کہ یہ میلان شہِ جن و بشر ہے
پھر دل سے کہا عاشقِ صادق تو اگر ہے
کی آنکھوں کی تعریف تو منظور نظر ہے
معشوق جو راضی ہو تو کیا اس میں ضرر ہے
فرزند نبیؐ ابنِ شہنشاہِ نجف ہے
شیریں کی کنیزی میں مجھے دیں تو شرف ہے

۸

یہ کہتی ہوئی واں سے وہ اک حجرے میں آئی
شانہ کیا، سرمہ کیا، پوشاک پنھائی
شیریں کو اشارے سے بلا لی بلا لائی
حیرت ہوئی شیریں کو تو یہ بات سنائی
کھلتا نہیں کچھ مجھ پہ یہ اسرار میں صدقے
کیوں کرتی ہو لونڈی کو گنہگار میں صدقے

۹

وہ بولی کہ میں نے تجھے بچپن سے ہے پالا
اب تجھ پہ پڑی ہے نظر سید والا
آزاد کیا سب کو یہ تجھ کو تہ بالا
رتبہ ترا شہزادیوں سے اب ہے دوبالا
جو کچھ تری خدمت کروں واللہ وہ کم ہے
لونڈی تری اب دُخترِ سلطانِ عجم ہے

۱۰

آراستہ جب ہو چکی شیرین وفادار
بانو گئی واں بیٹھے تھے جس جا شہ ابرار
کی عرض کہ لونڈی کا فدا آپ پہ گھر بار
کچھ کہنا ہے اٹھیئے تو کروں حال وہ اظہار
شہ سمجھے گلہ ہوگا دل افسردہ ہے بانو
تعریف پہ شیریں کی کچھ آزردہ ہے بانو

۱۱

اٹھ کر گیا زہرا کا پسر بانو کے ہمراہ
پردہ جو اٹھا حجرے کا کیا دیکھتے ہیں شاہ
ہے موتیوں میں شیریں ستاروں میں ہو جوں ماہ
فرمانے لگے بانو سے ہنس کر شہ ذی جاہ
جو کچھ ہو تم اس کا تجھے دہیان نہیں ہے
جب تم سی ہو بی بی تو کچھ ارمان نہیں ہے

۱۲

بانو نے کہا صدقے میں اے سرور والا
کچھ لونڈی کی آزردگی کا دھیان نہ کرنا
حاضر ہے یہ میں نے یہ دل و جاں اسے بخشا
فرمانے لگے تب یہ شہ یثرب و بطحا
تم نے تو دیا ہم کو کہ صادق ہو وفا میں
ہم نے اسے آزاد کیا راہ خدا میں

۱۳

بانو نے سنی جب شہ والا کی یہ گفتار
خوش ہو کے پھری گرد محبت سے کئی بار
اور اس کو دیا زیور و زر درہم و دینار
حضرت نے کہا اس کا سبب کیا مری غمخوار
اوروں کو نہ اتنا زر و زیور دیا تم نے
شیریں سے یہ الفت کہ غنی کر دیا تم نے

۱۴

بانو نے کہا ان سے ہو کیوں کر یہ برابر
آزاد کیا تھا انھیں میں نے مرے سرور
ہر چند کہ سلطان عجم کی ہوں میں دختر
پر فاطمۂ زہرا کی کنیزوں سے ہوں کمتر
خود صدقے ہوں شیریں پہ اگر میں تو بجا ہے
فرزند نبیؐ نے اسے آزاد کیا ہے

۱۵

شیریں کے یہ سن کر ہوئے اشک آنکھوں سے جاری
لیں ہاتھوں سے بانو کی بلائیں کئی باری
سجادؑ کو لے گود میں بولی کہ میں واری
اب تم سے جدا ہوتی ہے یہ لونڈی تمھاری
خط بھیج کے اپنا مرا دل شاد کرو گے
اس پالنے والی کو کبھی یاد کرو گے

۱۶

صدقے گئی خدمت کو مری بھول نہ جانا
جب ہونے لگے بیاہ تو لونڈی کو بلانا
پھرا مجھے اس چاند سی صورت یہ دکھانا
اس سمت سفر ہو تو مرے گھر میں بھی آنا
نزدیک جو آنے کی خبر پاؤں گی واری
چھاتی مری ٹھنڈے گی میں آپ آؤں گی واری

۱۷

پھر پاؤں پہ سر حضرت زینبؑ کے جھکایا
شفقت سے گلے شاہ کی خواہر نے لگایا
جب آپ کو اس نے قدم شہ پہ گرایا
سب روتے تھے حضرت کو بھی رونا بہت آیا
مولا کے نہ قدموں سے جدا ہوتی تھی شیریں
نعلین سے منہ ملتی تھی اور روتی تھی شیریں

۱۸

کہتی تھی یہ جانا ہے جہاں سے مرا جانا
ان قدموں سے چھوٹی تو کہاں میرا ٹھکانا
فرماتے تھے شبیرؑ کہ یہ دھیان نہ لانا
ہم آئیں گے اک ایسا بھی ہووے گا زمانا
کچھ کر نہ کریں اپنا یہ دستور نہیں ہے
نزدیک ہے تو دل سے تو کچھ دور نہیں ہے

۱۹
لے لے کے بلائیں کہا شیریں نے کہ یا شاہ
اب عرض یہ لونڈی کی ہے اے سرورِ ذیجاہ
اچھا ہے تعلق مجھ کو خدا اس سے ہے آگاہ
آپ آئیں تو ناموس بھی ہوں آپ کے ہمراہ
فرمایا نہ کڑھ پورے سب ارماں ترے ہونگے
ہم ساتھ حرم کو لیے مہماں ترے ہوں گے

۲۰
یہ بات تو فرمائی پہ رونے لگے حضرت
کچھ لوگ کیے ساتھ کہ پہونچے بہ حفاظت
آخر مع اسباب کیا شیریں کو رخصت
محمل میں وہ چڑھ کر گئی باعزت و حُرمت
تھا پاس کنیزوں کا یہ جس شاہِ اُمم کو
ملعونوں نے بے پردہ کیا اُسکے حرم کو

۲۱
اک کوہ پہ تھا قلعہ کہ گھر اس کا تھا اس جا
تھا ایک یہودی کہ وہ طالب ہوا اُس کا
واں پہونچی تو شیریں کے ہوا حسن کا چرچا
شیریں نے سُنا جب تو پیام اس کو یہ بھیجا
اگر ہے مرے وصلت کی تمنا ترے جی میں
تو کفر کو تو چھوڑ کے آ دینِ نبیؐ میں

۲۲
پڑھ کر کلمے کو ہوا وہ دل سے مسلماں
آباد یہودی کا ہوا خانۂ ویراں
عقد اس سے ہوا ہاتھ لگی دولتِ ایماں
وہ دونوں بہم رہنے لگے خرم و خنداں
شیریں کو محبت تھی زبس آلِ نبیؐ کی
تھی آٹھ پہر یاد حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۲۳
کہتی تھی کہ یارب مرا گھر شہ کو دکھانا
شبیرؑ ادھر کو کہیں جلدی ہوں روانا
وہ دن ہو کہ ہو زینبؑ و کلثوم کا آنا
اس لونڈی پہ اب شاق ہے تشریف نہ لانا
آقا مرے کیا جانیے کب آئیں گے ادھر کو
پھر بھی دیکھوں گی میں زہراؑ کے پسر کو

۲۴
کہتی کبھی بیٹھ کے ہمسایوں سے باہم
خاتون قیامت ہے جو مخدومۂ عالم
آویں گے مدینے سے یہاں سیدِ اکرم
اب بیٹیوں سے اُن کی ملادیں گے تمھیں ہم
احمدؐ کی زیارت شہِ والا کی ملاقات
زینبؑ کی ملاقات ہے زہراؑ کی ملاقات

۲۵
اے بیبیو! آقا ہے مرا صادق الاقرار
زہراؑ کے چمن سے یہ مکاں ہووے گا گلزار
آنے کو کہا ہے مرے گھر آئیں گے اک بار
فرزند نبیؐ کا تمھیں دکھلائیں گے دیدار
آنکھیں قدمِ سبطِ پیمبرؐ پہ ملیں گے
ہم دور تلک لینے کو مولا کے چلیں گے

۲۶
رہتا تھا یہی اس کو تردد سحر و شام
جو میوے تھے مرغوبِ امامِ ذوی الاکرام
اندوختہ کرتی تھی ضیافت کا سرانجام
اُن میووں کو منگواتی تھی دے دے کے وہ انعام
شوہر کوئی تحفہ جو اسے دیتا تھا لاکر
حضرت کے لئے رکھتی وہ کشتی میں لگا کر

۲۷
تھا دھیان کہ آویں گے سفر سے شہِ والا
دن ڈھلتا تو شوہر سے یہ کرتی تھی تقاضا
کورے گھڑوں میں پانی بھرا رکھتی تھی ٹھنڈا
شہ آتے نہ ہوں شہر کے ناکے پہ ذرا جا
آمد ہو اگر لشکرِ حضرت کی ادھر سے
میں بھی چلوں شہزادیوں کے لینے کو گھر سے

۲۸

یہ شہ کے ہے لشکر کا نشاں اور یہ آثار
ہو ویں گے عزیز و رفقا گھوڑوں پہ اسوار
ملبوس رسول عربی ہووے گا بر میں
آگے علم سبز لئے ہو گا علمدار
اور بیچ میں ہو گا خلف حیدر کرار
تیغ اسد اللہ لگی ہو گی کمر میں

۲۹

ناموس کی کچھ فاصلے سے ہو گی سواری
ہودج میں سوار آئے گی شہزادی ہماری
آگے یہ نقیبوں کا سخن ہووے گا سب سے
آوے گی نظر حضرت زینبؑ کی عماری
اور محملوں میں ہوئیں گی سیدانیاں ساری
خاموش چلے جاؤ تفاوت سے ادب سے

۳۰

حضرت کا تصور تھا ادھر شیریں کو دن رات
دستور سے جہاں کی کرتے ہیں مدارات
دسویں کو محرم کی لڑے شاہ امم سے
واں کوفے کو یثرب سے گئے شاہ خوش اوقات
سو فاطمہ کے لال کی پوچھی بھی نہ کچھ بات
سرکاٹ لیا پیاسے کا شمشیر دو دم سے

۳۱

جب قتل ہوا حضرت زہراؑ کا وہ پیارا
در گوش سکینہؑ سے لعینوں نے اتارا
یہ ظلم تھا ناموس شہ جن و بشر پر
سیدانیاں قیدی ہوئیں گھر لٹ گیا سارا
روئی وہ تو جھنجھلا کے طمانچہ اسے مارا
منہ ڈھانپنے کو تھی نہ ردا ایک کے سر پر

۳۲

گھر آگ سے خاتون قیامت کا جلایا
سر سید مظلوم کا نیزے پہ چڑھایا
دس اپنے تو لاشے کئے رانڈوں کو دکھا کے
شہزادیوں کو ناقۂ عریاں پہ بٹھایا
اور طوق گراں گردن عابدؑ میں پنھایا
بے غسل و کفن رہ گئے لاشے شہدا کے

۳۳

جب لے چلے مقتل سے اسیروں کو کھلے سر
اے ظالمو ٹھہراؤ مرے اونٹ کو دم بھر
پاؤں گی نہ پھر لاش شہ تشنہ دہن کو
سر پیٹ کے چلانے لگی زینبؑ مضطر
ہوتے تن شبیر سے رخصت تو یہ خواہر
رو لینے دو بھائی کے گلے مل کے بہن کو

۳۴

بانو نے کہا اونٹ کو میرے بھی بٹھا دو
بچھڑے ہوئے فرزند کو مادر سے ملا دو
فرقت نے اسیری کی مجھے بے چین کیا ہے
لوگو مجھے لاشہ علی اکبرؑ کا دکھا دو
اصغر کو بھی لاکر مری چھاتی سے لگا دو
بچے نے مرے دودھ نہیں کل سے پیا ہے

۳۵

زینبؑ سے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
تب لاش کو بھائی کے پکاری وہ دل افگار
حضرت کی زیارت مجھے کرنے نہیں دیتے
منزل ہے کڑی اونٹ نہ یاں ٹھہرے گا زنہار
بے بس ہے بہن اے خلف حیدر کرار
اشتر سے جفاکار اترنے نہیں دیتے

۳۶

لاش شہ مظلوم سے آواز یہ آئی
تم کیا کرو لکھی ہے مقدر میں جدائی
اب تم ہو بہن اور اسیری کی جفا ہے
بھینا تری مظلومی کے صدقے ہو یہ بھائی
جاؤ تمہیں دے قید سے اللہ رہائی
ہم ہیں یہ بیاباں ہے اور یاد خدا ہے

۳۷
سُن کر یہ صدا کرنے لگیں بیبیاں فریاد
نیزے کو دکھا بولا یہ شمرِ ستم ایجاد
نزدیک تھا اشتر سے گرے زینبِؑ ناشاد
اونٹوں کو بڑھا جلد اب اے سیّدِ سجادؑ
بن آیا نہ کچھ سیّدِ بے کس کے پسر کو
تسلیم بندھے ہاتھوں سے کی جھک کے پدر کو

۳۸
اونٹوں کو چلا کھینچتا عالم کا خوزادہ
اسوار تھے گھوڑوں پہ لعیں اور وہ پیادہ
صدمے سے ہوئی شدّتِ تپ اور زیادہ
جب ضعف سے کرتے تھے ٹھہرنے کا ارادہ
شانوں پہ سنانوں کو جھکاتے تھے ستمگر
بیمار کو کھینچے لیے جاتے تھے ستمگر

۳۹
اونٹوں پہ نبیؐ زادیاں تھیں گردنیں ڈالے
عابدؑ تھے بندھے ہاتھوں سے زنجیر سنبھالے
اور پیاس سے بچے تھے زبانوں کو نکالے
دل میں بھی پھپھولے تھے کفِ پا میں بھی چھالے
منزل پہ اُتر کر بھی نہ سوتے تھے سحر تک
بابا کے لئے شام سے روتے تھے سحر تک

۴۰
اعدا تو لگاتے تھے زمیں جھاڑ کے بستر
بھر بھر کے گھڑے رکھتے تھے پانی کے ستمگر
تیاری میں کھانے کی اُدھر اہلِ ستم تھے
اور خاک پہ گر رہتے تھے ناموسِ پیمبرؐ
یاں پھیرتے تھے پیاسے زبانوں کو لبوں پر
فاقوں کے سبب قیدیوں کے ہونٹوں پہ دم تھے

۴۱
جب طے اسی صورت سے ہوئیں منزلیں دو چار
اک راہ سوئے دشت تھی اک جانبِ کہسار
اک جا پہ دوراہہ ہوا رستے میں نمودار
صحرا کو چلے لے کے سرِ شاہ ستمگار
پہونچا جو دوراہے کے قریں رک گیا نیزہ
جس سمت کو تھا کوہ اُدھر جھک گیا نیزہ

۴۲
گھبرا کے لگے کہنے یہ عابدؑ سے ستمگار
فرمانے لگے رو کے یہ تب عابدِؑ بیمار
رکنے کا سرِ شاہ کے ظاہر کرو اسرار
ہے مخبرِ صادق کا پسر صادق الاقرار
اعجاز ہوا یہ جو سرِ سبطِ نبیؐ سے
اس راہ میں مہمانی کا وعدہ ہے کسی سے

۴۳
یہ سن کے اسی سمت چلے سب ستم آرا
شیریں سے کہا جا کے کسی نے یہ قضا را
لشکر کا ہوا کوہ کے دامن میں اُتارا
آیا مع لشکر اسد اللہ کا پیارا
ناموس بھی ہمراہ ہیں اور بھیڑ بڑی ہے
جنگل میں کئی کوس تلک فوج پڑی ہے

۴۴
اس مژدہ کو سنتے ہی جو خوش ہو گئی شیریں
صد شکر کہ خالق نے نہ رکھا مجھے غمگیں
بولی کہ ہوئی اب دلِ بے تاب کو تسکیں
وعدہ جو کیا تھا اسے بھولے نہ شہِؑ دیں
اب چل کے قدم بر شہِ والا کے گروں گی
دن میرے پھرے گرد میں آقا کے پھروں گی

۴۵
عوراتِ محلّہ کو بلا کر یہ سنایا
یہ روز مبارک مجھے قسمت نے دکھایا
دو تہنیت اے بیبیو! آقا مرا آیا
اب عرش کے پائے سے ہے بڑھ کر مرا پایا
کونین میں ممتاز کیا شاہِ زمن نے
لونڈی کو سرافراز کیا شاہِ زمن نے

۴۶
سب نے کہا خوش ہو کے ہمیں بھول نہ جانا
شہزادی کا اپنی ہمیں دیدار دکھانا
ہم کو بھی بہن حضرت زینبؑ سے ملانا
قسمت سے ہوا فاطمہؑ کے لال کا آنا
حضرت کی سواری کا حشم دیکھیں گے ہم بھی
سردار دو عالم کے قدم دیکھیں گے ہم بھی

۴۷
عباس علی کے قد و قامت کے ہیں مشتاق
زینبؑ کے جگر بندوں کی صورت کے ہیں مشتاق
اور قاسم مہرو کی بھی طلعت کے ہیں مشتاق
ہم شکل پیمبرؐ کی زیارت کے ہیں مشتاق
گلرو ہے کوئی ان میں کوئی غنچہ دہن ہے
کہتے ہیں بڑے حسن یہ زہراؑ کا چمن ہے

۴۸
تھی شیریں تو اس ذکر سے پھولے نہ سماتی
یہ کہہ کے کبھی صحن کے دروازے پہ جاتی
کرسی کو کہیں اور کہیں مسند کو بچھاتی
دیکھ آؤں سواری تو نہیں شاہ کی آتی
دعوت کا سرانجام تو تیار ہوا ہے
کیوں دیر لگی فاطمہؑ کے لال کو کیا ہے

۴۹
مطبخ میں تقید کبھی کرتی تھی یہ جا کر
شربت بھی بناؤ کہ مسافر پئیں آ کر
کھانے کے رکھو خوان قرینے سے لگا کر
حجرے میں رکھیں نذر کی سب کشتیاں لا کر
کہتی تھی تصدق نہ اتاروں گی میں پہلے
شہزادیوں پر آپ کو واروں گی میں پہلے

۵۰
دن ڈھل گیا اور جب نہ ہوئی آمد سرورؑ
جا دیکھ تو اترا ہے کہاں شاہ کا لشکر
شوہر سے کہا اب تو نہایت ہوں میں مضطر
کہیو قدم پاک کو آنکھوں سے لگا کر
شیریں کی یہ ہے عرض کہ اب آئیے مولا
لونڈی کو قریب آ کے نہ ترسائیے مولا

۵۱
مدت میں بر آئی ہے مرے دل کی تمنا
آپ آئیں یہ ہر چند نہیں ہے مرا رتبا
صدقے گئی نوش آج یہیں کیجئے کھانا
عزت مگر اس لونڈی کی ہو جائے گی شاہا
روشن مرا گھر کیجئے گر فیض قدم سے
کچھ دور نہیں آپ کے الطاف و کرم سے

۵۲
یہ سن کے چلا شوہر شیریں طرف شاہ
فوج اتری نظر آئی اسے دور سے ناگاہ
پوشاکیں بدل اہل محلہ ہوئے ہمراہ
نزدیک جو پہونچا وہ شہ دیں کا ہوا خواہ
لشکر میں عجب طرح کا عالم نظر آیا
شادی کہیں دیکھی کہیں ماتم نظر آیا

۵۳
جس جا پہ تھا خیمہ عمر سعد کا برپا
کب ہوگا بر آمد پسر فاطمہؑ زہرا
واں جا کے یہ ڈیوڑھی کے نگہبانوں سے پوچھا
فرماتے ہیں آرام کہ بیدار ہیں مولا
گر اتنی خبر کر دو تو احسان بڑا ہے
اک تازہ غلام آپ کا مجرے کو کھڑا ہے

۵۴
گر یہ نہ ہو تو شہ کے رفیقوں سے ملا دو
سجادؑ کو اور عونؑ و محمدؑ کو بلا دو
عباسؑ علمدار کے خیمے کا پتہ دو
ہم شکل پیمبرؐ کی مجھے شکل دکھا دو
بتلاؤ قسم تم کو رسول عربی کی
ڈیوڑھی ہے کدھر خیمۂ ناموس نبیؐ کی

۵۵

وہ بولے کہ اے شخص کدھر دھیان ہے تیرا
یہ شام کی ہے فوج یہ خیمہ ہے عمر کا
اس حال کی شاید نہیں تجھ کو خبر اصلا
مدت ہوئی مارا گیا لخت دل زہرا
اب گھر ہے کہاں سبط رسول عربی کا
خیمہ تو جلا آئے حسینؑ ابن علیؑ کا

۵۶

مارے گئے سادات ہوئی فتح لڑائی
عباسؑ نے اک بوند بھی پانی کی نہ پائی
تصویر نبیؐ صفحۂ ہستی سے مٹائی
لوٹی گئی سب شیر الٰہی کی کمائی
کوئی نہ رہا خویش شہ جن و بشر میں
گھر فاطمہؑ کا صاف کیا تین پہر میں

۵۷

کر لائے ہیں ناموس محمدؐ کو گرفتار
دفن ان کو کیا یاں کے جو مارے گئے سردار
ہے قید میں حضرت کا پسر عابدؑ بیمار
بے سر ہے پڑی دشت میں لاش شہ ابرار
بند آنکھیں ہیں لب خشک ہیں منھ خوں سے بھرے ہیں
وہ دیکھ لے سر نیزوں کی نوکوں پہ دھرے ہیں

۵۸

سیدانیاں بیٹھی ہیں وہ چہروں پہ ملے خاک
وہ بانوئے بیکس ہے گریباں کئے چاک
زینبؑ ہے وہی ماتمی پہنے ہوئے پوشاک
بیٹھی ہے وہ کلثوم بہن شاہ کی غمناک
کبرا ہے وہ زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
وہ بالی سکینہؑ ہے جو روتی ہے پدر کو

۵۹

یہ سنتے ہی سینے میں جگر پھٹ گیا اس کا
دے ٹپکا عمامے کو گریبان کو پھاڑا
تھرانے لگا بید کے مانند سراپا
کہتا تھا یہ کیا ہو گیا وا حسرت و دردا
میں لینے کو آیا تھا نہ پایا شہ دیں کو
تقدیر نے جیتا نہ دکھایا شہ دیں کو

۶۰

شیریں جو تھی یاں منتظر سبط پیمبر
دیکھا کہ چلا آتا ہے سر پیٹتا شوہر
رونے کا جو اک شور سنا ہو گئی ششدر
ڈیوڑھی سے سراسیمہ نکل آئی کھلے سر
چلا کے کہا کس نے تمھیں لوٹ لیا ہے
جلدی ارے لوگو کہو یہ ماجرا کیا ہے

۶۱

سر پیٹ کے تب شوہر شیریں یہ پکارا
زہرا کا پسر خلق سے جنت کو سدھارا
بی بی ترے آقا کو ستمگاروں نے مارا
سادات کا تو قافلہ لوٹا گیا سارا
بھیجا تھا جہاں تو نے وہ لشکر ہے شقی کا
سر کاٹ کے لائے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا

۶۲

تو منتظر اب کس کی ہے کون آئے گا بی بی
شیریں نے کہا پیٹ کے سر کوٹ کے چھاتی
عابدؑ ہے سو بیمار ہے رانڈیں ہیں سو قیدی
ہے ہے مرے سید مرے آقا مرے والی
لٹوا کے گھر اور تیغ سے کٹوا کے سر آئے
فرمایا تھا آؤں گا سو یوں میرے گھر آئے

۶۳

یہ کہہ کے چلی پیٹتی اور دیتی دہائی
یکبار خبر آنے کی شیریں کے جو پائی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
زینبؑ نے کہا ہائے سلامت نہیں بھائی
پرسے کو وہ آئی ہے سو یاں گھر بھی نہیں ہے
منھ کاہے سے ہم ڈھانپیں کہ چادر بھی نہیں ہے

۶۴
یہ کہتی تھی زینب کہ وہ آ پہونچی کھُلے سر
شیریں کا یہ تھا حال کہ گرتی تھی وہ مضطر
سب اُٹھ کے لگے پیٹنے ناموسِ پیمبر
بانوؑ کے قدم پر کبھی زینبؑ کے قدم پر
چلّاتی تھی ہے ہے شہِ ذیجاہ کو مارا
کس جرم پہ اعدا نے مرے شاہ کو مارا

۶۵
کیا فاطمہؑ کے لال سے ایسی ہوئی تقصیر
فریاد ہے بے پردہ ہوئے صاحبِ تطہیر
کیوں حلقِ شہِ دیں پہ چلی ظلم کی شمشیر
ہے ہے مرا شہزادہ ہے پہنے ہوئے زنجیر
گودی بھری اولاد سے خالی ہوئی ہے ہے
بی بی مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے

۶۶
یہ کہہ کے پچھاڑیں کبھی کھاتی تھی وہ مضطر
جس نیزہ پہ آلودۂ خوں تھا سرِ سرور
ہاتھوں سے کھڑی ہو کے کبھی پیٹتی تھی سر
واں جاتی تھی اور کہتی تھی یوں ہاتھ اُٹھا کر
تھی میں تو قدم دیکھنے آئی مرے مولا
لونڈی کو یہ کیا شکل دکھائی مرے مولا

۶۷
آقا تری اس خوں بھری تصویر کے واری
اس بین سے شیریں نے جو کی گریہ وزاری
میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے تمھاری
نیزے پہ سرِ شاہ کے آنسو ہوئے جاری
پیدا یہ لبِ خشک سے حضرت کے صدا تھی
کیوں روتی ہے شیریں یہی مرضی خدا تھی

۶۸
صد شکر کہ ہم تجھ سے ہوئے صادق الاقرار
فاقے سے کئی روز کے ہے عترتِ اطہار
دعوت ہے ہماری یہی اے مونس و غم خوار
اور پیاس سے مرتی ہے سکینہؑ مری دلدار
دشمن کے بھی بچوں پہ نہ یوں فاقہ کشی ہو
پانی اسے پلوا کہ مری روح خوشی ہو

۶۹
یہ تین برس کا تو سن اور تشنہ دہانی
ہر بار گھڑکتے ہیں اسے ظلم کے بانی
ہو جاتی ہے غش مانگتے ہی مانگتے پانی
کیا ضد ہے کہ بچوں کے بھی ہیں دشمنِ جانی
کی جاتی نہیں بات بھی اُس تشنہ دہن سے
ننھا سا گلا شمر نے باندھا ہے رسن سے

۷۰
زینبؑ کی خبر لے کہ ہے قیدی مری خواہر
ہے خاک سے کبرٰا نے چھپایا سرِ انور
بنتِ اسداللہ کے سر پر نہیں چادر
شہزادی تری آج ہے بلوے میں کھُلے سر
احسان کا یہ وقت ہے عبرت کی یہ جا ہے
وہ قیدی ہے جس نے تجھے آزاد کیا ہے

۷۱
سیدانیوں کو چادریں کچھ لا کے اُڑھا دے
راضی ہوں نبیؐ صاحبِ تطہیر دُعا دے
رانڈوں کی مدد کر کہ خدا تجھ کو جزا دے
محشر میں تجھے حلّۂ فردوس خدا دے
بے وارث و والی ہیں گرفتارِ بلا ہیں
محتاجِ کفن ہم ہیں یہ محتاجِ ردا ہیں

۷۲
سن کر یہ سخن زینبِ دلگیر پکاری
یاد آئی مصیبت تمھیں اے عاشقِ باری
ان باتوں کے صدقے میں اس آواز کے واری
شیریں سے سناں پر بھی سفارش ہے ہماری
ہم تشنہ دہن ذبح ہوئے مجھ کو یہ غم ہے
اور آپ کو بھیا کی اسیری کا الم ہے

۷۳

جیتی ہے بہن کس لئے کڑھتے ہو برادر
گردن پہ تو بھینا کی پھرایا نہیں خنجر
تن پر تو ہے سر گو مرے سر پر نہیں چادر
لاشہ تو مرا دھوپ میں جلتا نہیں دن بھر
غم کھاؤ نہ چادر جو نہیں پاتی ہوں بھائی
بالوں سے تو منھ ڈھانپ کے چلی جاتی ہوں بھائی

۷۴

زینب تو یہ کہتی تھی سر شاہ سے رو کر
ان آنکھوں کی تعریف کیا کرتے تھے اکثر
چلاتی تھی شیریں کہ میں صدقے ترے سرور
کیوں ہو گئے کور مرے دیدۂ انور
ہوتیں نہیں سیر آپ کے دیدار سے آنکھیں
لاؤں تو ملوں چاند سے رخسار سے آنکھیں

۷۵

اللہ رے اعجاز سر سید ابرار
شیریں کے کف دست ہوئے مطلع انوار
اس خادمہ کے ہاتھوں پہ بس آ گیا اک بار
ہاتھوں سے ضیائے ید بیضا تھی نمودار
سب دیکھ کے شہ کے رخ روشن کی تجلی
کہتے تھے یہ ہے وادیٔ ایمن کی تجلی

۷۶

آنکھوں سے لگا کر کہا شیریں نے سر شاہ
پھر جا کے عمر سے کہا مت روک مری راہ
صدقے میں اس اعجاز کے اے سرور ذی جاہ
گھر تک سر سرور مجھے لے جانے دے واللہ
خدمت حرم شہ کی مجھے مد نظر ہے
لے مجھ سے زر و مال اگر طالب زر ہے

۷۷

لونڈی ہوں میں آقا ہے مرا یہ شہ عالم
شب بھر مرے گھر میں رہیں سیدانیاں بہم
بیٹھوں گی سر و سینہ بچھا کر صف ماتم
پھر صبح کو لے لیجو سر سید اکرم
دن سخت بہت گردش ایام سے گذرے
اک رات تو مظلوموں پہ آرام سے گذرے

۷۸

لالچ میں ہو زر کی رضامند وہ غدار
سب قیدیوں کو لے گئی گھر میں وہ دل افگار
منگوا دیا شیریں نے اسے توڑۂ دینار
اور رکھ دیا مسند پہ سر سید ابرار
حلقے میں حرم کے سر شیریں تو کھلا تھا
غل ہائے حسینا کا تھا اور شور بکا تھا

۷۹

چلاتی تھی بانو مرے سید مرے سرور
لپٹی ہوئی کہتی تھی سر شاہ سے خواہر
شیریں کے گھر آئے مجھے اصطبل سے لیکر
مہماں بہن آئی ہے سر پہ نہیں چادر
غیرت سے موئی جاتی ہے صدمہ ہے بہن پر
ثابت نہیں کرتا ہے سکینہ کے بدن پر

۸۰

جب رونے سے فارغ ہوئے وہ شہ کے عزادار
رو رو کے یہ کی سید سجادؑ سے گفتار
شیریں نے چنے خوان طعام ان کے اک بار
کھانے یہ کئے تھے شہ دیں کے لئے تیار
سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی
ان کھانوں پہ دو فاتحہ شاہ شہدا کی

۸۱

یہ سن کے اٹھے روتے ہوئے عابدؑ ناکام
جب دینے لگے فاتحہ شاہ خوش انجام
پانی کے بھی شیریں نے کئی بھر کے رکھے جام
یہ جوش تھا رقت کا کہ تھراتا تھا اندام
جس وقت لیا نام شہ تشنہ دہاں کا
اک شور ہوا رانڈوں میں فریاد و فغاں کا

۸۲

رو کر کہا زینبؑ نے بہن ہو گئی واری
کیا پیاس تھی جس دم تھا لہو زخموں سے جاری
میں جلتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمھاری
پانی نہ کسی نے دیا مانگا کئی باری
جب تم تھے تو ملتا تھا نہ پانی کہیں بھائی
اب پانی تو موجود ہے اور تم نہیں بھائی

۸۳

روتی ہوئی اتنے میں اُٹھی بانوئے بے پر
سجادؑ سے رو رو کے کہا اے مرے دلبر
اک دودھ کا کوزہ رکھا اک پانی کا ساغر
ان دونوں پہ دو فاتحہ اکبرؑ و اصغرؑ
مارے گئے کس ظلم و جفا سے مرے بچے
تھے تین شب و روز کے پیاسے مرے بچے

۸۴

سجاد نے جب فاتحہ سے پائی فراغت
تب بیبیوں سے شیریں نے کی عرض بہ منت
تا دیر رہی شہ کے عزاداروں میں رقت
فاقہ شکنی کیجو کہ رونے کی ہو طاقت
اس کھانے پہ ہے فاتحہ خواں روح نبیؐ کی
یہ حاضری ہے سبط رسول عربیؐ کی

۸۵

فاقہ شکنی کا جو اسیروں نے لیا نام
زینبؑ نے کہا کھانے کا ہے کون سا ہنگام
پیٹے پہ سر و سینہ کہ برپا ہوا کہرام
نے چین محمدؐ کو نہ زہراؑ کو ہے آرام
کیا کھانے کو ہم کھائیں کہ غم دل پہ پڑا ہے
لاشا تو ابھی بھائی کا جنگل میں پڑا ہے

۸۶

بھائی تو ہو بے گور و کفن کھاؤں میں کھانا
بے سر علیؑ اکبر کا ہو تن کھاؤں میں کھانا
بے دفن ہو فرزند حسنؑ کھاؤں میں کھانا
پامال ہو زہراؑ کا چمن کھاؤں میں کھانا
رونا مجھے دیکھے سے چلا آتا ہے لوگو!
لے جاؤ کہ کھانا مجھے یہ کھاتا ہے لوگو!

۸۷

ناچار ہوا اک جام کو شیریں نے اُٹھایا
بولی کہ بیو داری دم آنکھوں میں ہے آیا
پاس آن کے ہونٹوں سے سکینہؑ کے لگایا
منھ پھیر کے شیریں کو سکینہؑ نے سُنایا
پیاسے گئے بابا ہوے میں بھی نہ جیوں گی
عباس چچا آئیں گے جب پانی پیوں گی

۸۸

جس دم یہ سکینہؑ نے کہا پڑ گیا کہرام
آئی سر شبیر کو لینے رسیہ شام
اور پیٹنے رونے میں ہوا صبح کا ہنگام
رخصت ہوئے شیریں سے حرم با دل ناکام
تجھ پر ہوا احسن اب یہ کرم ربّ غنی کا
شہروں میں ہے شہرہ تری شیریں سخنی کا

رُباعی

مختار زمین و آسماں حیدرؑ ہے
گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے
جب نام لیا تو تقوِیَتِ رُوح ہوئی
بیجاں ہے مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

مرثیہ ۱

کوفے میں جب حرم حضرت شبیرؑ آئے
ننگے سر بلوے میں سب صاحب توقیر آئے
روتے اور پیٹتے بہ حالت تغییر آئے
پہنے زنجیر گراں عابدؑ دلگیر آئے
یوں تو اس شہر میں بندی نہ کبھی آئی تھی
ننگے سر رانڈیں تھیں اور خلق تماشائی تھی

۲

سر بازار عجب طرح کا تھا بلوۂ عام
جا کہیں خالی نہ تھی بھر گئے تھے کوچہ و بام
سیر کو لوگ گھروں سے چلے آتے تھے تمام
کثرت خلق سے مشکل تھا اٹھانا اک گام
کوئی غمگین تھا اور شاد کوئی ہوتا تھا
کوئی ہنستا تھا اسیروں پہ کوئی روتا تھا

۳

ایک سے ایک یہی کہتا تھا بس خوش ہو ہو
سیر پھر ہووے گی ایسی نہ میسر تم کو
بندی آتی ہے مدینے کی تماشے کو چلو
جن کو دیکھا نہ کسی نے انھیں چل کے دیکھو
پردے والے سر بازار نہ دیکھے ہوں گے
ایسے قیدی کبھی زنہار نہ دیکھے ہوں گے

۴

شہر کے قلعے سے ہے ناکے تک انبوہ کثیر
غل تھا عورات میں ہر سمت کہ ہے ہے شبیرؑ
شاد و خرم چلی آتی ہے پیادوں کی بھیر
بے خطر ہو ہو کے کہتے تھے صغیر اور کبیر
ننگے اونٹوں پہ جو سیدانیاں محبوس ہیں یہ
احمدؐ و حیدرؑ و شبیرؑ کے ناموس ہیں یہ

۵

آمد فوج مخالف کا کروں کیا میں بیاں
پیچھے گھوڑوں پہ تھے اسوار نمودار جواں
آگے آگے تو چلے آتے تھے لشکر کے نشاں
بج رہا تھا دہل فتح ہر اک تھا شاداں
پر تماشائیوں کی چھاتی پھٹی جاتی تھی
باجوں سے ہائے حسینؑ کی صدا آتی تھی

۶

پیچھے ان لوگوں کے مقتولوں کے کوتل گھوڑے
زین ڈھلکے ہوئے اور خوں میں سراسر ڈوبے
تسمے باگوں کے کٹے گردنوں پر تیر لگے
بال سے ان کی ٹپکتے تھے لہو کے قطرے
گردنیں ڈالے ہوئے چپکے چلے جاتے تھے
آنسو ان گھوڑوں کی آنکھوں سے بہے جاتے تھے

۷

پیچھے ان گھوڑوں کے نیزوں پہ شہیدوں کے سر
راہ کی گرد جمی چاند سے رخساروں پر
پیچھے خورشید لقا اور کوئی رشک قمر
خشک لب پیاس سے اور خوں سے تھے چہرے تر
سر سے اک ایک کے تھی صولت و شوکت ظاہر
بعد مرنے کے بھی تھی شان شجاعت ظاہر

۸

سب کے آگے سر عباسؑ تھا نیزے پہ علم
دیکھ کر اس کو تماشائی یہ کہتے تھے بہم
بند تھے غنچۂ نرگس کی طرح دیدۂ نم
دیکھو تو مر گئے پر بھی ہے عجب جاہ و حشم
رتبہ پہونچا یہ شہنشاہ بنیؐ ہاشم کا
سر ہے نیزے پہ دھرا ماہ بنی ہاشم کا

۹

سر اکبرؑ پہ جو پڑتی تھی خلائق کی نگاہ
کوئی کہتا تھا کہ واللہ یہ ہے غیرت ماہ
کہتے تھے رو رو کے کیا رعب ہے کیا حسن ہے واہ
کوئی گھبرا کے یہ کہتا تھا کہ اے بار الٰہ
نیزے پر یوسف یعقوبؑ کا سر دیکھا ہے
یا سناں پر ترے محبوب کا سر دیکھا ہے

۱۰

سرِ قاسمؑ کو ہر اک دیکھ کے کرتا تھا بیاں
سہرا ماتھے پہ بندھا ہے تو یہ ہوتا ہے عیاں
اس میں سب سیدِ مسموم کی ہے شوکت و شاں
عقد کے بعد یہ نوشاد ہوا ہے بے جاں
اس طرح بیاہ کسی کا نہ ہوا ہوئے گا
ایسا نوشاہ تو کوئی نہ بنا ہوئے گا

۱۱

اک سناں پر تھا سرِ سبطِ رسولِؐ مدنی
ہے عیاں چہرے سے مظلومی غریب الوطنی
لوگ کہتے تھے کہ تیروں سے ہے پیشانی چھنی
یہ سرِ پاک کہاں اور کہاں نیزے کی انی
اس کا کیا نام ہے یارو یہ سر کس کا ہے
کس سے پوچھیں نہیں معلوم یہ سر کس کا ہے

۱۲

یہ جو آپس میں تماشائیوں نے ذکر کیا
ایہا الناس میں بیکس ہوں ولی کا بیٹا
آئی اس دم سرِ شاہِ شہدا سے یہ صدا
مرا نانا ہے نبیؐ، باپ علیؑ شیرِ خدا
تن سے سر میرے عزیزوں کا اُتارا ناحق
میں وہ ہوں بھوکا پیاسا جسے مارا ناحق

۱۳

دوش پر اپنے پیمبرؐ نے چڑھایا تھا مجھے
رختِ نو عید کے دن خلد سے آیا تھا مجھے
جیتے جی اپنے نبیؐ نے نہ رُلایا تھا مجھے
دودھ خاتونِ قیامت نے پلایا تھا مجھے
گھر بلا کر یہ کوئی جور و جفا کرتا ہے
اپنے مہماں سے کوئی بھی دغا کرتا ہے

۱۴

آپ سے تو میں نہ تھا شہر میں اُن کے آیا
میہمانی کے عوض خوں پیا غم کھایا
یاں کے باشندوں نے خط لکھ کے مجھے بلوایا
تین دن میں نے نہ اس گرمی میں پانی پایا
ان لعینوں نے جدا تن سے کیا سر میرا
خیمے سب پھونک دیے لوٹ لیا گھر میرا

۱۵

برچھیاں کھا کے میں گھوڑے سے زمیں پر جو گرا
لے کے خنجر مری چھاتی پہ ستمگار چڑھا
میں نے چاہا کہ کروں سجدۂ معبود ادا
پورا سجدہ بھی مجھے شمر نے کرنے نہ دیا
سر کے بے کاٹے نہ آرام سے سینے پر سے
رگڑے دے دے کے گلا کاٹا مرا خنجر سے

۱۶

سر ہے اس نیزے پہ جنگل میں پڑا ہے مرا تن
ہاتھ میں عابدؑ بیمار کے باندھی ہے رسن
لاش نے آج تلک پایا نہیں غسل و کفن
قید کر لائے ہیں ناموس مرے یہ بدظن
ننگے سر بلوے میں اونٹوں پہ بٹھا کر لائے
چادریں بھی نہیں بیبیوں کو اُڑھا کر لائے

۱۷

کیا کہوں تجھ سے بچوں پہ جو ہے ظلم و ستم
مارتے ہیں اُسے جھنجلا کے طمانچے اظلم
نام لے کر مرا روتی ہے سکینہؑ ہر دم
کان بھی زخمی ہیں گالوں پہ بھی ہے اس کے ورم
آج جو اس مری پیاری پہ ستم ہوتے ہیں
یہ مری روح پہ واللہ اَلم ہوتے ہیں

۱۸

سرِ سرور نے فصاحت سے کیے یہ جو بیاں
خولی تب آگے بڑھا لے کے سرِ شاہِ زماں
اپنے سر پیٹ کے رونے لگے سب خورد و کلاں
دیکھا سب لوگوں نے پھر قید میں اک زرد جواں
تھا ورم پاؤں پہ تن ضعف سے تھراتا تھا
رسّی کھینچے ہوئے اونٹوں کی چلا جاتا تھا

۱۹

ہتھکڑی ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھاری زنجیر
تھی یہ تاکید کہ چلنے میں نہ کچھ تاخیر
کھنچے تلواریں کئی اس کے پس پشت شریر
اور تھی ضعف سے اس قیدی کی حالت تغییر
کہتا تھا ظالمو بے جرم ستاتے ہو مجھے
چل نہیں سکتا ہوں کھینچے لئے جاتے ہو مجھے

۲۰

نہ تو ہے پاؤں میں نعلین نہ سر پر دستار
مجھ پہ اب رحم کرو میں ہوں ضعیف و بیمار
پرزے پرزے ہے عبا جسم ہے کانٹوں سے فگار
لڑکھڑاتا ہوں چڑھا ہے مجھے شدت سے بخار
اب غش آیا تو نہیں پھر میں سنبھل سکنے کا
گر پڑا اب کی تو ہرگز نہیں چل سکنے کا

۲۱

کئی منزل تو چلا آیا ہوں دن بھر پیدل
پنڈلیاں سوج کے شل ہوگئیں رانیں بھی ہیں شل
میں نے اس حال سے بھی طے کیے کیا کیا جنگل
آج ناطاقتی سے دل یہی کہتا ہے نہ چل
ظالمو ایک تو ہے طوق و سلاسل بھاری
اور ہے سب منزلوں سے آج کی منزل بھاری

۲۲

کہتے تھے رو رو کے ایک ایک سے یہ زین عباد
ظلم سے کھینچے لیے جاتے تھے اس کو جلّاد
کوئی دیتا نہ تھا اس بیکس و مظلوم کی داد
بانو اشتر سے یہ چلّاتی تھی ہے ہے سجّادؑ
جو جو اس بیکس و تنہا پہ ستم ہوتے تھے
پیٹ کو سینہ و سر اہل حرم روتے تھے

۲۳

بولتے کیا کہ وہ تھے گرد سواروں کے پرے
غم سے تھے اشک ہر ایک بی بی کی آنکھوں میں بھرے
تھی تاکید کہ خبردار کوئی غل نہ کرے
اہل بیت نبوی ہاتھ تھے چہروں پہ دھرے
پشت پا پر تھی نگہ زانو پہ نیہوڑا سر تھا
عرق شرم سے ہر ایک کا چہرہ تر تھا

۲۴

اپنے سایے سے بھی جو لوگ کہ شرماتے تھے
بال سنبل سے تھے ہر بی بی کے رخ پر بکھرے
جلوۂ عام میں سر ننگے وہ جاتے تھے چلے
چاند سے چہرے پہ تھی اپنے کوئی خاک ملے
اونٹ پر بید کے مانند کوئی کانپتی تھی
اور کوئی منہدی لگے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتی تھی

۲۵

ننگے سر بیٹھی تھی اک اونٹ پہ بنت زہراؑ
دیکھ کر سوئے فلک کہتی تھی اے بار خدا
نہ قصابہ تھا نہ برقع تھا نہ تھی سر پہ ردا
آل کا یہ ترے محبوب کی رتبہ پہونچا
یہ ستمگار نہیں پاس ہمارا کرتے
پاس آآ کے ہیں رانڈوں کا نظارا کرتے

۲۶

رانڈوں کی چھاتیوں سے لپٹے ہوئے تھے اطفال
اشک آنکھوں میں بھرے پیاس کے مارے بے حال
ہونٹ گلبرگ سے سوکھے ہوئے رخ دھوپ سے لال
راہ کی گرد سے آلودہ جھنڈولے وہ بال
دل دھڑکتے تھے بڑے خوف سے چہرے فق تھے
ڈر اعدا سے کئی بچوں کے چہرے فق تھے

۲۷

تھیں کئی لڑکیاں چھوٹی کئی لڑکے چھوٹے
گورے گورے وہ گلے اور گریبان پھٹے
آنسو آنکھوں میں بھرے ضبط کئے سہمے ہوئے
نرگسی آنکھوں سے تھے ماؤں کی صورت تکتے
مانگ سکتا تھا نہ رو کر کوئی بچہ پانی
ڈر کے اعدا سے ہوا جاتا تھا زہرہ پانی

۲۸
چاند سے چہرے پہ اک اک کے یتیمی تھی عیاں
کئی فاقے جو کئے تھے تو نہ تھی تاب و تواں
بیبیاں ان کی غریبی پہ جو کرتی تھیں فغاں
جوڑ کر ہاتھ وہ کہتے تھے نہ روؤ اماں
کھینچ کر تیغ نہ پھر تم کو ڈرا دے کوئی
نوک نیزے کی نہ شانے پہ چبھا دے کوئی

۲۹
کوئی لائے تھے جو ہمراہ وہاں بچوں کو
میوے لے لے کے کھلاتے تھے وہ ان کو خوش ہو
اونٹ پر کہتی تھی ماں سے یہ سکینہ رو رو
بیٹی قربان ذرا منہ کو تو اپنے کھولو
لڑکے کھاتے ہیں جو چیزیں وہ دلا دو ہم کو
میوے بازار میں بکتے ہیں منگا دو ہم کو

۳۰
بانوئے مضطر یہ سمجھاتی تھی اس کو رو رو
قید میں صدقے گئی ضد نہ کرو، ہٹ نہ کرو
میوے بازار میں بکتے ہیں اگر بکنے دو
بند آنکھیں کرو، منہ ڈھانپ لو ادھر مت دیکھو
میوے کچھ چیز ہیں جن کے لئے تم روتی ہو
صبر لازم ہے تمھیں فاطمہ کی پوتی ہو

۳۱
میوے ان کو غنیوں کے بچے نہ کھائیں کیوں کر
قید میں مائیں نہیں سر پہ سلامت ہیں پدر
چلے گئے باپ ترا قتل ہوا اے دختر
خرمے دلوا دوں کہاں سے تمھیں اے خستہ جگر
دیکھتی ہو کہ مصیبت میں گرفتار ہوں میں
رانڈ ہوں قید میں اعدا کی ہوں نادار ہوں میں

۳۲
ہوتے سرور تو ابھی تم کو کھلاتے میوے
یاں نہ ملتے تو وہ جنت سے منگاتے میوے
ہوتے عباسؑ تو لینے ابھی جاتے میوے
جیتے ہوتے علیؑ اکبر تو وہ لاتے میوے
اب نہیں جیتے ترے ناز اٹھانے والے
مر گئے سب ترے میوے کے کھلانے والے

۳۳
کہے بانو نے سکینہؑ سے جو رو کر یہ بیاں
ڈھانپ کر کرتے سے منہ رونے لگی وہ ناداں
اتنے میں آیا نظر حاکم اظلم کا مکاں
شمر چلّایا کہ جلد اونٹوں کو بٹھلا دو یہاں
نیزہ داروں سے کہو غل نہ مچائیں قیدی
باادب اونٹوں سے جلدی اتر آئیں قیدی

۳۴
سنی یہ ظلم کی تقریر تو گھبرائے حرم
اونٹوں پر بید نمط خوف سے تھرّائے حرم
بچے لے گود میں ناچار اتر آئے حرم
چلے دربار میں ظالم کے وہ دکھ پائے حرم
کبھی بالوں سے کبھی ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے تھے
پاؤں رکنے میں نہ تھے سب کے قدم کانپتے تھے

۳۵
جبکہ ڈیوڑھی پہ اسی حال سے ہو پہنچے قیدی
اس گھڑی چھا گئی ہر بی بی کے رخ پر زردی
بانو دروازے کے بازو سے لپٹ رونے لگی
خاک پر بیٹھ گئے یہ کہنے لگی بنت علیؑ
وہ جو ہے مرتد اسے صورت نہ دکھاؤں گی میں
سامنے حاکم اظلم کے نہ جاؤں گی میں

۳۶
عمر سعد نے اس وقت یہ زینبؑ سے کہا
اٹھ کے دربار میں چل تو نے یہ حیلہ ہے کیا
سر برہنہ تجھے بازاریوں نے دیکھ لیا
پیش حاکم تجھے جاتے ہوئے آتی ہے حیا
چل تو چل ورنہ ابھی شمر کو بلواتا ہوں
سر دربار تجھے کھینچ لئے جاتا ہوں

٣٧

پیٹ کو سر کہا زینبؑ نے کہ او نا ہنجار
یہ نہ لے جا مجھے دربار لعیں میں زنہار
میرے بھائی کی طرح میرا بھی سر تن سے اتار
فاطمہؑ ماں ہے مری، میں ہوں علیؑ کی دلدار
کھینچ کر تو جو یہاں سے مجھے لے جائے گا
کیا پیمبرؐ کو نہ منھ حشر میں دکھلائے گا

٣٨

طیش میں آ گیا زینبؑ سے یہ سنتے ہی شریر
اڑ گئے ہیں در دولت پہ کئی آ کے اسیر
جا کے سردار سے یوں کہنے لگا وہ بے پیر
آپ کے خوف سے دے سکتا نہیں میں تعزیر
بنت زہراؑ کسی تدبیر نہیں آتی ہے
شہ مظلوم کی ہمشیر نہیں آتی ہے

٣٩

ماجرا سنتے ہی یہ غیظ میں آیا بے دیں
یوں تو ناموس حسینؑ ابن علیؑ آتے نہیں
شمر سے کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے لعیں
جا انھیں رسّیوں سے باندھ کے لا میرے قریں
میں تو سنتا ہوں بہت بے کس و مجبور ہیں وہ
کوئی وارث ابھی جیتا ہے جو مغرور ہیں وہ

٤٠

شمر بے دین چلا سنتے ہی حاکم کی یہ بات
پہونچا جب آل محمدؐ کے قریں وہ بد ذات
رسّی اک لے کے ہوا خولیِ ملعون بھی ساتھ
خولی سے کہنے لگا باندھ لے اک اک کا ہات
شمر سے سنتے ہی یہ بیبیاں جی کھونے لگیں
کوئی وارث جو نہ تھا ڈھانپ کے منھ رونے لگیں

٤١

خولی رسّی لیے زینبؑ کی طرف جونہیں بڑھا
رو کے پھر حضرت زینبؑ سے یہ عابدؑ نے کہا
دوڑے سجادؑ یہ کہتے ہوئے کرتا ہے کیا
روبرو حاکم اظلم کے چلو بہر خدا
آپ کے رتبے سے آگاہ یہ جلاد نہیں
بابا صاحب کی وصیت تمھیں کیا یاد نہیں

٤٢

رو کے زینبؑ سے یہ سجادؑ نے تقریر جو کی
ہو گئیں دربار میں رانڈیں تو لگا کہنے شقی
خاک سے پیٹتی چھاتی کو اٹھی بنت علیؑ
ان میں ہے کون سی عورت جو یہاں آتی نہ تھی
عرض کی شمر نے تب زینبؑ دلگیر یہ ہے
دختر فاطمہؑ ہے شاہ کی ہمشیر یہ ہے

٤٣

دیکھ زینبؑ کی طرف کہنے لگا وہ ملعون
تب کہا زینبؑ بے کس نے بہا چشم سے خون
شرط اب ہے کہ نہ آنے کی سزا میں تجھے دوں
مرے رتبہ کو سمجھتا نہیں اے سفلۂ دوں
دین و دنیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں میں
او ستمگر اسد اللہ کی بیٹی ہوں میں

٤٤

تجھکو معلوم نہیں حال مری مادر کا
اس کی بیٹی ہوں میں سر ہے مرا مجلس میں کھلا
غیر محرم نے جنازہ بھی نہ جس کا دیکھا
اب بھی اس ظلم سے دل میں نہیں نادم ہوتا
کیا جواب اسکا پیمبرؐ کو تو دے گا ظالم
تو نے برباد کیا خانۂ زہراؑ ظالم

٤٥

تیغ کیں سبط پیمبرؐ پہ چلائی تو نے
شکل نامحرموں کو میری دکھائی تو نے
کی جفا کر مرے بھائی سے برائی تو نے
ہائے لوٹی مری اماں کی کمائی تو نے
کچھ سزا تو نے نہ اس ظلم کی پائی ظالم
مر گئے وہ یہ تجھے موت نہ آئی ظالم

۴۶

سرِ دربار جو زینبؑ نے کیا یہ ارشاد
بولا خولی سے کہ گویا ہے بہت یہ ناشاد
برہم اُس دم ہوا وہ دشمنِ دیں حد سے زیاد
تیغ کو کھینچ کے آوے کوئی جلدی جلاد
شہِ مظلوم کی خواہر کی اُتارے گردن
تن سے اس بے کس و مضطر کی اُتارے گردن

۴۷

سُن کے یہ کھینچ لی اک دشمنِ دیں نے تلوار
دوڑے تھامے ہوئے زنجیر امامِ بیمار
سر جھکا خاک پہ تب بیٹھ گئی زینبؑ زار
لپٹیں یہ کہہ کے تب اس بی بی سے رانڈیں ناچار
ظلم عورت پہ یہ اللہ سے ڈر اے ظالم
دخترِ فاطمہؑ کو قتل نہ کر اے ظالم

۴۸

بلبلانے لگے یہ دیکھ کے ننھے بچے
میری بے کس پھوپھی اماں میں تمھارے صدقے
پیٹ کر سر کو سکینہؑ نے کہا ہاتھوں سے
آپ کے بدلے ستمگر مری گردن کاٹے
اب کہاں ہیں شہِ والا جو بچا دیں تم کو
ہائے جیتے نہیں بابا جو بچائیں تم کو

۴۹

تخت کے نیچے جو رکھا تھا سرِ شاہِ ہدا
کچھ خبر ہے تمھیں جو ظلم ہے مجھ پہ ہوتا
بھائی کے سر کی طرف دیکھ کے زینبؑ نے کہا
قتل ہوتی ہوں بچاتے نہیں مجھ کو بھیّا
اب تو اے فاطمہؑ کے لال کرامت کیجے
اپنی ہمشیر کی اس وقت حمایت کیجے

۵۰

سرِ سرور سے جو زینبؑ نے کیا یہ مذکور
ہو کے حاکم سے مخاطب یہ کہا او مقہور
طشت سے بس ہوا اونچا سرِ شاہِ مغفور
قتل زینبؑ کو کرے تو یہ ترا کیا مقدور
فضلِ خالق سے میں مجبور نہیں ہوں ظالم
اب بھی چاہوں تو ترا تخت الٹ دوں ظالم

۵۱

تجھ کو معلوم نہیں کیا مری خواہر ہے یہ
بخدا حیدرؑ کرار کی دختر ہے یہ
او ستمگر جگر جانِ پیمبر ہے یہ
بنتِ زہراؑ ہے یہ زہراؑ کے برابر ہے یہ
ہاتھ گر اس پہ اُٹھا تیرا تو گل جاوے گا
بد نگہ سے اسے دیکھے گا تو جل جاوے گا

۵۲

میں نے تو سجدۂ خالق میں کٹایا سر کو
سر برہنہ کیا اہلِ حرمِ مضطر کو
تو نے لٹوا لیا ملعونوں سے میرے گھر کو
اب ستاتا نہ خبردار مری خواہر کو
منہ چھپانے کو نہ برقع نہ ردا دیتا ہے
دخترِ فاطمہؑ زہرا کو سزا دیتا ہے

۵۳

اس ستم کی جو خبر خلد میں پا دے گی بتولؑ
پایۂ عرش کو جس وقت ہلا دے گی بتولؑ
اپنا سر کھولے تلے عرش کے جا دے گی بتولؑ
حق کا دریائے غضب جوش میں لا دے گی بتولؑ
سرِ مخدومۂ کونین جو عریاں ہو گا
درہم و برہم ابھی دفترِ امکاں ہو گا

۵۴

معجزے سے سرِ سرور نے جو یہ باتیں کیں
خوف سے درہم و برہم ہوا دربارِ لعیں
بھاگا تب تخت سے بس اُٹھ کے وہ ملعونِ بدیں
بس انیسؔ آ گے مجھے لکھنے کی اب تاب نہیں
جس سے غمگین ہیں نبیؐ آہ یہ وہ ماتم ہے
جس کا پایاں نہیں واللہ یہ وہ ماتم ہے

مرثیہ

۱

آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدار میں ہے
صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے
شور نغمہ یا دو بکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہ پیٹتی ہیں غیر خدا روتے ہیں

۲

آگے آگے تو ہیں سجادؑ جھکائے گردن
شل خورشید فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں گردن میں رسن
چاک ہے غم میں گریبان تہ تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اٹھاتے ہیں لعیں
بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

۳

پنڈلیاں سوجھی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا
خار تلووں میں ہیں مقتل سے جو پیدل ہے چلا
سخت ایذا میں ہے غم زدۂ کرب و بلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بیتاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

۴

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
دختر فاطمہؑ زہرا کا عجب ہے عالم
چپ ہیں تصویر سے گویا کہ کسی میں نہیں دم
تھرتھری جسم میں ہے اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
رو کے فرماتی ہیں کس گوشے میں جائے زینبؑ
ہاتھ کھل جائیں تو منھ اپنا چھپائے زینبؑ

۵

کبھی سجادؑ سے کہتی ہیں بہ آہ و زاری
کر کے زاری وہ یہ بیاں کرتا ہے وہ آزاری
مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری
صبر فرماؤ جو مرضیٔ جنابِ باری
کم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہوئے گا
عاصیوں کا اسی پردہ میں بھلا ہوئے گا

۶

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
رشتہ دارانِ علیؑ سب ہیں گرفتار محن
جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلہن
دمبدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اُس کے
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اُس کے

۷

ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہؑ کا گلو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں گیسو
دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
سوجے تو گال ہیں کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھڑکتے ہیں ستمگر تو دہل جاتی ہے

۸

ماں سے کرتی ہے اشارہ وہ گرفتار ستم
رو کے وہ کہتی ہے مجبور ہوں میں کشتۂ غم
رسی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
ہائے بچی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
صدقے اماں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

۹

ماں سے رو رو کے وہ ناداں یہ کرتی ہے بیاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں
کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہو کہاں
کتنے دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انھیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

۱۰
کہیں دربار میں اماں وہ اگر مجھ کو ملے — دیکھنا کوئی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ اگر دن مری رسّی سے چھلے — اُس کو یوں بھولتے ہیں باپ سے بچہ جو پلے
وجہ کیا کونسی تقصیر پہ منھ موڑا ہے — سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

۱۱
کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر واہ رے پیار — خوب بھولے مجھے بابا کی محبت کے نثار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار — مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا انھیں کس طرح قرار
منھ دکھاتے نہیں شفقت سے بلانا کیسا — خواب میں آئے نہ چھاتی پہ سُلانا کیسا

۱۲
روتے تھے سن کے سکینہؑ کا بیاں سارے اسیر — ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے ہے شبیرؑ
اس طرف ہوتی تھی آرائشِ دربارِ شریر — تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پہ سارے امیر
اک طرف لوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا — اور تلے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھا تھا

۱۳
نذریں ہاتھوں پہ لیے آتے تھے سب درباری — پڑھتے تھے تہنیتِ فتح کو باری باری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری — یاں تو تھا جشن کا غل اور ادھر تھی زاری
اُس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی — اور اس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی

۱۴
دمبدم تخت سے اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا تھا شریر — قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر
پڑھ کے کرتے تھے خبردار یہ اُس دم تقریر — ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اُٹھاتے ہیں اسیر
مارے دہشت کے لہو ان کا گھٹا جاتا ہے — ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آ جاتا ہے

۱۵
بولا وہ کون سی عورت ہے وہ محبوسِ ستم — عرض کی اُس نے کہ ہمشیرِ شہنشاہِ اُمم
باپ جس کا ہے علیؑ پشت و پناہِ عالم — جس کی ماں فاطمہؑ ہے فخرِ جنابِ مریمؑ
ہے جو سلطانِ عرب اُنکی نواسی ہے وہ — کلمہ گو جس کے ہیں سب اُس کی نواسی ہے وہ

۱۶
ہے وہی حضرتِ جعفرؑ کی بہو سینہ فگار — وہی زینبؑ ہے جو شبیرؑ کی تھی عاشقِ زار
لاشِ شہ پر وہی اشتر سے گری تھی کئی بار — بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے — پر وہ روتی ہے تو شبیرؑ کا سر روتا ہے

۱۷
بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے نہ آنے کا سبب — عرض کی ایک ہی رسّی میں ہیں جکڑے ہوئے سب
خاک پہ گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب — شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینبؑ
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے — دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

۱۸
انھیں رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبیؐ — خوگرِ سینۂ دلبندِ رسولِ عربی
آفتِ فاقہ کشی بے پدری تشنہ لبی — دم بدم لب پہ یہ ہے اَینَ اَبی اَینَ اَبی
بھائیاں بھتیجی ہیں اس درد سے وہ روتی ہے — شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

۱۹

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
آگے روتے ہوئے سجادؑ دل افگار آئے
سب پکارے کہ وہ حاکم کے گنہگار آئے
پیچھے سر کھولے ہوئے بیکس و ناچار آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

۲۰

گو کہ اس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
بیبیوں کا اسداللہ کی اللہ رے جلال
منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے یہ کسی کی تھی مجال
جلوۂ روشنئ طور نظر آتا تھا
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا تھا

۲۱

پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
بیٹیاں فاطمہؑ زہرا کی جو تھیں ننگے سر
ایک سے پوچھتا تھا ایک کہ قیدی ہیں کدھر
دست حیدرؑ تھا تماشائیوں کی آنکھوں پر
تھا جو منظور خدا آل عبا کا پردہ
فاطمہ کر دیتی تھی اپنی ردا کا پردہ

۲۲

کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
کھینچ کر سب کو ستمگار جو لیجانے لگے
حضرت زینبؑ و کلثومؑ کو غش آنے لگے

۲۳

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
سرکشی کر کے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبیرؑ
دیکھ کر سید سجادؑ کو بولا وہ شریر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتن اٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

۲۴

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبر ہیں کہاں
قیدیں ان کی ہو آئی ہے شبر ہیں کہاں
کیا ہوئے ابن علیؑ حیدر صفدر ہیں کہاں
ننگے سر زینبؑ دلگیر ہے صفدر ہیں کہاں
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے

۲۵

کس کے ناموس لٹے کس کا ہوا گھر تاراج
ایک چادر کے لئے کس کی بہن ہے محتاج
کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحب تاج
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج
خلق میں کس کے لئے مرتبۂ عالی ہے
کس کا اقبال ہے اور کس کی بد اقبالی ہے

۲۶

نہر پر بازوئے شبیرؑ کو مارا کس نے
تیر سے اصغرؑ بے شیر کو مارا کس نے
جنگ میں اکبرؑ دلگیر کو مارا کس نے
شاہ سے صاحب شمشیر کو مارا کس نے
فوج بے سر ہوئی سلطان حجازی نہ رہے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ رہے

۲۷

سن کے یہ آگیا بنت شہ مرداں کو جلال
صاحب عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
تھرتھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بد اقبال
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے

۲۸

ہاں بتا آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
کل اَتیٰ کس کے لئے روح امیں لایا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے

۲۹

زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا
حق نے قرآں کے سورے میں کسے یاد کیا
خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا
کس کو اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ارشاد کیا
کس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفار آئی
بدر میں کس کے لئے عرش سے تلوار آئی

۳۰

آلِ احمدؐ کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور
مار کر سبطِ پیمبرؐ کو یہ نخوت، یہ غرور
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
خیر ہم دور، نہ تو دور، نہ محشر ہے دور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

۳۱

فخر کیوں کر نہ کرے تو کہ یہ ہے فخر کی جا
ہوگئے سرخ لہو میں حسینؑ سبز قبا
تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
فاطمہؑ ذبح ہوئی شیرِ خدا قتل ہوا
آگ دی خیمہ کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے درباں تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

۳۲

ترے ناموس تو ہیں پردہ نشیں او ظالم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امامِ عالم
بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہے سکینہؑ پہ یہ ظلم اور یہ کبریٰؑ پہ ستم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

۳۳

کیے زینبؑ نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاکِ امام
کانپے سینوں میں جگر رونے لگے لوگ تمام
متوجہ ہوا شرما کے ادھر حاکمِ شام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لبِ فرزندِ پیمبرؐ پہ چھڑی دھرنے لگا

۳۴

کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
دُرِ دنداں جب یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں لب
پیٹ کر سینے کو زینبؑ نے کہا ہائے غضب
نہ محمدؐ سے نہ حیدرؑ سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ یہ کیا کرتا ہے

۳۵

اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بہر امت انھیں ہونٹوں سے دعا کی ہے سدا
بوسے لیتے تھے انھیں ہونٹوں کے محبوبِ خدا
انھیں دانتوں پہ گہر کرتی تھی صدقے زہراؑ
تجھ کو یاد نہیں گو ہم کو تو پیارے ہیں یہ
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

۳۶

یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
یہ چھڑی ہائے غضب اور لبِ پاکِ شبیرؑ
ارے ظالم سرِ بے تن کی بھلا کیا تقصیر
نہ ستا مجھ کو میں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

۳۷

کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علیؑ کی جائی — آسماں آگیا جنبش میں زمیں تھرّائی
سرِ شبیرؑ سے ناگاہ صدا آئی — تھام لے غصے کو زینبؑ ترے صدقے بھائی
نہ تلاطم ہو کہیں قہرِ الٰہی آجائے — کہیں امت کی نہ کشتی پہ تباہی آجائے

۳۸

تم تو آگاہ ہو شبیرؑ نے جو دکھ پائے — پر نہیں حرفِ شکایت کے زباں پر لائے
سر کو نہیوڑا لیا جب ذبح کو قاتل آئے — ہم نے امت کے لیے چھاتی پہ نیزے کھائے
اتنی سی بات پہ مصروفِ بکا ہوتی ہو — تم چھری ہونٹوں پہ رکھنے سے خفا ہوتی ہو

۳۹

برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے بڑی — چپ رہے تن پہ جو تلوار پڑی
جانے دو دکھی تو دکھی مرے ہونٹوں پہ چھڑی — اے بہن یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
چپ ہیں جو ہم ستم راہِ رضا میں ہوگا — اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہوگا

۴۰

سرِ شبیرؑ نے زینبؑ سے جو یہ کی تقریر — آکے غصے میں لگا کانپنے حاکمِ بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر — سب کو لے جاکے تو کر سخت خرابے میں اسیر
بس انیسؔ اب جگر و قلب پھنکا جاتا ہے — حالِ زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

رُباعی

عابدؑ کو سدا باپ کا غم رہتا تھا — دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا
تھیں فرطِ بکا سے دونوں آنکھیں مجروح — رُخسارِ مبارک پہ ورم رہتا تھا

رُباعی

بن روئے نہ عابدؑ سے رہا جاتا تھا — خطبہ سرِ منبر نہ پڑھا جاتا تھا
پڑھنے میں اگر لیتے تھے وہ نامِ حسینؑ — روتے تھے یہاں تک کہ غش آجاتا تھا

رُباعی

مجلس میں عجب بہار چشم تر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
ہر لخت جگر رشک گل احمر ہے
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

رُباعی

ہر شب غم شہ میں رو یا کیجے
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیسؔ
ہر روز منھ آنسوؤں سے دھو یا کیجے
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رو یا کیجے

رُباعی

جو شاہ کے غم کو دل میں جا دیوے گا
اشکِ غم شبیر کا دیکھو تو اثر
اللہ اِس کا اُسے صِلا دیوے گا
اک قطرہ جہنم کو بجھا دیوے گا

رُباعی

اُلفت ہو جنھیں اُسے ولی کہتے ہیں
اس بزم میں دھوپ اُٹھا کے آتے ہیں جو لوگ
ایسوں کو سعید ازلی کہتے ہیں
جس کو طوبیٰ لکم عَلی کہتے ہیں

رُباعی

مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر
ہے عین شرف خدمت احباب حسینؑ
احسان یہ سر پر یہ قدم آنکھوں پر
گو ہو نہ جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

رُباعی

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

مرثیہ

آفت میں گرفتار ہیں ناموس محمدؐ
سرور کے عزادار ہیں ناموس محمدؐ
مجبور ہیں لاچار ہیں ناموس محمدؐ
اور جینے سے بیزار ہیں ناموس محمدؐ
زنداں کی صعوبت ہے غریب الوطنی ہے
غل ہائے حسینا کا ہے اور سینہ زنی ہے

۲

کھانا ہے نہ پینا ہے، نہ راحت ہے نہ سونا
یاد آتا ہے جب وارثوں کا جان نہ کھونا
ہے خاک کا فرش اور نہ تکیہ نہ بچھونا
چھٹتا نہیں مظلوموں سے منھ ڈھانپ کے رونا
نورانی بدن خاک سے بیووں کے اَٹے ہیں
عریاں ہیں سر اور سب کے گریبان پھٹے ہیں

۳

اکبرؑ کی جوانی کا کسی رانڈ کو غم ہے
عباسؑ کی فرقت کا کسی دل پہ اَلم ہے
اصغرؑ کے لئے چشم کسی بی بی کی نم ہے
دولھا کو کوئی روتی ہے سر زانو پہ خم ہے
کرتی ہے کوئی یاد محمدؐ کے پسر کو
دیوار سے رو کر کوئی ٹکراتی ہے سر کو

۴

کہتی ہے کوئی لوٹا گیا باغ ہمارا
مجھ رانڈ کا پیری میں رہا کچھ نہ سہارا
ہے ہے مرے بچے کو ستمگاروں نے مارا
دنیا سے مرا لال جواں ہو کے سدھارا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے لخت جگر کی
میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے پسر کی

۵

کہتی تھی کوئی حال بہت غیر ہے میرا
کہتی تھی یہ کبراؑ مجھے زحمت نے ہے گھیرا
لوگو! کسی گھر میں نہیں دیکھا یہ اندھیرا
منھ مجھ کو سکینہؑ نظر آتا نہیں تیرا
میں کاہے کو واقف تھی اسیری کے محن سے
گھٹ گھٹ کے بس اب جان نکل جائے گی تن سے

۶

ہر شام و سحر شور یہ تھا ہائے حسینا
کاٹا ترا ظالم نے گلا ہائے حسینا
اب تک نہ کفن تم کو ملا ہائے حسینا
کنبہ ترا آفت میں پھنسا ہائے حسینا
تم چھوٹ گئے کٹوا کے گلا رنج و الم سے
اب کون چھڑائے گا ہمیں قید ستم سے

۷

اس قید میں تھا بالی سکینہؑ کو نہ آرام
سب بھولی تھی بابا ہی کا بس یاد تھا اک نام
سر پیٹتی تھی ہاتھوں سے رو کر سحر و شام
کہتی تھی کہ اماں نہیں جینے کی میں ناکام
پاؤں گی کہاں فاطمہؑ زہرا کے پسر کو
رہ ڈھونڈتی آنکھیں مری مظلوم پدر کو

۸

منھ چوم کے بہلاتی تھی ماں لے مری پیاری
آ کر دہ آرام مری گود میں واری
اب آئے گی یاں بی بی کے بابا کی سواری
روداد سنی ہے شہ والا نے تمہاری
چھاتی سے حسینؑ آ کے لگا دیں گے مری جاں
عباسؑ علیؑ پاس بلا دیں گے مری جاں

۹

وہ کہتی نہ سوؤں گی اگر نیند بھی آئے
حال اپنا کسے آہ یہ مظلوم سنائے
ہے کون جو چھاتی پہ سکینہ کو سلائے
بابا نہیں زانو پہ مجھے کون بٹھائے
سینہ مرا اب درد یتیمی سے طپاں ہے
بچھڑی ہوں پدر سے مجھے آرام کہاں ہے

۱۰
یاد آتا ہے بابا کا وہ چھاتی پہ سلانا
وہ پیٹھ پہ شفقت سے مری ہاتھ پھرانا
وہ پیار کی باتیں وہ مرا ناز اٹھانا
اور پیار سے ہر وقت وہ منھ چومتے جانا
تا حشر بس اب شاد نہ ہووے گی سکینہؑ
چین آئے گا جب قبر میں سوئے گی سکینہؑ

۱۱
یہ نیل طمانچے کے کسے آہ دکھاؤں
عباسؑ چچا کو بھلا کس طرح سے پاؤں
کانوں کے میں دکھ کا کسے احوال سناؤں
اکبرؑ ہیں کہاں جن کو حمایت کو بلاؤں
ڈر شمر کا یہ ہے کہ میں چلا نہیں سکتی
وہ آ نہیں سکتے ہیں میں واں جا نہیں سکتی

۱۲
ماں نے کہا قربان ترے اے بیکس و بے پر
سن لیوے گا رونا ترا گر شمر بد اختر
اب رونے کی طاقت نہیں ہے چپ رہو دم بھر
بے رحم ہے بے دردی سے گھڑکے گا ستمگر
دشمن تری آواز کا وہ دشمن دیں ہے
ہم بیکس و مجبور ہیں کچھ زور نہیں ہے

۱۳
وہ کہتی تھی سینے میں تڑپتا ہے مرا دل
اس دکھ کی میں اب ہو نہیں سکتی متحمل
مر جاؤں تو آسان ہو اماں مری مشکل
راضی ہوں مجھے تیغ سے کوئی کرے بسمل
بابا کی جدائی نے یہ بیتاب کیا ہے
کانوں کا بھی اب درد مجھے بھول گیا ہے

۱۴
یہ کہہ کے تڑپنے لگی وہ بے کس و دلگیر
سمجھاتی تھی ہر بار اُسے شاہ کی ہمشیر
سر پیٹا کئی بار تو حالت ہوئی تغییر
پر ایسی وہ مچلی کہ نہ بہلی کسی تدبیر
یہ رنج و الم تھا دل غمناک کے اوپر
بسمل کی طرح لوٹتی تھی خاک کے اوپر

۱۵
سر پیٹ کے ماں کہتی تھی ہے ہے میں کروں کیا
اس قید میں گذرا ہے ابھی فاقہ پہ فاقہ
مظلومی پہ اس بچی کے پھٹتا ہے کلیجا
اے لوگو سکینہؑ کا مری دم ہے نکلتا
بند آنکھیں ہیں منھ کھولو مری ماہ جبیں ہے
کیا منھ میں چواؤں کہیں پانی بھی نہیں ہے

۱۶
غش ہو گئی بس اتنے میں وہ بیکس و پُر غم
بانو نے کہا ہائے میں اب کیا کروں اس دم
ہر بی بی کو بس ہو گیا اک سکتے کا عالم
ہاتھوں سے چلی شیفتۂ سید اکرم
جان و جگر شاہ مدینہ کو غش آیا
فریاد ہے فریاد سکینہؑ کو غش آیا

۱۷
یاں ہائے سکینہؑ کا ہوا شور جو اک بار
منگوائی خبر جب تو کسی نے کیا اظہار
تب خواب سے حاکم بھی محل میں ہوا بیدار
اک چار برس کی جو ہے شبیرؑ کی دلدار
یاد اُس کو نہیں غم کی فراموش ہوئی ہے
بابا کو یہ روئی ہے کہ بیہوش ہوئی ہے

۱۸
حلقہ کیے گرد اُس کے حرم روتے ہیں باہم
بولا یہ خبر دار دل سے اس وقت یہ اظلم
کہرام ہے زنداں میں قیامت کا ہے عالم
پہونچا دو خرابے میں سر سید اکرم
بیتاب ہے مل لے شہ مظلوم کے سر سے
محروم نہ رہ جائے وہ دیدار پسر سے

۱۹

جس طشت طلائی میں رکھا تھا سر سرور
جا کر در زنداں پہ پکارے وہ بد اختر
خدام روانہ ہوئے جلدی اسے لے کر
لے جائے کوئی آکے سر بیکس و بے سر
خوشبو اسے شبیرؑ کی زلفوں کی سنگھا دو
سر باپ کا مظلوم سکینہؑ کو دکھا دو

۲۰

روتے در زنداں پہ گئے سید سجادؑ
زنداں میں چلے کرتے ہوئے نالہ و فریاد
سر باپ کا ہاتھوں پہ لیا بادل ناشاد
جا ہو کے تو رانڈوں سے کیا جا کے یہ ارشاد
شبیرؑ کا سر آیا ہے تعظیم کو اٹھو
زہراؑ کے جگر بند کی تسلیم کو اٹھو

۲۱

سر پیٹیں یہ سنتے ہی سبھی بی بیاں باہم
ہاتھوں پہ لیا پھر سر سردار دو عالم
زینبؑ نے کہا کرتی ہے تسلیم یہ پُر غم
سر پیٹ کے سب بیبیاں کرنے لگیں ماتم
سر ہاتھوں پہ بھائی کا بہن کے جو دھرا تھا
اک اور ہی چار طرف جلوہ نما تھا

۲۲

بالیں پہ سکینہؑ کے سر شاہ جو لائی
بابا کی جو بو دختر مظلوم نے پائی
بو گیسوئے سرور کی سکینہؑ کو سنگھائی
کچھ غش میں افاقہ ہوا اور ہوش میں آئی
آہستہ کہا روح مری پائی ہے لوگو
بو بابا کی زلفوں کی چلی آتی ہے لوگو

۲۳

پھر تھام کے شانے اسے بانوؑ نے اٹھایا
سر خاک پہ سجدے کو سکینہؑ نے جھکایا
زینبؑ نے کہا تیرا بیکس پدر آیا
دیکھا جو سوئے طشت تو یہ شور مچایا
بابا کا مرے سر ہے یہ پہچان گئی میں
ان خون بھری زلفوں کے قربان گئی میں

۲۴

چھوٹے سے جو ہاتھوں سے اٹھایا سر سرور
لکھا ہے کہ جنبش میں تب آئے لب اطہر
آنکھیں ملیں رخساروں سے منہ رکھ دیا منہ پر
حضرت نے بھی اعجاز سے چومے لب دختر
وا ہو گئیں آنکھیں شہ مظلوم کے سر کی
بچی پہ عجب یاس سے حضرت نے نظر کی

۲۵

بچی نے کہا صدقے میں اس پیار کے بابا
سر تو ہے یہاں اور تن پر نور ہے کس جا
بیکس نے گلا آپ کا تلوار سے کاٹا
وہ بازو کہاں ہیں جو مرے ہوتے تھے تکیہ
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
وہ چھاتی کہاں جس پہ میں سوتی تھی لپٹ کر

۲۶

اس تن میں کہوں کیا جو ستم میں نے اٹھائے
بُندے مرے چھینے مجھے نیزے بھی دکھائے
یا شاہ طمانچے سب مجھے ظالم نے لگائے
باندھے ہوئے گردن میں رسن پیٹتے لائے
نے پاس ہیں آپ اور نہ چچا جان ہمارے
فریاد کہ مجروح ہوئے کان ہمارے

۲۷

اتنے میں کہا شمر ستمگر نے یہ آکر
حاکم کا مجھے حکم یہ پہنچا ہے مکرر
دے جاؤ بس اب جلد سر سبط پیمبرؐ
دم بھر سے زیادہ نہ رہے یاں سر سرور
رونی ہے تو دکھلا دو ذرا شکل پدر کو
بہلی ہو سکینہؑ تو حوالے کرو سر کو

۲۸
ناداں نے سنی شمر کی آواز جو اک بار
بانو سے چپکے کہا اے مادرِ غم خوار
تن کانپ گیا سہم گئی وہ جگر افگار
جاں اپنی میں دوں گی یہ سر دوں گی نہ زنہار
گرتے ہیں چھپا لیتی ہوں اس خوں بھرے سر کو
دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی اپنے پدر کو

۲۹
سن لو یہ وصیت مری تم سب کے میں قرباں
جھنجھلا کے مجھے قتل کرے گر یہ بد ایماں
تم بھی نہ اسے دیکھو سرِ سرورِ ذی شاں
سر باپ کا رکھ دیجیو مری قبر میں اماں
ہوگا نہ قلق روح مری شاد رہے گی
واللہ مری گور بھی آباد رہے گی

۳۰
ڈیوڑھی سے سکینہ کی سنی شمر نے تقریر
تھرانے حرم سہم گئی دخترِ شبیرؑ
زنداں میں گیا چیں بہ جبیں دست بہ شمشیر
فرمانے لگے اُس سے یہ تب عابدؑ دل گیر
اس ظلم رسیدہ کو نہ آزار دے بس کر
معصوم سکینہ کی یتیمی پہ ترس کر

۳۱
ظالم نے بزور اُس سے سرِ شاہ کو چھینا
رانڈیں تو لگیں پیٹنے رو کر سر و سینا
اور لے گیا زنداں سے سرِ شاہِ مدینا
اور مر گئی پس ہائے پدر رکھ کے سکینہؑ
اک دھوم ہوئی خانۂ زنداں میں بکا کی
تھا شور کہ شبیرؑ کی عاشق نے قضا کی

۳۲
ماں بولی کہ بچی تری صورت کے میں صدقے
ماں چھوٹی سی میت تری کن آنکھوں سے دیکھے
ہے ہے مری پیاری تو جدا ہو گئی مجھ سے
آخر ہوئیں بی بی نہ اُٹھائے گئے صدمے
مادر تری مظلومی کے قربان سکینہؑ
معصوم سکینہؑ مری نادان سکینہؑ

۳۳
صدقے گئی اب روتی نہیں شمر کے ڈر سے
گھر دادی کے تم آج چلی ہو مرے گھر سے
کہتی نہیں اماں ہمیں ملوا دو پدر سے
منہ موڑ گئیں مادرِ تفتیدہ جگر سے
میں روتی ہوں بیدار نہیں ہوتی ہو بی بی
چھاتی پہ دھرے ہاتھ پڑی سوتی ہو بی بی

۳۴
پتھر رکھ کے منھ اس بچی کے منھ پہ یہ پکاری
بی بی ہمیں نہیں جینے کی فرقت میں تمھاری
اصغرؑ کی طرح چھوڑ گئیں تم ہمیں واری
ہے ہے مری عاشق مری بیکس مری پیاری
مادر سے بڑے وقت میں منھ موڑ گئیں تم
اس قید میں رونے کے لیے چھوڑ گئیں تم

۳۵
ننھی سی کہاں قبر بناؤں میں تمھاری
پردیس میں کی تو نے قضا اے مری پیاری
چادر بھی نہیں جس کا کفن دوں تمھیں واری
کیا آخری خدمت کرے ماں درد کی ماری
پوشیدہ تہِ خاک جو تن ہوگا تمھارا
یہ خوں بھرا کرتا ہی کفن ہوگا تمھارا

۳۶
اس بین سے بانوؑ کے ہوا شورِ قیامت
عابدؑ کو بھی تھی چھوٹی بہن کی بڑی اُلفت
اور زینبؑ و کلثومؑ بھی روتی تھیں بہ شدت
خاموش انیسؔ آگے نہیں لکھنے کی طاقت
درگاہِ الٰہی میں یہ اس وقت دعا کر
زائر ہمیں شبیرؑ کا اے بارِ خدا کر

مرثیہ ۱

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی
بچوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
گھٹ گھٹ کے دختر شہ دیں جاں بہ لب ہوئی
مضطر کمال بنت امیر عرب ہوئی
آفت کا سامنا تھا نئی واردات تھی
زہرا کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

۲

پہلے پہل کی قید وہ اور وارثوں کے داغ
یہ رنگ تھا کہ ہووے خزاں دیدہ جیسے باغ
رونے سے اہل بیت کو اک دم نہ تھا فراغ
بے چاندنی نہ شمع نہ مشعل نہ واں چراغ
غل تھا کہ ایسے گھر بھی الٰہی جہاں میں ہیں
ثابت نہیں کہ قبر میں ہیں یا مکاں میں ہیں

۳

یوں وہ شکستہ حال تڑپتے تھے ہر نفس
دشوار جیسے صید پہ ہو تنگی قفس
جانوں کو تھی بدن سے نکل جانے کی ہوس
بازو بندھے ہوئے تھے نہ تھا کچھ کسی کا بس
دل چھاتیوں میں صورت بسمل پھڑکتے تھے
زنداں کے در سے جا کے سروں کو پٹکتے تھے

۴

اس گھر میں اہل بیت محمدؐ ہوئے تھے بند
جز کہنگی جسے نہ کسی نے کیا پسند
تنگی سے ایک ایک کو تکلیف تھی دو چند
تھوڑی سی جا مگر کہیں پست اور کہیں بلند
وہ بی بیاں اسیر تھیں اس قصر زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لیے گھر بہشت میں

مطلع دوم ۵

زنداں میں جب کہ آل پیمبر ہوئے اسیر
کونین کے امیر کھلے سر ہوئے اسیر
سب رشتہ دار حیدر و صفدر ہوئے اسیر
وحشت سرا میں عرش کے گوہر ہوئے اسیر
وہ بی بیاں اسیر تھیں اس قصر زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لئے گھر بہشت میں

۶

بستی وہ فاطمہؑ کی کہاں اور وہ گھر اجاڑ
جانوں پہ تھی بنی ہوئی قسمت کا تھا بگاڑ
کیا دل کھلیں کہ شام سے جب بند ہوں کواڑ
دیواریں تھیں بلند کہ چھاتی پہ تھے پہاڑ
گھبرا کے چھت کو بیبیاں ہر بار تکتی تھیں
ٹوٹے مکاں کی رات کو کڑیاں کڑکتی تھیں

۷

کیجے شکستگی و خرابہ کا کیا بیاں
ثابت نہ جس میں سقف نہ در اور نہ سائباں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الاماں
ظلمت سرائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

۸

مثل دل یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ
تاروں کی روشنی کو بھی ملتی تھی واں نہ راہ
چھایا تھا دل جلی ہوئی رانڈوں کا دود آہ
حجرے سے چشم تر کے نکلتی نہ تھی نگاہ
دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ محال تھا
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشم غزال تھا

۹

شب کا تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
ظاہر تھے جا بجا حشرات زمیں کے گھر
تھے وقف آشیان ابابیل سقف و در
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر
گھر تھا اجل کا خانۂ رنج و بلا نہ تھا
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا

۱۰

وہ تیرگی کہ ہو شبِ ظلمات اُس سے دنگ
ہر در بیانِ حجرۂ چشمِ بخیل تنگ
تھی واں کی صبح و شام سوادِ دیارِ زنگ
دیوار و سقف و بام و زمیں سب سیاہ رنگ
قید اُس میں تھے حرم شہِ گردوں مقام کے
کیا صبح مل گئی تھی خرابے کو شام کے

۱۱

گرمی کی فصل اور ہوا کا وہ احتباس
وہ حقیقت اُس مکاں کی اور قید کا ہراس
اندوہ کا وفور دلوں پر ہجوم یاس
مائیں جو تھلکے میں تو بچے تھے بے حواس
دیواریں بھی شکستہ تھیں در بھی جھکے ہوئے
جانیں بھی غم سے تنگ تھیں دل بھی رکے ہوئے

۱۲

ہر دم زمیں سے واں کی نکلتا تھا یوں بخار
جیسے دھواں تنور سے اٹھتا ہے بار بار
گرمی سے یوں زمیں پہ تڑپتے تھے سوگوار
جس طرح سے سپند ہو آتش پہ بے قرار
تھک تھک کے آسماں کو حسرت سے تکتے تھے
کیسے ہوائے سرد کو بچے بلکتے تھے

۱۳

جھڑتی تھی واں کی سقف سے ہر دم سروں پہ خاک
تھے گرد سے بھرے ہوئے رانڈوں کے جسمِ پاک
بھاگی تھی روشنی بھی یہ حجرے تھے ہولناک
کہتے تھے اب مکاں یہ گرا اب ہوئے ہلاک
قسمت میں ہے کہ قبر اسی جا نصیب ہو
اچھا تو ہے جو خاک کا پردہ نصیب ہو

۱۴

اک ایک سے یہ کہتی تھی زینبؑ جگر فگار
لائق نہ اس مکان کے تھے ہم گناہ گار
مجبور جو غریب ہوں کیا اُن کا اختیار
سایا تو ہے سروں پہ کرو شکرِ کردگار
بے جا ہے گر یہ حال شہِ مشرقین پر
کیا گذری ہوگی دھوپ میں نعشِ حسینؑ پر

۱۵

غارت گروں نے لوٹ لیا تھا جو پیرہن
وہ ریگِ گرم اور وہ عریانیِ بدن
ہے ہے وہ شب پہاڑ کی اور کربلا کا بن
کس طرح جاگ کے بھائی نے کاٹی کیا کرے بہن
پیاسا گلا کٹا کے سوئے جس کی راہ میں
سوتی ہے میں نے لاش اُسی کی پناہ میں

۱۶

رسی مرے گلے کی کوئی کھول دے اگر
مقتل کو ڈھونڈتی ہوئی جاؤں برہنہ سر
نکلی میں جب تو پھر نہیں درکار راہبر
رستے میں پوچھوں گی کہ ہے کربلا کدھر
ممکن ہے یہ کہ لاش کو زینبؑ نہ پائے گی
بھائی کے خوں کی بو مجھے کوسوں سے آئے گی

۱۷

کہنے لگی یہ اُٹھ کے سکینہؑ جگر فگار
لیتی چلو مجھے بھی پھوپھی تم پہ میں نثار
چھپ کر چلی گئیں تو میں روؤں گی زار زار
تم نے بھی کیا بھلا دیا دل سے ہمارا پیار
مر جاؤں گی اگر نہ پدر سے ملاؤ گی
کیا اس اندھیرے گھر میں مجھے چھوڑ جاؤ گی

۱۸

رو کر تب اس یتیم سے زینبؑ نے یہ کہا
واری کہاں میں اور کہاں دشتِ کربلا
بے کس اسیرِ دامِ بلا غم کی مبتلا
قیدی کو کون جانے کی دے گا بھلا رضا
بھائی کی لاش پاس اگر رہنے پاتی میں
زنداں میں قید ہونے کو کاہے کو آتی میں

۱۹

ہے دشت کربلا کی کوئی دن کی یاں سے راہ
گھر ہیں یزید کے یہ سر شاہ دیں پناہ
ایسے کہاں نصیب کہ حاصل ہو وصل شاہ
ہم قید اس مکاں میں ہیں بے جرم و بے گناہ
ہم سا کوئی جہاں میں نہ آفت نصیب ہو
ممکن نہیں کہ سر کی زیارت نصیب ہو

۲۰

یہ تفرقہ بھی ہوتا ہے کم زیر آسماں
ہم ہیں کہیں کہیں ہے سر شاہ انس و جاں
ہے ایک شہر پائے ہیں لیکن الگ مکاں
ہیں کس کے آگے اپنی مصیبت کریں بیاں
بیبیاں بس ہیں رشتہ دار شہ ذوالفقار کے
حاکم کے ڈر سے رو نہیں سکتے پکار کے

۲۱

کہنے لگی یہ سن کے سکینہ بہ چشم تر
حاکم کے گھر میں قید ہیں سلطان بحر و بر
ہے ہے پھوپھی نہ آئیں گے کیا اب مرے پدر
اب مجھ کو نیند کاہے کو آئے گی رات بھر
سچ کہتی ہو نہ شاہ خوش انجام آئیں گے
اماں تو کہتی تھیں کہ سر شام آئیں گے

۲۲

جب رو کے پوچھتی ہوں کہ بابا گئے کدھر
کہتا ہے کوئی دور نہیں شاہ بحر و بر
بہلاتی ہیں مجھے کہ سدھارے ہیں نہر پر
روؤ نہ تم اب آئیں گے اب آئیں گے پدر
خاطر کی بات کیا کوئی سمجھا تا نہیں
سن لیتی ہوں میں سب کی پہ دل مانتا نہیں

۲۳

سمجھاتی ہیں پھوپھی کہ اب آنسو نہ تم بہاؤ
اب عنقریب ہے کہ چچا اور پدر کو پاؤ
آرام سے سلاؤں میں گودی میں میری آؤ
کہتی ہوں اُن سے میں کہ بھلا تم قسم تو کھاؤ
سچ ہے اگر تو کس لیے بیتاب ہوتی ہو
کیوں منہ کو پھیر کر مری جانب سے روتی ہو

۲۴

ماں سے جو پوچھتی ہوں کہ تم بھی تو کچھ کہو
اس شب کو اور شہ کی جدائی کا غم نہ ہو
وہ کہتی ہیں کہ آؤ مری جان سو رہو
کہیو تم بھی جو شہ سے ملاقات کل نہ ہو
دل صبح سے اچاٹ ہے بستی اجاڑ ہے
مجھ کو تو کاٹنا اسی شب کا پہاڑ ہے

۲۵

معلوم ہو گیا مجھے بہلاتے ہیں یہ سب
کیا حاصل اس چھپانے سے شاید جیوں گی اب
تا مر نہ جانے قید میں گھٹ کر یہ تشنہ لب
میں کس بلا میں پھنس گئی یاں آکے ہے غضب
یہ لوگ تو کبھی نہ مفصل بتائیں گے
میں اپنی جان دوں گی جو بابا نہ آئیں گے

۲۶

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوا بند قفل در
گھبرا کے دیکھنے لگیں رانڈیں ادھر ادھر
زنداں میں اور ہو گئی ظلمت زیادہ تر
جز تیرگی کسی کو نہ آتا تھا کچھ نظر
تڑپے یہ دل کہ سینوں میں سانسیں اکھڑ گئیں
ماؤں سے بچے بچوں سے مائیں بچھڑ گئیں

۲۷

نظروں سے صورتیں جو ہوئیں یک بیک نہاں
چلائی بے حواسی میں بانوئے خستہ جاں
ہاتھوں سے ڈھونڈھنے لگیں بچوں کو بیبیاں
دیکھو تو بیبیو اکبر اصغر مرا کہاں
دل پر سکینہ جان کے صدمے گزر نہ جائیں
بچے مرے دل کے اندھیرے میں ڈر نہ جائیں

۲۸

پھرتا تھا گھٹنیوں ابھی یاں میرا نونہال
کہنے لگی یہ زینبِ بے کس بہ صد ملال
بچے کا میرے صاحبو رکھیو ذرا خیال
کس کی تلاش میں ہو کہاں ہے تمھارا لال
ملتا نہیں ہے پھر جسے ہاتھوں سے کھوتے ہیں
تم جس کو ڈھونڈھتی ہو وہ مقتل میں سوتے ہیں

۲۹

چھاتی کو پیٹ کر یہ پکاری وہ سوگوار
ہے دور مجھ سے ہائے مرا طفلِ شیر خوار
تو جانتی تھی میں کہ یہیں ہے وہ گل عذار
اصغر تمھارے ننھے سے لاشے کے میں نثار
اے لال دامنِ شہِ خوش خو میں سوتے ہو
ماں سے بچھڑ کے باپ کے پہلو میں سوتے ہو

۳۰

راتوں کو اٹھ کے دودھ یہ ماں اب کسے پلائے
آجاؤ ماں کے پاس اگر نیند واں نہ آئے
کس کی بلائیں پیار سے لے کس کے صدقے جائے
اُن چھوٹے چھوٹے پاؤں کو ہاتھوں سے ماں دبائے
الفت جو ہے پدر کی تو ماں کا بھی درد ہو
گود اُن کی گرم ہو مری چھاتی بھی سرد ہو

۳۱

بانو کے اس بیان پہ بلکتے تھے سب حرم
چلاتی تھی سکینہؑ کہ گھٹتا ہے میرا دم
باقرؑ پکارتے تھے کہ کیونکر جئیں گے ہم
زنداں کا در بھی ہو گیا معمول ہے ستم
کھولے گا قفل کون جو عباسؑ آئیں گے
لو اب پدر کدھر سے مرے پاس آئیں گے

۳۲

ٹکرا کے سر اندھیرے میں چلائیں گے اسیر
گرمی کے مارے اور بھی گھبرائیں گے اسیر
اب روشنی کہاں سے بھلا لائیں گے اسیر
ہے ہے یہ کیا غضب ہوا مر جائیں گے اسیر
دربانوں کو پکارو پیمبر کے واسطے
کھلوا دو قفل فاتحِ خیبر کے واسطے

۳۳

زنداں کا در کدھر ہے مجھے لے چلو شتاب
دادا ہے میرا شہرِ علومِ نبیؐ کا باب
دربانوں سے کہوں گی میں با دیدۂ پُر آب
مجھ پر کرو گے رحم تو ہو گا تمھیں ثواب
پھر کل سے بے کسوں کو نظر بند کیجیو
آلیویں بابا جان تو در بند کیجیو

۳۴

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر
دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریبِ در
دربانو جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
بے کس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

۳۵

بولا کوئی کہ کون ہے تو اے نحیف و زار
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولی وہ دل فگار
دل ہو گیا ہے تیری صدا سن کے بے قرار
آفت زدہ اسیرِ پریشان و سوگوار
چھوٹے سے سن میں قیدیِ زندانِ شام ہوں
میں دخترِ حسین علیہ السلام ہوں

۳۶

پوتی ہوں اُس کی جو کہ ہے کونین کا امیر
ایسا کریم تھا وہ دو عالم کا دستگیر
شیرِ الٰہ بادشہِ آسماں سریر
جس نے ہزاروں قید سے چھڑوا دیئے اسیر
شہرت جہاں میں ہمتِ مشکل کشائی ہے
ہم آج ہیں اسیر یہ قدرت خدا کی ہے

۳۷

کتنی نہیں ہیں یہ کہ کرو قید سے رہا
کھانے کی کچھ طلب ہے نہ پانی کی التجا
چھٹ جائیں گے کبھی کہ اسیروں کا ہے خدا
ہاں قفل کھول دو گے تو دوں گی تمھیں دعا
جائیں گے ہم کہاں کہ تمھارے حوالے ہیں
بابا حسینؑ آج کی شب آنے والے ہیں

۳۸

اصغرؑ ہے اُن کے ساتھ یقیں ہے کہ جلد آئیں
چوکی کے لوگ سو رہیں در پر مجھے بٹھائیں
ایسے نہیں ہیں وہ کہ مجھے رات بھر رلائیں
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کہیں آ کے پھر نہ جائیں
نیند آئے گی نہ مجھ کو بہت بے قرار ہوں
بھاگے گی کوئی اسیر تو میں ذمہ دار ہوں

۳۹

منظور ابھی نہیں تمھیں در کھولنا اگر
دے جاتی ہوں پتہ تمھیں اُن کا میں نوحہ گر
آ کر پکاریں شاہ تو تم کھول دیجیو در
معلوم ہوگا صاف کہ طالع ہوا قمر
بو زلفِ مشک فام کی مہکے گی دور سے
چھٹکے گی چاندنی رخِ روشن کے نور سے

۴۰

باندھے ہیں مصطفٰےؐ کا عمامہ وہ تاجدار
ہالہ سا گرد ماہ کے ہے خطِ مشک بار
اور ہے نشانِ سجدہ ستارہ سا آشکار
زیبِ کمر ہے شیرِ الٰہی کی ذوالفقار
گہ ذکرِ حق ہے گاہ زباں پر درود ہے
سوکھے لبوں سے پیاس کی شدت نمود ہے

۴۱

ساتھ اُن کے ہوئے گا علی اکبرؑ سا گل عذار
تصویر ہے نبیؐ کی سراپا وہ ذی وقار
گیسو لٹکتے ہیں رخِ روشن پہ اُس کے چار
یوسفؑ ہیں مصرِ حسن کے بھائی کے ہیں نثار
انجم فلک پسینے کے قطروں سے ماند ہیں
دنیا کی روشنی ہیں اندھیرے کے چاند ہیں

۴۲

ہوں گے جلو میں حضرتِ عباسؑ نوجوان
اُس شیر کا نشان یہ ہے اور یہ شکوہ و شان
ہوتا ہے جس سے دبدبۂ شیرِ حق عیاں
اک دوش پر تو مشک ہے اک دوش پر نشاں
قمری تو قد پہ چال پہ صدقے تدرو ہیں
نامِ خدا علیؑ کے گلستاں کے سرو ہیں

۴۳

مجھ بن نہ سوئے ہوں گے شہنشاہِ خوش خصال
تم دیکھ لیجیو مجھ سے ہے اُلفت انھیں کمال
بے خواب میں ہوں اُن کو بھی ہوگا مرا خیال
آتے ہی تم سے پوچھیں گے پہلے یہی مرا حال
میں خود کہوں گی مجھ پہ جو آفت گزر گئی
مر جائیں گے پدر یہ نہ کہنا کہ مر گئی

۴۴

ہوتے نہیں عزیز کسے دختر و پسر
سوتی تھی اُن کی چھاتی پہ منہ رکھ کے رات بھر
پر مجھ کو چاہتے ہیں وہ سب سے زیادہ تر
زنداں میں اب زمیں پہ تڑپتی ہوں تا سحر
موقوف اُن پہ میری حیات و ممات ہے
آنے کا ہے یہ دن یہی وعدے کی رات ہے

۴۵

بولے نگہباں کہ ذرا دھیان ہے کدھر
بے صبح کے ہوئے نہیں کھلنے کا قفلِ در
جاناں کے پاس بیٹھ کہاں تو کہاں پدر
کیا شمر کے طمانچوں کا تجھ کو نہیں ہے ڈر
دن کو بھی روتی رہتی ہے شب کو بھی روتی ہے
لے ہم کو سونے دیتی ہے نے آپ سوتی ہے

۴۶

ماں ابھی سے کاہے کو کرتی ہے شور و شین
رونے سے تیرے شب کو بھی ملتا نہیں چین
جا قفل کھول دیں گے بھلا آئیں تو حسینؑ
ہر وقت کے نہ بین جانے اپنا تیرے بین
بلوائیں شمر کو تری تعزیر کے لیے
رونا نہ کم کرے گی تو شمشیر کے لیے

۴۷

ماں ہنیں قید ہو گئیں آتش سے گھر جلا
کھائے طمانچے جب تو ترا زور کب چلا
آیا بچانے کوئی برے وقت میں بھلا
کس دلوے آکے شمر نہ رسی سے بھر گیا
ماں سے چھٹے تو اور بھی صدمہ دو چند ہو
ایسا نہ ہو جدا کسی حجرے میں بند ہو

۴۸

یہ بات سن کے سہم گئی وہ جگر فگار
دالان سے پکاری یہ بانوئے نامدار
دروازے سے سرک کے لگی رونے زار زار
بی بی کدھر گئیں ادھر آؤ یہ ماں نثار
گھبرا کے کون در سے چلاتی پھرتی ہو
واری کہاں اندھیرے میں ٹکراتی پھرتی ہو

۴۹

زنجیر در مستورات کو کھولیں گے یہ لعیں
پست و بلند خانۂ زنداں کی ہے زمیں
ماں صدقے جائے ٹھوکریں کھائے کوئی کہیں
گھبرا کے گر پڑو نہ اندھیرے میں تم کہیں
دشمن ہر اک ہے لشکر اہل عناد میں
سونا بھی آج بھول گئیں شہ کی یاد میں

۵۰

بولی سکینہ جان رہے تن میں یا کہ جائے
بے جرم کان زخمی ہوئے اور طمانچے کھائے
بیٹھی ہوں جب تلک کہ سواری پدر کی آئے
جو چاہے مجھ فلک کی ستائی کو پھر ستائے
دل کیا ہے یاں نہ بیٹھ کے آنسو بہاؤں میں
اچھا مجھے پدر سے ملادو تو آؤں میں

۵۱

اکبر کے صدقے جاؤ بلاؤ ہمارا پیار
مشکل ہے صبر دل پہ مرا کیا ہے اختیار
سمجھو کہ ایک بچی ہوئی باپ پر نثار
اب کوئی دم تن سے نکلتی ہے جان زار
راحت بہت نصیب میں کم لے کے آئے ہیں
اتنی ہی عمر خلق میں ہم لے کے آئے ہیں

۵۲

اصغر کو اپنی گود میں لو مجھ سے کیا ہے کام
تم اپنے دل میں سمجھو کہ میں ہو گئی تمام
پیاری تھی سارے گھر کی میں جب تلک امام
اماں بس اب پکارو نہ لے کے میرا نام
سبط رسولؐ سے مجھے پیارا نہیں کوئی
بابا ہی جب نہیں تو ہمارا نہیں کوئی

۵۳

بچی سے رو کے بولی یہ بانوئے تشنہ لب
میں نے ہی شہ سے تم کو چھڑایا ہے بے سبب
ہاں بی بی سچ ہے میری ہی تقصیر ہے یہ سب
لو آؤ بس معاف کرو جرم ماں کا اب
جو بیا ہو کہو تو ایسی ہی تقصیر وار ہوں
سمجھو نہ ماں یہ جانو کہ خدمت گزار ہوں

۵۴

صدقے تھی جان تک مری گھر بار کیا ہے چیز
سب سے سوا تھے یوسف زہراؑ تمہیں عزیز
میں اک تمہارے باپ کی ادنی سی ہوں کنیز
میں جانتی ہوں کیا بیٹے اتنی نہیں تمیز
واری گلا جو ماں کا کیا سب بجا کیا
میں نے تمہارے باپ سے تم کو جدا کیا

۵۵
بابا کے آگے سچ ہے بھلا ماں کی قدر کیا
بیزار تم ہو مجھ سے میں اصغرؑ سے ہوں خفا
کس رائے میں وہ احمدِ مرسل کا دلربا
پوچھی خبر نہ ماں کی دیا ساتھ باپ کا
بیٹوں کا کیا گِلا ہے بھلا وہ تو دو ہیں
تقصیر وار ہیں ہمیں سب بے قصور ہیں

۵۶
مشہور ہے کہ چاہتے ہیں باپ کو پسر
اک بدنصیب ہم ہیں کہ مر جائیں بھی اگر
بیٹی کو ماں سے ہوتی ہے الفت زیادہ تر
بیٹوں کو کچھ خیال نہ بیٹی کو کچھ خبر
گو ہم نہ ہوں عزیز وہ ہم کو تو پیار ہیں
ماں سمجھی یا نہ سمجھیں سب آنکھوں کے تارے ہیں

۵۷
روتی ہوئی یہ کہہ کے اٹھی بانوے حزیں
روتی تھی منھ کو کرتے سے ڈھانپے وہ مہ جبیں
بیٹی کو ڈھونڈھتی ہوئی دروازے تک گئیں
پاس آ کے ماں نے سر سے قدم تک بلائیں لیں
سر کو جھکا کے پہلے تو وہ پیچھے ہٹ گئی
پھر ننھے ہاتھ اٹھا کے گلے سے لپٹ گئی

۵۸
لے آئی ماں گلے سے لگا کر بچشم تر
بیٹھیں اسیر بیبیاں سب گرد آن کر
چپ ہو کے اُن کی گود میں لیٹی وہ نوحہ گر
ہاتھوں سے کوئی پاؤں دباتی تھی کوئی سر
ماں لیتی تھی بلائیں پھوپھی صدقے جاتی تھی
بابا بغیر نیند اُسے لیکن نہ آتی تھی

۵۹
ماں کہتی تھی تھپک کے مری جان سو رہو
فرماتی تھیں پھوپھی کہ میں قربان سو رہو
زخمی ہیں پھر نہ دُکھنے لگیں کان سو رہو
کبریٰ یہ کہتی تھی بس اک آن سو رہو
جی چاہتا ہے چین ملے کوئی دم تمہیں
بابا جب آئیں گے تو جگا دیں گے ہم تمہیں

۶۰
کہتی تھی ایک ایک سے رو کر وہ ماہ رو
کیا نیند آئے غم سے جگر ہو گیا لہو
تھی شہ کے ساتھ شام سے سونے کی مجھ کو خو
سینہ کہاں وہ چاند سا اور اب کہاں وہ بو
تھوڑا ستم سہا ہے بچھڑ کر حسینؑ سے
سوؤں گی اب تو قبر میں جا کر ہی چین سے

۶۱
لوگو بس اب رکھو نہ مری زندگی کی آس
ماں نے کہا کرو نہ مری جاں کلام یاس
بابا تو آ چکے ہیں جائیں گے اُن کے پاس
باتیں یہ سن کے اور میں ہوتی ہوں بے حواس
اصغرؑ تو جا کے بھول گئے ماں کی یاد کو
کیا تم بھی بھول جاؤ گی اس نامراد کو

۶۲
بی بی تمھیں بتاؤ بھلا ماں کا کیا قصور
صادق ہے اپنے قول کا وہ کبریا کا نور
بابا اگر ہیں دور تو میں تو نہیں ہوں دور
اتنا کہوں گی میں کہ حسینؑ آئیں گے ضرور
کیا دو گی ہم کو آج جو بابا کو پاؤ گی
پر یاد رکھیو یہ کہ ہمیں بھول جاؤ گی

۶۳
تم کو سکھانے رکھتی ہوں جس دم پدر ملے
ماں واری سچ ہے غنچۂ دل کس طرح کھلے
صدقے گئی نہ آنے کے مجھ کو بہت گلے
یوں اُس کو بھول جاتے ہیں جو باپ سے ملے
دفتر مصیبتوں کا بھی اپنے نہ کھولوں گی
تم جب تلک نہ بولو گی میں بھی نہ بولوں گی

۶۴

سچ ہے کہ صاحب اُن کی یہ بھائی نہ مجھ کو بات
بوسے جو منھ کے لینے لگیں شاہ خوش صفات
بچی کو میری غم ہے مجھے تلخ ہے حیات
رکھ دیجیو اپنے چہرے پہ تم چھوٹے چھوٹے ہات
آزردگی ہے یہ جگہ کیوں چلے گئے
اصغر کو ساتھ لے کے گئے تم کو نہ لے گئے

۶۵

اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
رونے لگیں گے ڈھونڈھ کے جب وہ ادھر اُدھر
اماں میں چپ رہوں گی بھلا آئیں تو پدر
اس وقت گر پڑوں گی میں قدموں پہ دوڑ کر
اتنا تو کہہ دو مجھ سے اگر مر نہ جاؤں گی
صدقے تمھارے منھ کے میں بابا کو پاؤں گی

۶۶

میرے طمانچے کھانے کا اُن سے نہ کہیو حال
ہوئے گا غیظ سے علی اکبرؑ کا رنگ لال
اماں بہت بگڑیں گے شہنشاہ خوش خصال
عباسؑ نامدار کو آجائے گا جلال
منظور ہے کہ قیدِ ستم سے رہائی ہو
ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں اُن سے لڑائی ہو

۶۷

کیوں اماں جان! قبلۂ عالم ابھی جو آئیں
جیتا خدا کرے علی اصغرؑ کو ساتھ لائیں
رو کر کس اشتیاق سے بچے کو گلے لگائیں
صدمے جو گزرے ہیں ابھی سب مجھ کو بھول جائیں
سو جاں سے میں نثار شہ خوش خصال کے
کیا سوؤں ہاتھ چاند سی گردن میں ڈال کے

۶۸

لے کر بلائیں بانو نے بے کس نے یہ کہا
سمجھو تم اب یہیں انھیں عرصہ نہیں ذرا
اے عاشق پدر تری باتوں کے میں فدا
آئے کوئی گھڑی میں شہنشاہِ کربلا
بابا سے ہم بغل تمھیں ہونا نصیب ہو
چھاتی پہ اُن کی رات کو سونا نصیب ہو

۶۹

صدقے گئی جب آئیں شہنشاہِ انس و جاں
تقصیر جو ہوئی وہ تمھیں بخشو واری ماں
پیار اگلا نہ کیجیو تم اُن سے سکینہؑ جاں
آزردہ مجھ سے ہوں گے بہت سرور زماں
لشکر یزید کا دم غارت نہ ٹل سکا
سیلی لگائی جب تو مرا بس نہ چل سکا

۷۰

بچی سے ماں نے کہیں جو یہ باتیں بہ چشم تر
سب ہو گئے خموش اسیران نوحہ گر
جاگی بہت تھی سو رہی وہ عاشق پدر
بدلی نگاہ بانو نے جو کی بجا پہر
فاقوں میں قیدیوں نے ادھر شکر رب کیا
اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

مطلع سوم ۷۱

زنداں میں مضطرب تھے اسیران نوحہ گر
بیٹھی تھیں فرش خاک پہ رانڈیں برہنہ سر
وہ ہولناک شب وہ اندھیرا کہ الحذر
بدلی نگاہ بانو نے جو کی بجا پہر
فاقوں میں قیدیوں نے ادھر شکر رب کیا
اور اُس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

۷۲

جلدی محلسرا میں روانہ ہوا طعام
کہا ہند کو بلاؤ یہ بولا امیر شام
خاصہ چنا خواصوں نے با زینت تمام
تب اک کنیز خاص نے اس سے کیا کلام
خاصہ نہ دن کو نوش کیا ہے نہ سوئی ہیں
بی بی سحر سے آج کئی بار روئی ہیں

۷۳

لپٹی رہی ہیں منہ کو لپیٹے بہ صد ملال
کنگھی نہ سر میں کی ہے نہ سرمے کا ہے خیال
چہرہ ہے زرد رونے سے آنکھیں ہیں دونوں لال
کیوں دل گرفتہ ہیں نہیں کھلتا کسی پہ حال
حمام نے کیا ہے نہ کپڑے بدلتی ہیں
منہدی کے بدلے وہ کف افسوس ملتی ہیں

۷۴

گہنا اتار ڈالا ہے یوں جی میں آئی ہے
تکیہ ہے تر یہ اشکوں کی ندی بہائی ہے
بے وجہ سوگواروں کی صورت بنائی ہے
مسند پہ بیٹھنے کی قسم کل سے کھائی ہے
یہ شکل رنج و غم کی ہے اس با تمیز کی
جیسے سنائی آئے کسی کے عزیز کی

۷۵

بولا خبر یہ سنتے ہی وہ بانیِ ستم
دوڑیں یہ حکم سن کے خواصیں کئی بہم
جا کر کہو کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم
ناچار ہندہ آن کے بیٹھی بہ چشم نم
ہرگز یزید کی تو نہ جانب نگاہ کی
دیکھا طعام گرم تو اک سرد آہ کی

۷۶

پوچھا یزید نے کہ ہے کچھ بد مزہ مزاج
ہے ظلم اور ستم کا ترے عہد میں رواج
بولی یہ ہندہ ہوتا ہے ہاں درد دل میں آج
اپنے جگر کے زخم کا میں کیا کروں علاج
تجھ کو تو عید ہے مجھے صدمے گذرتے ہیں
یہ کون ہیں جو راتوں کو فریاد کرتے ہیں

۷۷

بتلا یہ سب اسیر مسلماں ہیں یا نہیں
محبوب کبریا کے ثنا خواں ہیں یا نہیں
قوم ان کی کیا ہے صاحب ایماں ہیں یا نہیں
آیا یہ لوگ قائل قرآں ہیں یا نہیں
سنتی ہوں بے کس ان سے نہ ہوں گے زمانے میں
یہ کس خطا پہ قید ہوئے قید خانے میں

۷۸

ہیں کیا یہ لوگ منکر پیغمبر اِلٰہ
کیوں ہاتھ سب کے باندھے ہیں کھلتا نہیں یہ آہ
شاید نہیں علیؑ کے گھرانے سے اُن کو راہ
کاٹا ہے کس کا سر کسے لوٹا ہے بے گناہ
کافر ہے وہ عناد جسے پنجتن سے ہے
کیا دشمنی پھر ان کو حسینؑ و حسنؑ سے ہے

۷۹

کوئی اگر کہے بھی تو میں مانتی ہوں کب
میں سن چکی ہوں آپ صدائے نماز شب
ابرار و حق پرست ہیں قیدی یہ سب کے سب
فاقوں میں بھی وہ کرتے تھے تا صبح شکر رب
گرمی سے گو کہ سینوں میں دم اُن کے رکتے ہیں
نالوں کے ساتھ سجدے میں بچے بھی جھکتے ہیں

۸۰

قیدی ہیں پر قضا کبھی ہوتی نہیں نماز
آواز میں سنا نہیں یہ سوز یہ گداز
رکھتے ہیں پانچوں وقت زمیں پر سر نیاز
سجدے میں حق سے کہتے ہیں کچھ اپنے دل کا راز
چھوٹے بڑوں کی عادت طاعت گزاری ہے
آنکھوں پہ ہر درود زبانوں پہ جاری ہے

۸۱

قیدی ہے ظاہرا کوئی بیمار و ناتواں
آواز اک ضعیف سی آتی تھی ہر زماں
معلوم کچھ نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا جواں
کیا کراہتا ہے سحر تک وہ نیم جاں
یہ درد ہے صدا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
رونے پہ اس کے لوگ محلے کے روتے ہیں

۸۲
کرتا ہے جب تلاوت قرآں وہ حق کا نور
رشتہ کچھ اس کو مصحف ناطق سے ہے ضرور
ہوتا ہے لحن حضرت داؤد کا ظہور
قرآں کے حرف حرف کے معنے پہ ہے عبور
تقریر کیا فصیح ہے کیا خوش بیان ہے
گویا زباں اس کی خدا کی زبان ہے

۸۳
دن بھر تو اس کو رہتا ہے غش اور درد سر
واللہ کیا دعاؤں کے فقروں میں ہے اثر
کرتا ہے نصف شب سے مناجات تا سحر
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
شاید کوئی عزیز شہ مشرقین ہے
صورت حسن میں حسنؑ صدائے حسینؑ ہے

۸۴
کہتے ہیں صبر و شکر اسے اللہ رے حوصلہ
جاری ہے صبح و شام عبادت کا سلسلہ
شکوہ نہ طوق کا ہے نہ زنجیر کا گلہ
ہر دم رواں ہے چشم سے اشکوں کا قافلہ
گردن جھکی ہوئی ہے خدا پر نگاہ ہے
لب پر کبھی تو آہ کبھی لا الٰہ ہے

۸۵
سنتی ہوں سنگتے ہیں بچے بھی دو چار ہیں اسیر
رونے سے اُس کے لگتے ہیں میرے جگر پہ تیر
لڑکی بھی کوئی قید ہے رشکِ مہِ منیر
کیا قہر ہے یہ ظلم غریبوں پہ اے امیر
دکھ دے کسی کو یہ نہیں عادت کریم کی
قرآں میں کی ہے حق نے سفارش یتیم کی

۸۶
اے سست رائے طلب کو اتنا بھی کر نہ سخت
سبتے ہیں سر جھکائے ہوئے بارور درخت
عقبیٰ میں رو سفید ہو تو او سیاہ بخت
ڈر ہے مجھے کہیں نہ اُلٹ جائے تیرا تخت
حاکم کو خوف چاہیئے قہر اِلٰہ سے
اکثر گری ہے برق یتیموں کی آہ سے

۸۷
کرتے ہیں لطف و رحم فقیروں پہ اغنیا
خالق نے اپنے ملک کا حاکم تجھے کیا
عقبیٰ میں کام آتا ہے یاں کا دیا لیا
جز نام نیک کون جہاں میں سدا جیا
زنداں میں قیدیوں کا بہت حال غیر ہے
کچھ خیر کر کہ خیر سے عقبیٰ بخیر ہے

۸۸
قاروں کا گنج او ستم ایجاد کیا ہوا
تھا پہلے وہ جو بانیٔ بیداد کیا ہوا
نمرود کس طرف گیا شداد کیا ہوا
فرعون بد نہاد سا جلاد کیا ہوا
وہ قبر میں ہیں آج جو کل تھے رواق میں
ڈھونڈو تو خاک بھی نہیں کسریٰ کے طاق میں

۸۹
گرمی کی فصل اور یہ مکاں تنگ ہائے ہائے
فاقے سے ہوں وہ قید میں اور نعمتیں تو کھائے
اب رحم کر ارے کوئی معصوم مر نہ جائے
پانی تو پیاس میں کوئی جا کر اُنھیں پلائے
دل سے بھلا نہ وعدۂ روز نخست کو
بیمار کو دوا نہ غذا تندرست کو

۹۰
کھانے کو میں نہ ہاتھ لگاؤں گی کیسی بھوک
اُن کے بغیر مجھ کو یہ کھانا ہے مثل خوک
اُٹھتی ہے بار بار کلیجے میں میرے ہوک
یہ بے کسوں پہ ظلم غریبوں سے یہ سلوک
خوش ہوگا حق دلوں کو یتیموں کے شاد کر
کیا رحم تھا کرم کو محمدؐ کے یاد کر

۹۱
کافر کے گھر کو بھی کبھی لوٹا نہ بعدِ جنگ
جو ہاتھ آیا دے دیا سائل کو بے درنگ
چادر گلے میں ڈال کے کھینچا ہوئے نہ تنگ
عسرت یہ تھی کہ فاقوں میں باندھا شکم پہ سنگ
اس بادشاہِ دیں کو نہ کچھ فکر اور تھی
رانڈوں کی پرورش تھی یتیموں کی غور تھی

۹۲
یکساں تھا خُلق آپ کا شاہ و فقیر سے
آتیں تھیں پرورش کی یتیم و یسیر سے
بہلاتے تھے فقیر کو بدتر امیر سے
کرتے تھے پیار اُنھیں اطفالِ شہد و شیر سے
ہر شب کو قیدیوں کی خبر لینے جاتے تھے
دو دن کے بعد نان جویں آپ کھاتے تھے

۹۳
تھا حال فاطمہؑ کا بھی علیٰ ہٰذا القیاس
دنیا میں تھی اگر تو انھیں ایک فدک کی آس
صرف رہِ کرم تھا جو کچھ تھا اُن کے پاس
جب چھن گیا تو کرتی تھی فاقے وہ حق شناس
دو دن نہ جسمِ پاک میں پوشاکِ نو رہی
خود اٹھ گئیں جہان سے چادر گرو رہی

۹۴
ہے آج تک جہاں میں علیؑ کے کرم کا شور
تھا بازوئے رسولؐ میں دستِ خدا کا زور
ہر ایک کی زباں پہ ہے لقبِ فقیر کور
پیدا ہوئے کرم نہ گوارا تھا رنجِ مور
کی اس نے کچھ زباں سے شکایت تو ڈر گئے
کاندھے پہ رکھ کے مشک ضعیفہ کے گھر گئے

۹۵
رانڈوں کے وارث اور یتیموں کے تھے پدر
ہر دم حسینؑ پر یہ تقید تھی اے پسر
قاتل پہ مرتے مرتے رکھی رحم کی نظر
قیدی کے بھی طعام کی رکھیو ذرا خبر
راضی نہ اُس کے قتل پہ مشکل کشا ہوئے
مشکیں جو باندھ دیں تو سبھوں سے خفا ہوئے

۹۶
خلقِ خدا ہے معترفِ خُلقِ مجتبیٰ
بادش بخیر ذکر کروں کیا حسینؑ کا
دریائے فیض ابرِ کرم منبعِ سخا
آقا کو دے گیا وہ سلامت رکھے خدا
دونوں جہاں میں کیا برکت ایک دم سے ہے
قائم جو ہے زمیں تو انھیں کے قدم سے ہے

۹۷
دنیا ہوا او رحسینؑ میں اس نام کے نثار
ہے بات بات میں کرمِ شاہِ ذوالفقار
فیضِ نبیؐ تو عصمتِ خاتونِ روزگار
اور خُلق میں نظیرِ حسنؑ ہے وہ ذی وقار
خوبی پسروں کی شہ مشرقین میں
یہ جمع کس قدر حسنات ایک حسینؑ میں

۹۸
بچپن میں بھی فیضِ صحبتِ مولا سے بہرہ ور
نیلے نشاں ہیں جا بجا کاندھوں پہ جلوہ گر
پیدا کیا ہے حق نے عجب طرح کا بشر
لے کر اناج جاتے ہیں خود بے کسوں کے گھر
اس پر بھی ہر گھڑی یہ دعا ہے اللہ سے
یارب بچا تو مجھ کو بارِ گناہ سے

۹۹
اکثر سالکِ طریقِ ہدایت کے ہیں فدا
ناقے تو پیچھے ہوتے ہیں آگے وہ مقتدا
یثرب سے حج کو آتے ہیں اکثر پیادہ پا
خالق نے اُن پہ ختم کیا زہد و اتقا
اس سال بھی سنا ہے کہ تشریف لائے ہیں
کعبے میں اہلبیت بھی ہمراہ آئے ہیں

۱۰۰

کیا جانے رنج سے کہ بعد سدھارے ہیں وہ کدھر
راتی ہوں اس خیال میں پہروں میں نوحہ گر
لونڈی نے پھر سنی نہیں آقا کی کچھ خبر
کیسے میں گھر گئے ہوں نہ سلطانِ بحر و بر
مچی ہے دھوم کچھ دنوں سے جدال و قتال کی
یارب تو خیر کیجیو زہرا کے لال کی

۱۰۱

اس خاندان میں کون رہا ہے سوائے شاہ
آگاہ ہوں کہ شاہ سے کینہ تجھے تھا آہ
قائم رکھے جہان میں شہ کو مرا اِلٰہ
ہے ہے کیا نہ ہو کہیں زہرا کا گھر تباہ
بیتاب ہوں خیالِ شہِ نیک نام میں
شہزادیاں اسیر نہ ہوں فوجِ شام میں

۱۰۲

وسواس کا مقام تردد کی ہے یہ جا
پھر تھا نہ شک مجھے کوئی ہوتا جو دوسرا
روتے ہیں نام لے کے یہ قیدی حسینؑ کا
گر ہے تو اک حسینؑ ہے زہرا کا دل ربا
اس نام پاک سے برکت ہے جہان میں
عقدے وہ کھول دیتے ہیں سب ایک آن میں

۱۰۳

کیں ہند نے یہ درد کی باتیں جو ایک بار
اللہ رے جوشِ ماتمِ سلطانِ نامدار
ہر قلب پہ ستم کی چلی تیغِ آبدار
رویا جھکا کے سر کو یزیدِ زبوں شعار
خنجر غمِ حسینؑ کا دشمن پہ چل گیا
کیا نام میں اثر ہے کہ پتھر پگھل گیا

۱۰۴

رو کر پھر اس سے کہنے لگی ہند خوش سیر
گر کہے تو دیکھ آؤں انہیں جا کے اک نظر
ہوں بے قرار صورتِ بسمل میں نوحہ گر
شاید انہیں سے شہ کی مفصل سنوں خبر
ہیں غیر یا عزیز شہِ انس و جاں کے ہیں
دریافت تو کروں کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں

۱۰۵

ناچار ہو کے ہند سے ظالم نے یہ کہا
واں جائے اور ہوئے گا تجھ کو قلق سوا
جا دیکھ آ انہیں مرا نقصان ہے اس میں کیا
سنتے ہی یہ کلام اٹھی ہند باوفا
پہلو میں مضطرب تھا دل اس حق پرست کا
اٹھتے ہی جلد حکم دیا بند و بست کا

۱۰۶

سب عورتوں کو لے کے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ ملکے ہیں بدل ڈالیے لباس
کہنے لگیں یہ تب جو کنیزیں تھیں آس پاس
اس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجومِ یاس
اک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آتی ہوں
کیا لباس کیا کسی شادی میں جاتی ہوں

۱۰۷

پہلے ہی کپڑے چاہیے جب دل پہ ہو ملال
کوئی کبھی وہ کیا کرے کہ پریشاں ہو جس کا حال
کچھ سوچ ہے مجھے نہ کچھ اور ہے خیال
ہے سر کا گوندھنا بھی مجھے اس گھڑی وبال
جی چاہتا ہے یہ کہ گریبان چاک ہو
کپڑے تو سب سیاہ ہوں اور سر پہ خاک ہو

۱۰۸

لازم ہے جرم غم میں عزادار بن کے جائے
واں وارثوں کا سوگ ہے کپڑے کسے دکھائے
خود روئے پیٹے بین کرے اور انہیں رلائے
روتا ہے دل مقام ہے عبرت کا ہائے ہائے
کپڑے بدل کے رانڈوں میں جانا روا نہیں
ان میں چلی ہوں جن کے سروں پر ردا نہیں

۱۰۹

نکلی محل سرا سے یہ کہہ کر وہ خوش سیر
پہونچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
تھیں ساتھ ساتھ چند خواصیں بھی نوحہ گر
رنگ اڑ گیا یہ کہنے لگیں سر کو پیٹ کر
اپنا نہیں خیال بزرگوں کا پاس ہے
ہے ہے کہاں چھپوں وہ مری روشناس ہے

۱۱۰

بے شرم کی جگہ کہ میں ہوں خواہر امام
ہم ہیں فقیر، ہم میں امیروں کا کیا ہے کام
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجو کہیں اس کو میرا نام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینبؑ کدھر گئی
کہہ دیجو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

۱۱۱

سن کر ہر اک سے بانوئے ناشاد نے کہا
لوگو خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا
کیا حاصل اضطراب سے قسمت کا جو لکھا
رو رو کے سو گئی ہے ابھی میری دل ربا
پھر حشر قید خانے میں ہوگا جو روئے گی
چونکی اگر تو صبح تلک پھر نہ سوئے گی

۱۱۲

چپ ہو گئے یہ سن کے اسیران نوحہ گر
آئی سواری زن حاکم قریب در
جا بیٹھی ایک گوشے میں زینبؑ جھکا کے سر
درباں بھی دور ہٹ گئے دروازہ کھول کر
وحشت پہ قید خانے کی جس دم نگاہ کی
ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے خواصوں نے آہ کی

۱۱۳

دل ہند کا تو رندھ گیا تھرا گیا جگر
دیکھا کوئی مکاں نہیں تاریک اس قدر
بولی ٹھہر کے ڈیوڑھی پہ یہ قبر ہے کہ گھر
پوچھو کوئی کسی سے کہ ہیں بی بیاں کدھر
ایسا بھی ظلم کرتا ہے کوئی جہان میں
بندے خدا کے بند ہیں ایسے مکان میں

۱۱۴

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیاں
چلئے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں
بی بی کوئی اسیروں میں زندہ نہیں، ہے یاں
قابل نہیں حضور کے جانے کا یہ مکاں
اگر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابے میں جایا نہ جائے گا

۱۱۵

آزردہ ہو کے کہنے لگی ہند نوحہ گر
آخر جو اس میں قید ہیں وہ بھی تو ہیں بشر
عبرت کا یہ مقام ہے لونڈی خدا سے ڈر
تاراج یوں جہاں میں نہ ہووے کسی کا گھر
جانے وہی کلیجے پہ جس کے چھری لگے
ایسی نہ بات کہہ کہ خدا کو بری لگے

۱۱۶

یہ بات کہہ کے آگے بڑھی وہ بصد الم
حلقہ گلے میں طوق کا زنجیر میں قدم
اک آفتاب دیں نظر آیا اسیر غم
بولی ٹھہر کے وہ کہ زہے شوکت و حشم
انساں ہے یہ اندھیرے میں یا شمع طور ہے
آئی ندائے غیب کہ خالق کا نور ہے

۱۱۷

بڑھتی ہوئی درود گئی جب قریب تر
غل عورتوں میں تھا یہ فرشتہ ہے یا بشر
اللہ رے حسن کرنے لگی خیرگی نظر
اترا ہے آسماں سے خرابے میں یا قمر
رتبے میں ہے بزرگ نسب میں جلیل ہے
ثابت ہے ضعف سے کہ نہایت علیل ہے

۱۱۸

کوئی بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
اے بے کسِ اسیر و بلا تیرے میں نثار
یہ ہے گلا یہ چاند سا اور طوق خاردار
یہ گوری گوری پنڈلیاں زنجیر سے فگار
لو گو بزرگ اس کے مقرر اسیر ہیں
گویا جنابِ یوسفِؑ کنعاں اسیر ہیں

۱۱۹

بولی کوئی کہ عابد و زاہد ہے یہ جواں
گھٹا جبیں پہ کثرتِ طاعت کا ہے نشاں
ایماں کا نور چہرۂ انور سے ہے عیاں
دیکھا نہیں حیا سے کہ ہیں کون بی بیاں
برحق شریف قوم یہ گردوں اساس ہے
اشراف کو ہر ایک کی حرمت کا پاس ہے

۱۲۰

جو غیر کی طرف نہ حیا سے کرے نظر
ہاں ہنہیں ایسے شخص کی بلوے میں ننگے سر
یہ خیر ہو سے جس کی طبیعت میں اس سے شر
ٹوٹے غضب خدا کا لعینوں کی جان پر
تقوی یہ اس کی عفت و عصمت گواہ ہے
قرآں ہم اٹھائیں کہ یہ بے گناہ ہے

۱۲۱

افسوس ایسے بندۂ صالح پہ یہ تعب
زنداں میں کاٹتا ہے تڑپ کر تمام شب
بستر زمیں کا اور یہ تنِ زار ہے غضب
آنکھیں جو بند ہیں یہ نقاہت کا ہے سبب
ہے خامشی دلیل عبادت کے شوق کی
گردن جھکی ہوئی ہے گرانی سے طوق کی

۱۲۲

باتیں یہ کر کے بی بیاں روتی تھیں زار زار
سینے میں تھا مگر نہ دلِ ہند کو قرار
کہتی تھی دیکھ کر رخِ اقدس کو بار بار
کس ملک کا رئیس ہے یارب یہ ذی وقار
آنکھوں میں صاف پھرتی ہے صورت امام کی
تصویر ہے حسینؑ علیہ السلام کی

۱۲۳

آخر دبا کے پاؤں یہ بولی وہ نیک نام
اٹھیے کہ دیر سے میں کھڑی ہوں لیے سلام
بولے یہ آنکھیں کھول کے مولائے خاص و عام
اس بیکس و یتیم و بلاکش سے کیا ہے کام
ہجرِ پدر میں تلخ ہے لذت حیات کی
طاقت نہ آنکھیں کھولنے کی ہے نہ بات کی

۱۲۴

بولی یہ ہند کب سے علالت ہے میں نثار
فرمایا ساتویں سے محرم کی ہے بخار
اس نے کہا طبیب کو دکھلاؤ حالِ زار
فرمایا خیر شافیِ مطلق ہے کردگار
راضی ہیں اس پہ ہم جو رضائے حبیب ہے
دی ہے یہ تپ اسی نے جو سب کا طبیب ہے

۱۲۵

رنج و بلا کو لطفِ خدا جانتے ہیں ہم
دکھ میں کراہنے کو گلا جانتے ہیں ہم
ہر دردِ جاں ستاں کو دوا جانتے ہیں ہم
عارض ہو عارضہ تو شفا جانتے ہیں ہم
کچھ غم نہیں مرض سے اگر حال غیر ہے
صحت ہماری یہ ہے کہ عقبیٰ بخیر ہے

۱۲۶

ایذا کو چین رنج کو راحت سمجھتے ہیں
تیروں کو تیغ شور کو لذت سمجھتے ہیں
صابر ہیں نانِ جو کو بھی نعمت سمجھتے ہیں
مرنے کو راہِ حق میں سعادت سمجھتے ہیں
عسرت ہو دکھ ہو قید ہو فاقہ کشی رہے
دولت یہی بڑی ہے کہ خالق خوشی رہے

۱۲۷

یہ ذکر سن کے رونے لگی ہندِ باوفا
گردن جھکا کے قبلۂ چارم نے یہ کہا
کی عرض کیا ہے اسمِ مبارک حضور کا
بیکس عزیز مردہ گرفتار بے نوا
کیا پوچھتی ہے نام و نشاں خاکسار کا
ایک بندۂ حقیر ہوں پروردگار کا

۱۲۸

زیبا ہے نامِ پاک پہ خالقِ ودود
جو معرضِ فنا میں ہیں کیا اُن کی ہست و بود
روزی رسانِ عالمیاں، واجب الوجود
قطروں کی کیا بساط حبابوں کی کیا نمود
درپیش منزلِ لحدِ خوفناک ہے
آغاز اپنا خاک ہے انجام خاک ہے

۱۲۹

تھے مرتضیٰ علیؑ کے جہاں میں بہت خطاب
کارہ تھا پر ترقیِ ظاہر سے وہ جناب
شیرِ خدا امیرِ عرب مالکِ الرقاب
ہوتے تھے شاد کہتا تھا جو اُن کو بوتراب
جس کو فروتنی ہے وہی سربلند ہے
خالق کو خاکساری انساں پسند ہے

۱۳۰

اُس نے کہا بتایئے والد کا اپنے نام
مقتولِ نیزہ و تبر و خنجر و حسام
فرمایا فاقہ کش و وطن آوارہ تشنہ کام
جس کو ملا نہ پیاس میں پانی کا ایک جام
بے گور و بے کفن جسدِ پاش پاش ہے
عریاں ہے کربلائے معلیٰ میں لاش ہے

۱۳۱

پوچھا وطن کو اُس نے تو بولے شہِ زمن
بیٹھے فقیر تھک کے جہاں ہے وہی وطن
دارِ فنا مقامِ فنا منزلِ محن
بے خانماں اسیر و پریشان و خستہ تن
پردیس میں تباہ ہوئے شہر چھٹ گیا
جنگل میں ہم بھی لُٹ گئے اور گھر بھی لُٹ گیا

۱۳۲

اُس نے کہا کہ طوق سے ہوئے گا دم گھٹا
گھٹتا ہے گر گلا تو نہیں اس کا کچھ گلا
فرمایا جس میں خالقِ کونین کی رضا
بندے ہیں امرِ حق میں ہمیں اختیار کیا
صابر ہیں غیرِ شکرِ خدا کیا سخن کریں
ہم وہ نہیں کہ شکوۂ طوق و رسن کریں

۱۳۳

وہ بولی اور بھائی بھی کیا تھے مہ منیر
جرأت میں بے عدیل تھے صورت میں بے نظیر
فرمایا ہاں جوان تھا اک اور اک صغیر
دونوں کو تین روز نہ پانی ملا نہ شیر
اعدا کو دشمنی تھی صغیر و کبیر سے
برچھی سے ایک قتل ہوا ایک تیر سے

۱۳۴

غش ہو گئے یہ کہہ کے امامِ فلک اساس
پہونچی ٹھہر ٹھہر کے جو سیدانیوں کے پاس
تھرا کے واں سے آگے بڑھی ہندِ بے حواس
رانڈوں کی شان دیکھ کے بولی وہ حق شناس
چہرے سبھوں کے غیرتِ خورشید و ماہ ہیں
گویا کہ اہلِ بیتِ رسالت پناہ ہیں

۱۳۵

پیدا ہے اِن کی شان سے سیدانیوں کی شاں
یا ہاشمی ہیں یا علوی ہیں یہ خستہ جاں
ظاہر ہے صبر و شکر سے سادات کا نشاں
کس میں ہے یہ معرفت کے سخن اور یہ بیاں
یہ لاکھ گر چھپائیں تو کب مانتی ہوں میں
خوشبو کو اہلِ بیت کی پہچانتی ہوں میں

۱۳۶

مٹی میں گو بھرے ہوئے ہیں اِن کے روئے پاک
ہر چند ہیں صعوبتِ زنداں سے سب ہلاک
چھپتا ہے کوئی چاند پہ ڈالے ہزار خاک
روشن ہے قید خانۂ تاریک و ہولناک
میں کس طرح کہوں کہ یہ آلِ عبا نہیں
ہاں فرق اتنا ہے کہ سروں پر ردا نہیں

۱۳۷

چہروں کی آب و تاب پہ لوگو! کرو تو غور
بازو ہیں ایک رسی میں بندھے ہیں یہ ظلم و جور
دیکھا ہے قیدیوں کا کسی نے کبھی یہ طور
بچے بھی ہیں بندھے ہوئے دیکھو ستم یہ اور
مٹی میں مل گیا یہ چمن وا مصیبتا
ان گوری گردنوں میں رسن وا مصیبتا

۱۳۸

آکر قریب کہنے لگی ہندِ خوش خصال
مجھ سے تو کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال
اے بیبیو! ہٹا دو ذرا رخ سے اپنے بال
کھیتی تمہاری ہو گئی کس بن میں پائمال
کیوں لے گئے عدو تمھیں بلوائے عام میں
کس جرم میں اسیر ہوئے ملکِ شام میں

۱۳۹

سنتی ہوں میں مدینے میں ہے آپ کا وطن
ہیں خیریت سے حضرتِ شبیرؑ کی بہن
للہ کچھ کہو خبرِ سرورِ زمن
زندہ رکھے جہاں میں انھیں ربِ ذوالمنن
وہ بی بی روحِ بنتِ رسالت پناہ کی
عصمت پہ جس کی خالقِ اکبر گواہ ہے

۱۴۰

کیوں بی بیو! بتا دو خدا کے لیے ذرا
سنتی ہوں اب جوان ہیں ہم شکلِ مصطفیٰ
ہے خیر سے مدینے میں فرزندِ مرتضیٰ
سرسبز رکھے باغِ جہاں میں انھیں خدا
شہرت ہے ابنِ فاطمہ زہراؑ کے ماہ کی
حسرت تو شہ کو ہوئے گی اکبرؑ کے بیاہ کی

۱۴۱

حق سے یہی ہے شام و سحر اب مری دعا
اکبرؑ کا سہرا بانوؑ کو دکھلائے اب خدا
آقا مرے جہاں میں سلامت رہیں سدا
گھر میں بہو کو لائے جگر بندِ مصطفیٰ
ارمان نکلے بادشہِ مشرقین کا
آباد گھر ہو فاطمہؑ کے نورِ عین کا

۱۴۲

جب ہند ختم کر چکی رو رو کے یہ کلام
صدقے گئی بتائیے کیا آپ کا ہے نام
بانوؑ کے پاس آکے یہ بولی وہ نیک نام
للہ کچھ کہو میں ہوئی جاتی ہوں تمام
زنداں میں سب اسیروں کی سردار آپ ہیں
ان قیدیوں کی قافلہ سالار آپ ہیں

۱۴۳

بانو نے اُس سے پھر یہ کہا تھام کر جگر
زینبؑ کو پھر بتا کے یہ بولی بچشمِ تر
ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
بی بی یہ جو کہ روتی ہیں نہوڑائے اپنا سر
تو دل میں جانتی ہے میں ان کی عزیز ہوں
مختار یہ مری ہیں میں ان کی کنیز ہوں

۱۴۴

وہ بولی کہ ہیں آپ کے فرزندِ خوش سیر
تیر و سناں سے قتل ہوئے رن میں دو پسر
فرمایا رو کے لٹ گیا بی بی ہمارا گھر
زنداں میں ایک اسیر ہے مظلوم و نوحہ گر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں
جو گود میں پلے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں

۱۴۵
یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ — پھر مڑ کے روئے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
رخ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ — بے ساختہ کہا کہ زہے قدرت الٰہ
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے — زینبؑ تمہیں ہو خالق اکبرؑ گواہ ہے

۱۴۶
کہنے لگی یہ ہند سے زینبؑ جگر فگار — کیوں فال بد نکالتی ہے منہ سے بار بار
اے ہند اُن کا نام نہ لے بہر کردگار — نسبت نہ اُن سے دے کہ ہے وہ فاطمہؑ وقار
اعدا تو مجھ کو لے گئے بلوائے عام میں — دشمن نہ اُن کے قید ہوں زندان شام میں

۱۴۷
وہ شاد کام اور میں بیکس جگر فگار — آباد وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
بلوے میں لے گئے مجھے اعدا یہ حال زار — باہر کنیز نکلی نہیں اُن کی زینہار
وہ بی بی پردہ دار ہے اور خوش خصال ہے — زینب میں ہی ہوں یہ ترا بے جا خیال ہے

۱۴۸
یہ سن کے بے قرار ہوئی ہند خوش خصال — دیکھا بغور رخ تو یہ بولی بہ صد ملال
اے میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھ سے حال — زینبؑ تمہیں ہو خواہر شبیرؑ با کمال
تم کو قسم ہے فرق شہ مشرقین کی — جلدی کہو خبر مرے آقا حسینؑ کی

۱۴۹
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی ہند ذی وقار — فرط قلق سے دل ہوا زینبؑ کا بے قرار
چلائیں سر کو پیٹ کے با چشم اشکبار — اے ہند کٹ گیا سر شبیرؑ نامدار
پانی دیا نہ سبط رسالت پناہ کو — حاکم نے بے گناہ کیا قتل شاہ کو

۱۵۰
اے ہند کیا کہوں خبر شاہ تشنہ لب — ہنگام عصر کٹ گیا زہراؑ کا باغ سب
مطلق ڈرا نہ خالق اکبرؑ سے بے ادب — چوب یزید اور لب شبیرؑ ہے غضب
رونے نہ پائے ماتم شاہ شہید میں — سر ننگے لے گئے ہمیں بزم یزید میں

۱۵۱
کیا پوچھتی ہے تو خبر شاہ بحر و بر — فرق حسینؑ تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
باندھا درخت میں کبھی خولی نے بے خطر — لٹکا در یزید پہ سبط نبیؐ کا سر
یاں تک تھی دشمنی سپہ بدخصال کو — پتھر لگائے راہ میں زہراؑ کے لال کو

۱۵۲
اے ہند رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید — عباسؑ قتل ہو گئے اصغرؑ ہوئے شہید
بن بیاہے دشت میں علی اکبرؑ ہوئے شہید — شبر کا لال اور مرے دلبر ہوئے شہید
مرجھا کے فاطمہؑ کی نہ کھیتی ہری ہوئی — بچوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی

۱۵۳
میداں میں بے کفن ہے ابھی لاش نعش پاک — ہے ہے وہ اوس اور وہ میدان ہولناک
دا حسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرش خاک — کس طرح دل نہ ہو مرا سینے میں چاک چاک
چہلم تلک ہوا نہ شہ مشرقین کا — اب تک پڑا ہے خاک پہ لاشہ حسینؑ کا

۱۵۴

منگوایا ہند نے جو سرِ شاہِ بحر و بر
جب سر پہ شاہِ دیں کے سکینہؑ نے کی نظر
حجرے کو اٹھ کھڑے ہوئے قیدی بہ چشمِ تر
چلائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
دنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسینؑ
لو مجھ پہ اب یہ راز کھلا مر گئے حسینؑ

۱۵۵

پھر سر کو پیٹتی ہوئی دوڑی وہ سوگوار
منہ رکھ کے منہ پہ شہ کے جو روئی وہ دل فگار
دامن میں لے لیا سرِ شبیرؑ نامدار
صدمہ ہوا نکلنے لگی تن سے جانِ زار
دنیا میں اُس کی زیست کا نقشہ بدل گیا
جنبش ہوئی لبوں کو بس اور دم نکل گیا

۱۵۶

بانوؑ نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں
اے نورِ عین اب نہ کرو نالہ و فغاں
بس مل چکیں حسینؑ سے قرباں جائے ماں
ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
بچھڑے ہیں کب سے بادشہِ مشرقین سے
ہم بھی تو مل لیں فاطمہؑ کے نورِ عین سے

۱۵۷

اُٹھی یہ کہہ کے بانوئے بےکس برہنہ سر
زینبؑ کو پھر دکھا کے یہ بولی بہ چشمِ تر
دیکھا پڑی ہے خاک پہ بے جاں وہ نوحہ گر
بچی کو میری لے گئے سلطانِ بحر و بر
زنداں کے تھے وہ ظلم کہ عاجز تھی جان سے
افسوس چل بسی مری پیاری جہان سے

۱۵۸

بی بی تمہاری ننھی سی میت کے میں نثار
جی بھر کے تم کو دیکھ لے مادرِ جگر فگار
منہ سے اُٹھاؤ کُرتے کا دامن پھر ایک بار
اماں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار
فرصت نہیں نہ ہو گی کبھی شور و شین سے
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤ گی چین سے

۱۵۹

ہے ہے اٹھائے قید میں کیا کیا نہ رنج و غم
بابا کو یاد کر کے جو روتی تھیں دم بہ دم
باندھا گلے کو شمر نے رسی سے ہے ستم
دیتے تھے گھُڑکیاں تمھیں یہ بانیِ ستم
زخمی ہیں کان پھول سے عارض کبود ہیں
اب تک نشاں طمانچوں کے رخ پر نمود ہیں

۱۶۰

بی بی خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال
کس طرح دوں کفن تجھے اے میری خرد سال
چادر تلک نہیں ہے چھپاؤں جو سر کے بال
نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور نہ مال
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

۱۶۱

ہوتا جو واری پاس مرے کچھ بھی مال و زر
تابوت پر میں باندھتی سہرا بہ چشمِ تر
تربت بناتی ننھی سی میں سوختہ جگر
جو پوچھتا تو بس یہی کہتی میں نوحہ گر
میت یہی ہے بنتِ شہِ مشرقین کی
دنیا سے آج اٹھ گئی عاشق حسینؑ کی

۱۶۲

بس اے انیسؔ بزم میں ہے گریہ و بکا
یا رب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبےٰ
وقتِ دعا ہے خالقِ اکبر سے کر دعا
دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو
بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

مرثیہ ۱

جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو
اک آن نہ راحت تھی نہ آرام حرم کو
تھے ورد زباں وارثوں کے نام حرم کو
رونے کے سوا اور نہ تھا کام حرم کو
رخ زرد تھے دل سینوں میں صدمے سے طپاں تھے
تاریکی سے دم گھٹتے تھے اور اشک رواں تھے

۲

وہ کہنہ خرابہ وہ نئی قید کی آفت
وہ شام تھی راتوں کے لیے صبح قیامت
فاقوں سے نہ تھی تن میں کھڑے ہونے کی طاقت
لب خشک تھے اور نرگسی آنکھوں میں نقاہت
صدمہ تھا عجب آل شہ عرش نشیں پر
بچوں کو لیے گود میں بیٹھے تھے زمیں پر

۳

سینوں میں دھڑکتے تھے دل اور آنسو تھے جاری
بچی کوئی بیٹھی تھی کوئی کرتی تھی زاری
فاقے سے کوئی اور کوئی پیاس کی ماری
کوئی غم اولاد میں تھی جینے سے عاری
دل تھا غم شوہر میں پریشان کسی کا
داماں تک چاک گریباں تھا کسی کا

۴

اک ہاتھ دھرے دل پہ تھی اک تھامے کلیجا
اک خالی تھی گودی لیے اک گود میں بچا
آنکھوں میں کسی کے تھا بھرا اشکوں کا دریا
حیرت سے کھڑی تکتی تھی اک ایک کا نقشا
سینے میں جگر غم سے کسی بی بی کا شق تھا
زنداں وہ ماتم کے مرقع کا ورق تھا

۵

مظلوموں پہ آفت تھی عجب چرخ نے ڈالی
نے کوئی پرستار تھا نے وارث و والی
وہ خانۂ ویراں کہ جو تھا برسوں سے خالی
واں بند ہوئے تھے حرم سید عالی
تاریکی سے ہوتا تھا قلق آل نبی کو
حجرے سے نکلنے کا نہ تھا حکم کسی کو

۶

اس شب کا اندھیرا تھا شب گور سے بدتر
بچوں کا یہ عالم تھا کہ تھے مضطر و ششدر
سہمی ہوئی کہتی تھی یہ شبیر کی دختر
دم گھٹتا ہے اماں مجھے تم لے چلو باہر
کھلوا دو ذرا حجرے کو اب ہونٹوں پہ جاں ہے
اس گھر میں ہوا بھی نہیں یہ کیسا مکاں ہے

۷

بانوئے حزیں کہتی تھی با گریہ و زاری
گھر ایسا ہی ملتا ہے گنہگاروں کو واری
لو سو رہو آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
سن لیوے کہیں شمر نہ آواز تمھاری
ماں صدقے گئی سہہ لو جو کچھ رنج و تعب ہے
پھر باندھ دے رسی سے جو گردن تو غضب ہے

۸

سانسیں نہ بھرو ہچکیاں لے لے کے نہ رو دو
کڑھ کڑھ کے میں صدقے گئی جاں اپنی نہ کھو دو
دل جائیں گے بابا بھی منھ اشکوں سے نہ دھو دو
قربان گئی آؤ مری گود میں سو دو
اب سبط پیمبر سے ملا دیویں گے تم کو
آویں گے جو بابا تو جگا دیویں گے تم کو

۹

شب کو تو ذرا لیٹ رہو روتی ہو دن بھر
میں پاس تمھارے ہوں جو بابا نہیں سر پر
دیکھو تو ہے جنگل میں پڑی میت علی اصغر
نے لاش پہ سایا ہے نہ مرقد ہے میسر
پالا چھ مہینے جسے چھاتی پہ سلا کر
وہ ہم سے جدا ہو گئے پردیس میں آ کر

۱۰
وہ کہتی تھی بابا کو بلا دو تو میں سوؤں
ہم شکل پیمبر کو دکھا دو تو میں سوؤں
بو چاند سی چھاتی کی سونگھا دو تو میں سوؤں
مجھ سے مرے عمو کو ملا دو تو میں سوؤں
بابا کے لیے چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
نے موت ہی آتی ہے نہ نیند آتی ہے اماں

۱۱
ان باتوں سے رو دیتے تھے ناموسِ پیمبرؐ
بچوں کو نہ کھانا تھا نہ پانی تھا میسر
تھا فرش فقط خاک کا بالش تھا نہ بستر
سایا بھی نہ تھا دھوپ میں سب جلتے تھے دن بھر
ہر شام مصیبت تھی غریب الوطنی میں
ہو جاتی تھی رانڈوں کو سحر سینہ زنی میں

۱۲
تھی بھوک سے اور پیاس سے از بس کہ نقاہت
چپکی در و دیوار کو تکتی تھیں بہ حسرت
پہچانی نہ جاتی تھی کسی بی بی کی صورت
زائل ہوئی تھی رانڈوں کی سب رونے سے طاقت
کچھ فرش نہ تھا خاک میں سب قیدی اَٹے تھے
سینے تھے کبود اور گریباں پھٹے تھے

۱۳
جب حاکمِ ظالم انھیں بھجواتا تھا کھانا
جب روبرو ان بےکسوں کے آتا تھا کھانا
پانی کوئی لاتا تھا کوئی لاتا تھا کھانا
کھانا وہ نہ کھاتے تھے انھیں کھاتا تھا کھانا
اس کھانے پہ منہ آنسوؤں سے دھوتے تھے قیدی
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے قیدی

۱۴
کہتی تھی کوئی صدقے بہن ہائے برادر
چلّا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے علی اکبرؑ
کس بھوک میں اور پیاس میں تن پر سے کٹا سر
دو دن نہ تمھیں آب و طعام آیا میسّر
کس رنج میں دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
کھانا میں کھلاؤں کسے تم گئے بیٹا

۱۵
یہ سن کے وہ کہنے لگا جو کھانا تھا لایا
بھوکے تھے کئی دن کے پہ کھانے کو نہ کھایا
کس طرح کے مظلوم یہ قیدی ہیں خدایا
تب بنتِ علیؑ نے اسے رو رو کے سنایا
کھا دیں گے نہ گو بھوکے ہیں اور تشنہ دہن ہیں
وارث تو ہمارے ابھی بے گور و کفن ہیں

۱۶
اس رسم کو تو جانتا ہے سارا زمانا
بے دفن کے ہو سکتے ہیں ہم یاں سے روانا
میت کو اٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
بے فاتحہ کا کچھ ہے شہیدوں کے ٹھکانا
ظاہر ہے خدا پر ہمیں جس طرح کے غم ہیں
چہلم کے دن آ پہونچے ہیں اور قید میں ہم ہیں

۱۷
سب بی بیاں رونے لگیں اک غل ہوا برپا
لوگو پسِ دیوارِ محل غل ہے یہ کیسا
تب ہند نے گھبرا کے کنیزوں سے یہ پوچھا
کیا گھر سے کسی شخص کا نکلا ہے جنازہ
رہ جاتا ہے سینے میں کلیجا مرا ہل کر
یہ کون ہے پیٹے کہ سب روتے ہیں مل کر

۱۸
رو کر کسی عورت نے کہا کیا کہوں بی بی
اک چار برس کی انھیں لوگوں میں ہے لڑکی
ہے قید خرابے میں کسی شہر کی بندی
کہتے ہیں کہ بابا سے نہایت وہ ہلی تھی
راحت اسے دن کو ہے نہ آرام ہے شب کو
بابا کے لیے رو کے رلاتی ہے وہ سب کو

۱۹

بابا کو طلب کرتی ہے جس دم وہ مچل کر
روتی ہے اُس وقت پھوپھی ہاتھوں کو مل کر
گر پڑتے ہیں مادر کے بھی اشک آنکھوں سے ڈھل کر
ضد ہے یہی بابا سے ملا دو مجھے چل کر
دیدارِ پدر اُس کو دکھا دے کوئی کیونکر
بابا تو ہوا قتل ملا دے کوئی کیونکر

۲۰

ماں کہتی ہے مجھ رانڈ کو بیٹی نہ ستاؤ
کوکھ اجڑی ہوں میں رحم مرے حال پہ کھاؤ
لو جانے دو صدقے گئی آغوش میں آؤ
وہ کہتی ہے مرتی ہوں میں بابا کو بلاؤ
پہونچا دو مجھے پاس شہِ جن و بشر کے
سوؤں گی تو سینے ہی پہ سوؤں گی پدر کے

۲۱

اس جاریہ سے ہند نے رو رو کے یہ پوچھا
تو نے اُنھیں زنداں میں کیا جا کے ہے دیکھا
کس طرح کی ہیں صورتیں اُن کی مجھے بتلا
قوم اُن کی ہے کیا اور کہاں ہے وطن اُن کا
سنتی ہوں کہ آئے ہیں بہت دھوم سے قیدی
وہ ترک کے قیدی ہیں کہ ہیں روم کے قیدی

۲۲

اس نے کہا میں رات کو دیکھ آئی تھی جا کر
اے بی بی کسی پاس نہ مقنع ہے نہ چادر
تاریکی میں سب خاک پہ بیٹھے ہیں جھکائے سر
ہیں صورتیں ایسی کہ خجل ہے مہِ انور
اک خاک سے ہر بی بی کی تصویر بھری ہے
انوارِ الٰہی کی مگر جلوہ گری ہے

۲۳

رسی میں ہے جکڑے ہوئے الماس سے بازو
اور نرگسی آنکھوں سے پڑے بہتے ہیں آنسو
ان بی بیوں کے ساتھ ہیں بچے کئی مہرو
کیا چاند سے چہروں پہ بھلے لگتے ہیں گیسو
اک ایک کا منہ رو رو کے تکتے تھے وہ بچے
اور بھوک کے صدمے سے بلکتے تھے وہ بچے

۲۴

گر قید میں وہ بی بیاں ہیں مثلِ گنہگار
چہروں پہ شرافت کے نجابت کے ہیں آثار
اس رنج میں شکوہ کوئی کرتی نہیں زنہار
ہر بی بی کو ہے حمدِ الٰہی سے سروکار
معلوم نہیں یہ عجمی یا عربی ہیں
پر وہ تو یہ کہتی ہیں کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں

۲۵

گھبرا کے کہا ہند نے خاموش خدارا
پھر کہیو زباں سے نہ سخن ایسا دوبارا
کعبہ تو مدینے میں محمدؐ کا ہے سارا
بے اذن نہیں واں ہے فرشتوں کا گذارا
بھیجے انھیں زنداں میں یہ طاقت ہے کسی کو
قائم رکھے اللہ حسینؑ ابن علیؑ کو

۲۶

خاتونِ قیامت کی ہیں دو بیٹیاں ذی شاں
سیدانیاں مقبولِ خدا صاحبِ ایماں
بی بی ہیں مری حضرتِ زینبؑ کے میں قرباں
یہ بے ادبی ہے وہ کہاں اور کہاں زنداں
اُن کو کبھی بے مقنع و چادر نہیں دیکھا
ہم کیا کہ فلک نے کبھی کھلے سر نہیں دیکھا

۲۷

کیا صبر تھا زہراؑ کی مصیبت کے میں قرباں
وہ بعدِ نبیؐ خلق میں جب تک رہیں مہماں
ظلم ایسے سہے جو نہ اٹھا دے کوئی انساں
راحت نہ ملی ہاتھ سے اعدا کے کوئی آں
دم مارا نہ ہر حال میں اُس رنج و محن پر
زینبؑ مری بی بی بھی ہیں زہراؑ کے چلن پر

۲۸

یہ کہہ کے کنیزوں سے کہا روشنی لاؤ
دل سینے میں بے تاب ہے دیر اب نہ لگاؤ
چلتی ہوں میں زنداں میں مرے ساتھ سب آؤ
شکلیں تو مجھے چل کے اسیروں کی دکھاؤ
ہیں قوم کے اشراف تو کس طور سے آئے
یثرب سے ہیں آئے کہ کہیں اور سے آئے

۲۹

یہ کہتے ہی بس ہند کھڑی ہو گئی اک بار
یوں کہہ گئے زنداں کے نگہباں سے خبردار
روشن ہوئیں فانوسیں کنیزیں ہوئیں تیار
لوگ آتے ہیں حاکم کے محل کے رہو ہشیار
ہاں کہہ دو اسیروں سے کہ چلا کے نہ روئیں
سر کو در و دیوار سے ٹکرا کے نہ روئیں

۳۰

دی فضہ نے زینبؑ کو خبر جا کے یہ ناگاہ
یہ سن کے اڑا رنگ رخ زینبؑ ذی جاہ
زنداں میں ہند آتی ہے اے بنت یداللہ
گھبرا کے کہا اب میں کہاں جا کے چھپوں آہ
کیا دیکھوں مقدر مرا دکھلاتا ہے لوگو!
ہند آئی نہیں مجھ پہ غضب آتا ہے لوگو!

۳۱

جن روزوں کے آباد تھا گھر جیتے تھے شبیرؑ
برباد ہوئی بھائی کے مر جانے سے ہمشیر
اس نے مجھے دیکھا تھا بصد عزت و توقیر
اب سر پہ ردا بھی نہیں ہے یہ ہے مری تقدیر
بے کس ہوں گرفتار ہوں آوارہ وطن ہوں
کس منہ سے کہوں گی کہ میں حضرت کی بہن ہوں

۳۲

شرم آتی ہے آنکھ اس سے ملاؤں گی میں کیونکر
یہ گرد بھری شکل میں دکھلاؤں گی کیونکر
رسی کے نشانوں کو چھپاؤں گی میں کیونکر
نام اس نے جو پوچھا تو بتاؤں گی میں کیونکر
کس طرح کہوں گی کہ سفر کر گئے شبیرؑ
اس قید میں جیتی ہے بہن مر گئے شبیرؑ

۳۳

نکلے گا نہ منہ سے کہ پھری قید میں دربدر
ہے اس کی کنیزوں کے لیے جامۂ پرزر
دربار میں حاکم نے بلایا تھا کھلے سر
یاں بی بیوں کے پاس گزی کی نہیں چادر
وہ تخت نشیں آج ہے میں خاک نشیں ہوں
اس کی تو ملاقات کے قابل ہی نہیں ہوں

۳۴

کہہ کر یہ سخن چہرۂ انور پہ ملی خاک
جا بیٹھی کنیزوں میں گریباں کیے چاک
پوشیدہ کیا بالوں کو بکھرا کے رخ پاک
رونے لگی سر زانو پہ نہوڑا کے وہ غمناک
تن بید کے مانند لرزتا تھا حیا سے
زہراؑ نے چھپایا تھا اسے اپنی ردا سے

۳۵

ہند آئی تو رانڈوں کا نظر آیا عجب حال
چادر ہے کسی پاس نہ مقنع ہے نہ رومال
سب شرم سے چپ بیٹھے ہیں بکھرائے ہوئے بال
دل سے کہا اس باغ کو کس نے کیا پامال
جلدی کوئی پوچھے کہ وطن ان کا کہاں ہے
چہروں سے تو سیدانیوں کی شکل عیاں ہے

۳۶

ہر چند سنبھالا پہ نہ سنبھلا دل مضطر
اے بی بیو! کیوں کر یہ مصیبت پڑی تم پر
یوں کہنے لگی آ کے اسیروں کے برابر
باشندہ ہو کس شہر کے تم بے کس و بے پر
کس دشت میں لوٹی گئیں یاں آئی ہو کب سے
آگاہ کرو اپنے مجھے نام و نسب سے

۳۷
ہر چند کہا ہند نے اُن سب سے بہ تکرار
کہنے لگی تب رو کے یہ خستہ جگر افگار
لیکن نہ کھلے فرطِ حیا سے لبِ گفتار
یہ بیبیاں ہیں تازہ مصیبت میں گرفتار
کم گو ہیں یہ لب ان سے ہلائے نہیں جاتے
عزت کے سبب نام بتائے نہیں جاتے

۳۸
وہ کہنے لگی سب کو آنسو نہ بہاؤ
یثرب سے جو آئی ہو تو شکلیں تو دکھاؤ
بیتاب ہوں میں زانوؤں سے سر تو اٹھاؤ
کچھ فاطمہؑ کے لال کا احوال سناؤ
مطلب ہے مجھے خیریتِ سبطِ نبی سے
آگاہ ہو تم لوگ حسینؑ ابن علیؑ سے

۳۹
سنتی ہوں کہ حج میں گئے ہیں شہِ ذی شان
کیا خوب ملاقات ہے زینبؑ کے میں قربان
ان روزوں مدینہ تو ہوا ہوئے گا ویران
ہوتی نہیں یاد ان کی فراموش کسی آن
ایسی تو بہن بھائی کی شیدا نہیں ہوتی
زینبؑ سی تو بی بی کہیں پیدا نہیں ہوتی

۴۰
کیوں بیبیوں کے ہیں پسرِ سیّدِ والا
کہتے ہیں اُسے حضرتِ زینبؑ نے ہے پالا
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے کوئی گیسوؤں والا
گھر میں ہے اُسی ماہِ دو ہفتہ سے اُجالا
سنتی ہوں میں شہرہ کہ عجب غنچہ دہاں ہے
ہیں بیاہ کے دن نام خدا اب تو جواں ہے

۴۱
جس دم یہ ہوا ذکرِ علی اکبرؑ ذی جاہ
دیکھا طرفِ بنتِ علیؑ ہند نے ناگاہ
زینبؑ نے تو نالہ کیا اور بانوؑ نے کی آہ
بولی کہ یہ اسرار ہے کیا اے مرے اللہ
یہ شان و بزرگی کسی بی بی میں کہاں ہے
اسیر تو مجھے حضرتِ زینبؑ کا گماں ہے

۴۲
گھبرا کے گئی زینبؑ بے کس کے برابر
کہنے لگی کچھ بات کرو صدقے میں تم پر
اور دیر تلک غور سے دیکھا رُخِ انور
بی بی کہیں میں نے تمھیں دیکھا ہے مقرر
مضطر ہے دلِ زار میں چپ رہ نہیں سکتی
اک بی بی کا دھوکہ ہے پہ کچھ کہہ نہیں سکتی

۴۳
زینبؑ سے مشابہ ہے بہت شکل تمھاری
دھڑکا ہے مجھے خیر کرے ایزدِ باری
شوکت ہے وہی اور وہی شان ہے ساری
گویا کہ تمھیں ہو اسد اللہ کی پیاری
کس طرح کہوں فاطمہؑ زہرا سے جدا ہو
گو خاک پہ بیٹھی ہو مگر نورِ خدا ہو

۴۴
زینبؑ میں کچھ اور تم میں نہیں فرق سرِ مو
ہے جسمِ مبارک میں وہی پھولوں کی خوشبو
چہرہ بھی وہی اور وہی آنکھیں وہی گیسو
ہے ہے تمھیں زینبؑ ہو تمھیں زینبِ خوش خو
کچھ شبہ و شک چہرۂ انور پہ نہیں ہے
بس فرق ہے اتنا کہ ردا سر پہ نہیں ہے

۴۵
فرمانے لگی ہند سے یوں زینبؑ نالاں
بیکس وطن آوارہ گرفتار و پریشاں
اک شکل کے دنیا میں بہت ہوتے ہیں انساں
بتلائیں کہاں اور کہاں زینبؑ ذی شاں
وہ سیدۂ پاک ہے اور بنتِ علیؑ ہے
نسبت مجھے زینبؑ سے نہ دے بے ادبی ہے

۴۶

ناچیز ہیں اور وہ اسد اللہ کی جائی
شبیر سا دنیا میں کہاں ہے مرا بھائی
زہرا کی جگہ جانتی ہے جس کو خدائی
ہیں اس کے پسر لوٹ گئی بیری کمائی
اس بھائیوں والی کو ستا سکتا ہے کوئی
یوں قید میں زینب کو بٹھا سکتا ہے کوئی

۴۷

شبیرؑ سے بھائی کی بہن ہے وہ خوش اقبال
دیکھا تھا کبھی خواہش شبیرؑ کا یہ حال
اللہ نے بخشے ہیں جسے شیر سے دو لال
لب خشک گریبان پھٹا سر کے کھلے بال
لوٹا اسے اعدا نے تو شبیرؑ کہاں تھے
کیا بازوئے زینبؑ پہ بھی رسّی کے نشاں تھے

۴۸

زینبؑ کی ردا کو جو لعینوں نے اُتارا
ملعونوں نے کیا حضرت شبیرؑ کو مارا
کیا احمدؐ مختار کا گھر لٹ گیا سارا
کوئی نہ رہا کیا اسد اللہ کا پیارا
قاسم بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے
کیا خلق میں عباسؑ دلاور بھی نہیں ہے

۴۹

گھبرا کے کہا ہند نے بے ہے میں کروں کیا
جب لیتی ہوں میں نام حسین ابن علیؑ کا
مجھ پر کسی صورت نہیں کھلتا یہ معمّا
رہ جاتی ہو کیوں تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
تم لوگ چھپاتے ہو یہ کیا ہوتا ہے لوگو
غیروں کے لئے بھی کوئی یوں روتا ہے لوگو

۵۰

اعجاز سے اس طرح پکارا اسیر شبیر
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر
میں کیا کروں اے ہند نہ تھی کچھ مری تقصیر
سجادؑ مرا قید میں ہے بےکس و دلگیر
بےچین کیا خلد میں زہرا و علیؑ کو
شوہر نے ترے قتل کیا آل نبی کو

۵۱

مر جاتا ہے جو پھر اسے زنداں سے ہے کیا کام
زنداں میں حرم روتے ہیں میرے سحر و شام
یاں بعد فنا بھی نہیں مطلق مجھے آرام
بچے مرے چلاتے ہیں لے لے کے مرا نام
فاقوں سے سکینہ کا مری رنگ جو فق ہے
اے ہند مری روح کو واللہ قلق ہے

۵۲

ناگاہ صدا حضرت زہراؑ کی یہ آئی
جس بھائی سے عزت تھی ہوا قتل وہ بھائی
اے ہند ہے زینب یہی گردوں کی ستائی
پرسا مجھے دے لوٹ گئی بیری کمائی
میں بےکس و مظلوم ہوں اور خستہ جگر ہوں
جس دن سے یہ سر ننگے ہے میں بھی کھلے سر ہوں

۵۳

زینبؑ نے یہ سن چھاتی کو پیٹا کئی باری
اے سبط نبی میں تری اس لاش کے واری
اور پھیر کے منہ جانب مقتل یہ پکاری
چادر مرے سر پر سے لعینوں نے اُتاری
لوگ آتے ہیں ملنے کو میں شرماتی ہوں بھائی
زندہ ہوں پہ اس غم میں موئی جاتی ہوں بھائی

۵۴

یہ سنتے ہی سب بیبیاں کرنے لگیں زاری
میں کہتی تھی زینب ہے یہی درد کی ماری
سر پر سے ردا پھینک کے یہ ہند پکاری
ہے ہے مری بی بی کی ردا کس نے اُتاری
تاراج محمدؐ کا بھرا گھر ہوا ہے ہے
لخت جگر فاطمہؑ بے سر ہوا ہے ہے

۵۵

یہ کہہ کے گری حضرتِ زینب کے قدم پر
اٹھ کر سرِ انور پہ اڑھانے لگی چادر
زینبؑ نے کہا سر پہ ردا اوڑھوں میں کیونکر
بے دفن و کفن ہے ابھی نعشِ فرزندِ پیمبرؐ
ماتم میں صدا چاک گریباں رہے گا
اب حشر تلک سر میرا عریاں رہے گا

۵۶

اے ہند گرے گھوڑے سے جب سبطِ پیمبرؐ
ڈیوڑھی پہ میں سر پیٹتی تھی با دلِ مضطر
زہراؑ کی صدا آتی تھی ہے ہے مرے دلبر
کھینچے ہوئے خنجر کو چلا شمرِ ستمگر
کس منھ سے کہوں اپنے جو کچھ بے ادبی کی
چھاتی پہ رکھا پاؤں حسین ابنِ علیؑ کی

۵۷

لے ہند جدا جب کیا تن سے سرِ شبیرؑ
تب سر کو اٹھا ہاتھ میں وہ ظالمِ بے پیر
خوش ہو کے لگا کرنے یہ ہر ایک سے تقریر
خنجر سے ہوا ذبح عجب صاحبِ توقیر
دلبندِ نبی ابنِ یداللہ کو مارا
واللہ دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

۵۸

خاموش انیس اب کہ سماعت کی نہیں تاب
ہے ماتمِ شبیرؑ ہیں دل آب جگر آب
ہر اشکِ عزادار ہے اک گوہرِ نایاب
کیا دولتِ دیں لوٹتے ہیں شاہ کے احباب
میزانِ عدالت میں جو اعمال تلیں گے
عقدے گہرِ اشک کے اس روز کھلیں گے

رباعی

ہر اشکِ عزادار دُرِ یکتا ہے
قیمت فردوس و کوثر و طوبا ہے
اللہ ہے مشتری فروشندہ رسولؐ
کیا جنس ہے کیا بہا ہے کیا سودا ہے

رباعی

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کھل جائے گا سب جو بند ہوں گی آنکھیں

رباعی

شبیرؑ کے غم میں دل کو بیتابی ہے
شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے
دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں
مردمِ چشم، مردم آبی ہے

رباعی

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے
مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے
فضلِ باری سے یوں وہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

رباعی

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاہ کریں
سر پیٹنے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں
ہر دانۂ اشک ہے ثوابِ تسبیح
تہلیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

رباعی

جس جا ذکرِ حسینؑ ہو جاتا ہے
رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے
آکر بزمِ عزائے شہ میں رونا
ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

رباعی

ہیں سوگ میں شبیرؑ کے ہر دم آنکھیں
رہتی ہیں تمام سال پُر نم آنکھیں
بیجا نہیں یہ دستِ مژہ کی جنبش
کرتی ہیں غمِ شاہ میں ماتم آنکھیں

رباعی

کیا دستِ مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح
سبحان اللہ کیا خوب بنائی تسبیح
آنسو نہیں رکتے ہیں غمِ شہ میں انیسؔ
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

مرثیہ

جب سنی ہند کے آنے کی خبر زینبؑ نے
شرم سے زانو پہ نہوڑا لیا سر زینبؑ نے
یاس سے کی سوئے افلاک نظر زینبؑ نے
کہا ایک ایک سے با دیدۂ تر زینبؑ نے
خاک لے کر مرے چہرے پہ لگاؤ لوگو
شرم آتی ہے کہیں مجھ کو چھپاؤ لوگو

۲
اب یہ دکھلانے کے قابل نہیں صورت میری
بھائی کے ساتھ گئی دولت و حشمت میری
اب نہ رتبہ ہے وہ میرا نہ وہ عزت میری
اُس نے پہچانا جو آکر تو ہے ذلت میری
گو کہ نورِ نظرِ صاحبِ معراج ہوں میں
ایک چادر کے لئے آج تو محتاج ہوں میں

۳
اس نے دیکھا تھا مدینے میں مرا جاہ و حشم
قید اب خانۂ زنداں میں ہوں میں کشتۂ غم
گھر تھا آباد سلامت تھے شہنشاہِ اُمم
نیل بازو پہ ہیں رسی کے اور آنکھوں پہ ورم
چاک ماتم میں گریبان کھلے سر ہوں میں
شرم آتی ہے کہ شبیرؑ کی خواہر ہوں میں

۴
اب نہ وارث کوئی سر پر ہے نہ کوئی والی
سخت جاں رہ گئی ہوں ایک میں رونے والی
ہو گیا فاطمۂ زہرا کا بھرا گھر خالی
اقتدار اس کو ہے اور یاں ہے پریشاں حالی
آج ہر طرح مجھے ہند سے ذلت ہو گی
نام لوں گی تو بزرگوں کی خجالت ہو گی

۵
میری مادر کا ہے مریمؑ سے زیادہ رتبا
لونڈیاں اس کی کہیں گی کہ تعجب کی ہے جا
نہ کہا جائے گا مجھ سے کہ ہوں بنتِ زہراؑ
دخترِ شیرِ خدا اور نہیں سر پہ ردا
خاک پر بیٹھی ہے سایہ نہیں بستر بھی نہیں
یہ تو زہراؑ کی کنیزوں کے برابر بھی نہیں

۶
در بدر پھرتی اگر دخترِ حیدرؑ ہوتی
قیدیوں ہوتی جو شبیرؑ کی خواہر ہوتی
ہوتی زہراؑ کی جو بیٹی تو کھلے سر ہوتی
سر پہ احمدؐ کی نواسی کے نہ چادر ہوتی
قتل پردیس میں سبطِ شہِ لولاک ہوا
کیا خبر ان کو کہ گھر فاطمہؑ کا خاک ہوا

۷
منہ چھپانے کی یہ ہے وجہ یہ باعث، یہ سبب
طعن سے یہ وہ کہے گی کہ نہایت ہے عجب
گر کہا میں نے کہ ہوں بنتِ شہنشاہِ عرب
بھائی تو قتل ہوا اور رہی جیتی زینبؑ
نام رہتا جو یہ آوارۂ وطن مر جاتی
بھائی سے پہلے مناسب تھا بہن مر جاتی

۸
کتنا چاہا تھا کہ مر جاؤں پہ آئی نہ اجل
ہائے مر جاتی تو ہو جاتا یہ جھگڑا فیصل
سخت جانی سے ہوا عزتِ زینبؑ میں خلل
نام رہتا کہ بہن مر گئی بھائی کے بدل
کچھ بن آتی نہیں جب دم ہے مقدر پھرتا
میں اگر مرتی تو پھر کون کھلے سر پھرتا

۹
کون پھر دیکھتا کٹتے ہوئے بھائی کا گلا
باندھا جاتا رسنِ ظلم سے بازو کس کا
کس کے سر پر سے ردا چھینتے آکر اعدا
کھینچ کر اونٹ پہ بٹھلاتے کسے اہلِ جفا
اب وہ آئے گی تو چھپنے کو کدھر جاؤں گی
ہند اس حال میں دیکھے گی تو مر جاؤں گی

۱۰

وہ تو ہے تخت نشیں اور میں ہوں خاک نشیں
پردہ رہ جائے جو ہو جاؤں میں پیوند زمیں
اس خرابے میں تو لوگوں کو کوئی حجرہ بھی نہیں
کیا کروں ہائے کہاں جا کے چھپوں میں غمگیں
اے اجل آ کہ نہ رسوائے جہاں ہو زینبؑ
اے زمیں تھوڑی سی جا دے تو نہاں ہو زینبؑ

۱۱

کہہ کے یہ خاک کو چہرے پہ ملا آخر کار
پیچھے سب بیبیوں کے جا کے چھپی وہ ناچار
رکھ کے سر زانو پہ رونے لگی جو ابر بہار
ناگہاں آن کے ڈیوڑھی پہ پکارے خونخوار
اٹھو اے قیدیو کیا بیٹھے ہو تعظیم کرو
زوجۂ حاکم شام آتی ہے تسلیم کرو

۱۲

یہ جو غل ہند کے آنے کا سکینہؑ نے سنا
ماں کے پاس آ کے یہ کہنے لگی گھبرا گھبرا
اماں بتلاؤ تو ڈیوڑھی پہ یہ غل ہے کیسا
کیا ہمیں لوٹنے کو آتے ہیں پھر اہل جفا
پھر ستائیں نہ کہیں آن کے اعدا مجھ کو
مار بیٹھے نہ کہیں شمر طمانچا مجھ کو

۱۳

اچھی اماں مجھے گودی میں اٹھا لو جلدی
دل دھڑکتا ہے کلیجے سے لگا لو جلدی
شمر دیکھے نہ کہیں مجھ کو چھپا لو جلدی
بھائی سجاد کو پاس اپنے بلا لو جلدی
اُن اسیروں پہ غضب حاکم بے پیر نہ ہو
قتل کی عابدؑ بیمار کے تدبیر نہ ہو

۱۴

رو کے کہنے لگی بانو نہ ڈرو اے پیاری
اب بھلا کیا ہے جسے لوٹیں گے آ کر ناری
زن حاکم کی یہاں آنے کی ہے تیاری
سر کو نہوڑا کے مرے پہلو میں بیٹھو واری
قید خانے میں وہ آتی ہے امیروں کی طرح
اور ہم خاک پہ بیٹھے رہیں فقیروں کی طرح

۱۵

کل کی ہے بات کہ میرا بھی یہ تھا عز و وقار
اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے امام ابرار
مسند احمد مختار کی میں تھی مختار
سامنے رہتی تھی صف بستہ کنیزوں کی قطار
اب نہ وہ گھر ہے نہ مسند ہے نہ شاہی میری
ہائے تقدیر مری ہائے تباہی میری

۱۶

ایک دن وہ تھا کہ زہراؑ نے بنایا تھا دلہن
خواب میں دیکھا تھا دیدار شہنشاہ زمن
آج باندھی ہے ستمگاروں نے بازو میں رسن
میں ہوں محتاج ردا اور وہ محتاج کفن
دیکھوں کیا ذلتیں قسمت مجھے دکھلاتی ہے
خاک میں مل گئی تب ملنے کو ہند آتی ہے

۱۷

کس کو معلوم تھا ہو جائے گا گھر یوں برباد
رسن و طوق کہاں اور کہاں میری اولاد
اک زمانہ تھا کہ پیدا ہوئے تھے جب سجادؑ
راہ خالق میں بہت لونڈیاں کیں تھیں آزاد
گھر مرا لٹ گیا محتاج ہوں نادار ہوں میں
اب تو خود قید مصیبت میں گرفتار ہوں میں

۱۸

سنتی ہوں عقد میں تھی یہ بھی شہ والا کے
تم بتانا نہ کہیں جو تجھے پوچھے آ کے
پانی کچھ جو نہ طلب خشک زباں دکھلا کے
بیٹھو قربان گئی زانو پہ سر نہوڑا کے
بابا حضرت کو نہ سجادؑ کو بھائی کہنا
ماں نہ کہنا مجھے صدقے گئی دائی کہنا

سر کو نہوڑا کے وہ کہنے لگی اچھی اماں — نہیں کرنے کی میں کچھ اپنی تباہی کا بیاں
لیکن اتنی تو اجازت دو تمہارے قرباں — ہند آئے تو میں پوچھوں خبر شاہ زماں
گھر میں حاکم کے جو بابا کا پتا پاؤں گی — انگلی پکڑے ہوئے ساتھ ایسے چلی جاؤں گی

۷۰
ذکر یہ تھا کہ ہوئی ہند کی آمد اک بار — روشنی آگے تھی اور پیچھے کنیزیں دو چار
مہندی ہاتھوں میں ملے پہنے لباس زرتار — ہند بھی غرق جواہر تھی بصد عزّ و وقار
واں یہ ساماں تھا اسیروں کے دکھانے کیلئے — یاں ردائیں بھی نہ تھیں منہ کو چھپانے کیلئے

۷۱
جوں قدم ہند نے دروازۂ زنداں میں رکھا — تب نگہبانوں نے گھبرا کے خواصوں سے کہا
عرض کر دو کہ ٹھہر جائیں حضور ایک ذرا — اک جواں بھی اسی زنداں میں ہے محبوس بلا
یا تو بیمار کی آنکھیں اُسرا بند کریں — یا ہم آ کر کسی حجرے میں جدا بند کریں

۷۲
ہند ٹھہری تو یہ رو کر کسی عورت نے کہا — دیکھ آئی ہوں میں بیمار سا ہے اک لڑکا
نہ پرستار ہے کوئی نہ دوا ہے نہ غذا — فاقہ کش بیکس و مظلوم غریب الغربا
کھول سکتا ہے نہ آنکھیں نہ اُٹھا جاتا ہے — آہ آتی ہے جو لب تک تو غش آ جاتا ہے

۷۳
زرد رخسار ہیں رونے سے ہے آنکھوں پہ ورم — ضعف ایسا ہے کہ سینے میں سماتا نہیں دم
اور مہِ نَو کی طرح گردنِ پُر نور ہے خم — پنڈلیاں سوجی ہیں مجروح ہیں کانٹوں سے قدم
رخِ روشن سے عیاں بے پدری ہوتی ہے — پشت کے نیل دکھاتا ہے تو ماں روتی ہے

۷۴
یا تو سادات سے ہے یا ہے اسیر ابن امیر — ایسے یوسفؑ کو کیا ایسے خرابے میں اسیر
طوق گردن میں ہے اور پاؤں میں دہری زنجیر — بدلے نالے کے نکل جاتی ہے منہ سے تکبیر
تنِ لاغر میں بخار آٹھ پہر رہتا ہے — اس پہ بھی خاک پہ سجدے ہی میں سر رہتا ہے

۷۵
کس فصاحت سے ادا کرتا ہے خالق کی نماز — نہیں دیکھا کسی آواز میں یہ سوز و گداز
ہے تو بیکس پہ خدا سے ہے عجب راز و نیاز — عابدوں میں اسے خالق نے کیا ہے ممتاز
پاس بستر جو نہیں خاک میں تن اَٹتا ہے — باپ کو روتا ہے جب دم تو جگر پھٹتا ہے

۷۶
ہند کے دل پہ یہ سنتے ہی کیا غم نے اثر — کہا بتلاؤ کہ وہ خاصۂ باری ہے کدھر
اللہ اللہ زمانے میں ہیں ایسے بھی بشر — ہائے اس حال کی پہلے سے نہ تھی مجھ کو خبر
خود دوا اپنے دواخانے سے بھجواتی ہیں — روز دو وقت عیادت کے لئے آتی ہیں

۷۷
یہ سخن کہہ کے جو آگے بڑھی دیکھا یہ حال — خاک پر ایک جواں بیٹھا ہے خورشید جمال
بال ہیں سر کے بڑھے ضعف ہے چہرے پہ کمال — طوق کے بوجھ سے گردن کا اٹھانا ہے محال
ٹکڑے ٹکڑے تنِ پُر نور میں ایک جامہ ہے — نہ ردا دوش پہ نے فرق پہ عمامہ ہے

۲۸
بے نشاں سجدے کا اختر کی طرح سے روشن
نہ تو ابرو پہ گرہ ہے نہ جبیں پر ہے شکن
جابجا طوق سے مجروح ہے نازک گردن
طوقِ گردن سے یہ پیدا ہے کہ ہے چاند گہن
نیرِ برجِ شرف خاک پہ افتادہ ہے
شان و شوکت سے یہ ظاہر ہے کہ نبی زادہ ہے

۲۹
دل میں وہ بولی یہ کیا سانحہ ہے یا اللہ
کس سے پوچھوں میں یہ ہے کونسی اقلیم کا شاہ
کس کا گھر لٹ گیا کشتی ہوئی یہ کس کی تباہ
ایسا سرزد ہوا کیا اس نے ترے بندے سے گناہ
کس طرح کہیے کہ یہ صاحبِ توقیر نہیں
آئی آواز کہ اس کی کوئی تقصیر نہیں

۳۰
سامنے ہند گئی اور کیا جھک کے سلام
ترک آداب ہے ہر چند یہ بتلائیے نام
جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش مقام
کہا مولا نے کہ مظلوم و غریب و ناکام
قید ہوں ظلم رسیدہ بھی ہوں نادار بھی ہوں
اس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہوں

۳۱
بولی وہ کون سی بستی ہے جہاں تھا مسکن
باپ کو پوچھا تو بولے شہِ بے گور و کفن
رو کے فرمایا غریب الوطنی اب ہے وطن
کہا ہمدرد بھی ہے کوئی کہا طوق و رسن
دل کے جلنے کا سبب داغِ پدر بتلایا
اس نے پوچھی جو غذا خونِ جگر بتلایا

۳۲
بولی وہ کوئی عزیزوں میں بھی تھا اے غمگیں
ایک بھائی تھا کہ مشہور تھا یوسفؑ سے حسیں
رو کے فرمایا کہ سب تھے مگر اب کوئی نہیں
سرو قد مہر لقا غنچہ دہن ماہ جبیں
چار گیسو رخِ انور پہ پڑے رہتے تھے
لوگ ہر وقت زیارت کو کھڑے رہتے تھے

۳۳
نہ وہ بھائی ہے نہ عموؑ ہے نہ سر پہ ہے پدر
سترہ شخص ہوئے آنکھوں کے آگے بے سر
اک ہمیں باقی ہیں سب کر گئے دنیا سے سفر
ان کا دھیان آتا ہے جب وقت تو پھٹتا ہے جگر
اب کئی بیبیاں ہیں ساتھ کہ جی کھوتی ہیں
اپنے بچوں کے لئے آٹھ پہر روتی ہیں

۳۴
ہند کے دل پہ یہ سن کر ہوا اندوہ و قلق
آپ نے حال مفصل نہ سنایا مطلق
کہا حضرت کی غریبی پہ جگر ہو گیا شق
دو رضا رانڈوں میں جانے کی اب اے خاصۂ حق
دیجیے پُرسا انھیں کچھ حرف و حکایات کروں
آرزو ہے کہ اسیروں کی ملاقات کروں

۳۵
سر کو تھوڑا اٹھا کے یہ سجادؑ نے ارشاد کیا
نہ کسی پاس قصابہ ہے نہ سر پہ ہے ردا
فائدہ دکھ زدہ رانڈوں کی ملاقات سے کیا
کھول کر بالوں کو چہروں کا کیے ہے پردا
بخدا صاحبِ غیرت ہیں وہ شرمائیں گی
پوچھو گی نام و نسب کو تو وہ مر جائیں گی

۳۶
اس نے اصرار کیا آپ نے سر نہوڑایا
سر جھکائے ہوئے ہر ایک کو روتا پایا
گئی رانڈوں کے قریب ہند تو رونا آیا
ہاتھ مل مل کے خواصوں سے یہی فرمایا
ایسی شہزادیوں کی ہائے یہ توقیریں ہیں
کس کے ماتم کے مرقع کی یہ تصویریں ہیں

۳۷

کبھی دیکھا نہیں یہ گرد بھرے چہروں کا نور
شبِ معراج جو ہیں بال تو رُخ شعلۂ طور
گو ہیں آفت میں یہ اللہ کے پیارے ہیں یہ
کوئی خورشید لقا ہے تو کوئی غیرتِ حور
شرم سے رنگ اُڑے جاتے ہیں مثلِ کافور
بخدا عرشِ معلّےٰ کے ستارے ہیں یہ

۳۸

گورے گورے تو ہیں بازو یہ ہیں رسّی کے نشاں
ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں چہروں سے غربت ہے عیاں
آہیں کیوں کر نہ بھریں گودیاں بھی خالی ہیں
نیلے رخسار ہیں اور خوں ہے ہاتھوں سے رواں
چپ ہیں تصویر سے گویا کہ نہیں منھ میں زباں
وطن آوارہ ہیں بے وارث و بے والی ہیں

۳۹

اتنے میں جا پڑی اُس کی رُخِ زینبؑ پہ نگاہ
گو کہ یہ خاک پہ بیٹھی ہیں بہ احوال تباہ
غیرِ زہرؑا کسی بی بی کا یہ رتبہ کب ہے
منھ سے بے ساختہ نکلا کہ زہے عزت و جاہ
یہ عجب نور، عجب شان ہے سبحان اللہ
میں قسم کھاتی ہوں یا فاطمہؑ یا زینبؑ ہے

۴۰

کہہ کے یہ بیٹھ گئی سامنے آ کر فی الفور
دل سے کہنے لگی سب ہے وہی نقشہ وہی طور
پھر یہ کہتی تھی کہ وہ صاحبِ توقیر کہاں
بال سرکا کے نظر کی رُخِ اقدس پہ بغور
بس یقیں ہو گیا زینبؑ ہے نہیں یہ کوئی اور
یہ خرابہ کہاں اور زینبؑ دلگیر کہاں

۴۱

جوڑ کر ہاتھ کہا سر تو اُٹھاؤ بی بی
کیا مصیبت ہوئی روداد سناؤ بی بی
منھ سے کچھ بات کرو دل پہ قلق ہوتا ہے
کیوں جھکی جاتی ہو شکل اپنی دکھاؤ بی بی
میں موئی جاتی ہوں آنسو نہ بہاؤ بی بی
آپ کے رونے سے سینہ مرا شق ہوتا ہے

۴۲

گر ردا سر پہ نہیں کون سی ہے شرم کی بات
نہ تو دولت کو، نہ حشمت کو ہے دُنیا میں ثبات
رنج دنیا میں ہے خاصانِ خدا کی خاطر
صدقے جاؤں میں زمانے کے یہ ہیں مکروہات
روزِ بد واسطے نیکوں کے ہے اے نیک صفات
سب سے افزوں ہے بلا اہلِ ولا کی خاطر

۴۳

رتبۂ حضرتِ زہرؑا سے تو ہو گی آگاہ
جن کی توقیر تھی مریمؑ سے فزوں پیشِ اللہ
ایسی بی بی پہ یہ دنیا میں پریشانی تھی
زوجۂ شیرِ خدا سیّدۂ عالی جاہ
تم کو لازم ہے کرو اُن کی مصیبت پہ نگاہ
فاقہ پر فاقہ تھا اور آسیہ گردانی تھی

۴۴

نہ میسّر تھی بجز نانِ جویں اور غذا
اور ملبوس یہ تھا چھال کی تھی ایک ردا
شکرِ حق کرتی تھیں تکلیف اُٹھا لیتی تھیں
کھانا اک دن جو بہم ہو گیا تو دو دن نہ ملا
اُس میں بھی سیتی تھیں پیوند پہ پیوند سدا
دن کو تو اوڑھتی تھیں شب کو بچھا لیتی تھیں

۴۵

داغ تھا باغ کے چھن جانے کا اور باپ کا غم
شکمِ پاک پہ دروازہ گرا ہائے ستم
پہونچا صدمہ پہ جو صدمہ الم محسنؑ میں
رات دن آنکھ سے تھمتا تھا نہ آنسو اک دم
چوٹ پہلو پہ لگی ہو گیا بچّہ بے دم
اٹھ گئیں خلق سے اٹھارہ برس کے سن میں

۴۶

اب نہ زہراؑ، نہ پیمبرؐ ہیں، نہ حیدرؑ، نہ حسنؑ
ایک زینبؑ ہیں کہ سب جن میں ہیں زہراؑ کے چلن
ایک شبیرؑ کے دم سے ہے مدینہ روشن
صد دس سال سلامت رہیں وہ بھائی بہن
میری آنکھوں کے تلے پھرتی ہے صورت اُن کی
پھر وہ دن ہو کہ کروں جا کے زیارت اُن کی

۴۷

عسرتِ فاطمہؑ زہرا کا جو احوال سنا
کوٹ کر چھاتی کو کہنے لگی چلّا چلّا
دم بہ خود سب رہیں پر ضبط نہ فضہؑ سے ہوا
ہائے بی بی تری مظلومی پہ لونڈی ہو فدا
ایسے دکھ پائے کہ بچوں سے بھی منہ موڑ گئیں
قید ہونے کو تو جائے یہ بچے چھوڑ گئیں

۴۸

سن کے فضہ کا بیاں رونے لگے اہلِ حرم
اے بہن وجہ یہ ہے روئے جو قیدی اس دم
تب کہا ہند سے زینبؑ نے یہ بادیدۂ نم
زیرِ دیوارِ رسولؐ دو سرا رہتے تھے ہم
رتبہ فاطمہؑ کو یوں سبھی پہچانتے ہیں
اُن پہ جو گذری مصیبت وہ نہیں جانتے ہیں

۴۹

ساتھ اس بی بی کے محسن کا کیا غم ہم نے
ساتھ بیماری میں چھوڑا نہیں اک دم ہم نے
دل سے کی خدمتِ مخدومۂ عالم ہم نے
مر گئیں جب تو بچھائی صفِ ماتم ہم نے
غمِ محسن کے سوا داغ یہ تازہ دیکھا
شب کو اُٹھتے ہوئے بی بی کا جنازہ دیکھا

۵۰

ہند بولی کہ ہے اس گھر کے قریب آپ کا گھر
یاد میں ان کی گزرتی ہے مجھے شام و سحر
میں یہ سمجھی کہ اب پاؤں گی آقا کی خبر
کہیئے کس طور سے ہے حضرتِ زہراؑ کا پسر
ہاں تو مدت سے یہ چرچا ہے کہ اب آتے ہیں
چھوڑ کر روضۂ احمدؐ کو وہ کب آتے ہیں

۵۱

کہیئے کتنی ہیں بیٹیاں، کتنے بیٹے ہیں اب، نام خدا
سن میں اٹھارہ برس کا ہے وہ خورشید لقا
حسن ہم شکلِ پیمبرؐ کا بہت ہے شہرا
ہیں مسیں بھیگتی آغاز ہوا ہے سبزہ
روحِ مادر ہے دل و جانِ شہِ والا ہے
سنتے ہیں حضرتِ زینبؑ نے اُسے پالا ہے

۵۲

اس کی شادی بھی کہیں شاہ نے ٹھہرائی ہے
گھر کی زینت ہے وہی اور وہی زیبائی ہے
ابھی بن بیاہا ہے یا گھر میں دلہن آئی ہے
پسرِ فاطمہؑ نے کیسی بہو پائی ہے
نخلِ گل بیٹے کو ہنستا جو وہ پاتی ہوگی
ماں تو خوش وقتی سے پھولوں نہ سماتی ہوگی

۵۳

جب سے اُس گھر سے مقدر نے چھڑایا مجھ کو
چاہیے شکوے کی یہاں تک ہے بھلایا مجھ کو
کوئی خط حضرتِ زینبؑ کا نہ آیا مجھ کو
بیاہ میں بیٹوں کے جھوٹوں نہ بلایا مجھ کو
اب تو ہوں دور جو دیکھوں گی تو کیا ہووے گا
کبھی قسمت نے ملایا تو گلا ہووے گا

۵۴

شہربانو کے بھی ہے دیکھنے کا شوق کمال
شہرہ سنتی ہوں کہ رکھتی ہے عجب حسن و جمال
بیٹی سلطانِ عجم کی ہے وہ فرخندہ خصال
اس پہ شیدا ہے نہایت اسد اللہ کا لال
اُس کے بچے بھی جئیں اور وہ سدا شاد رہے
کوکھ آباد رہے مانگ بھی آباد رہے

۵۵

سن کے یہ ہو گئی جناب علیؑ کی جائی
زرد سی رخ پہ بانوئے حزیں پر چھائی
تھا یہ نزدیک کہ کہے پیٹ کے ہے ہے بھائی
اڑ گیا رنگ مگر آہ نہ لب تک آئی
پر دل زار نے سینے میں نہ آرام لیا
یک بیک ہائے پسر کہہ کے جگر تھام لیا

۵۶

آہ سے بانو کی تھرا گیا سینے میں جگر
ذکر پر شادی اکبرؑ کے یہ ہے کیوں مضطر
ہند کہنے لگی زینبؑ سے مخاطب ہو کر
بولی زینبؑ کہ جواں مر گیا ہے ان کا پسر
درد دل ہے کوئی دم چین نہیں لیتی ہیں
ذکر اولاد جب آتا ہے تو رو دیتی ہیں

۵۷

ایسی بی بی کوئی دنیا میں نہ ہو گی ناشاد
رانڈ ہونے کا الم داغ فراق اولاد
باغ عالم میں کوئی جس کی بر آئی نہ مراد
طرفۃ العین میں گھر ہو گیا سارا برباد
خاک پر شیر سے فرزند کو سوتے دیکھا
بیاہ بھی گیسوؤں والے کا نہ ہوتے دیکھا

۵۸

جب کئی بار کیا ہند سے زینبؑ نے کلام
شان زہراؑ کی سراپا سے عیاں تھی جو تمام
منہ کو تکتی تھی مگر تھا اُسے حیرت کا مقام
ہو گیا صاف یقیں ہے یہی ہمشیر امام
بولی صدقے تو ذرا ہونے دو قربان گئی
بس انہیں حضرت زینبؑ میں پہچان گئی

۵۹

کہا زینبؑ نے کہ اے ہند یہ بےجا ہے گماں
ہوں میں جس حال میں زینبؑ کی یہ تھی شوکت و شاں
دختر حیدر کرار کہاں اور میں کہاں
اس کے بازو پہ کبھی دیکھے تھے رسی کے نشاں
کبھی زنداں میں کھلے سر بھی اُسے دیکھا تھا
کبھی بے مقنع و چادر بھی اُسے دیکھا تھا

۶۰

گو کہ دنیا میں پیمبرؐ نہیں سر پر اُس کے
واقعی خلق میں شبیرؑ نہیں سر پر اُس کے
سچ ہے یہ حیدرؑ صفدر نہیں سر پر اُس کے
کیا حسینؑ اُس کا برادر نہیں سر پر اُس کے
رن میں چھوٹے ہیں یہ بیٹوں کی لے اس کو ہے
علی اکبرؑ تو ہے قاسمؑ تو ہے عباسؑ تو ہے

۶۱

دختر فاطمہؑ اور شام کے زنداں میں اسیر
کیا محمدؐ کی نواسی کی یہی تھی تقدیر
بیٹی محتاج ردا باپ دو عالم کا امیر
قید کیوں کر وہ ہوئی قتل ہوئے کیا شبیرؑ
رتبہ دختر زہراؑ کے برابر کب ہوں
گر حسینؑ اٹھ گئے دنیا سے تو میں زینبؑ ہوں

۶۲

کہہ کے یہ غش ہوئی وہ دختر سلطان عرب
فضہ چلائی کہ ہے ہے مری بےکس زینبؑ
بیبیاں اٹھ کے لگیں سینہ و سر پیٹنے سب
کون پہچانے تھیں ہو گئیں بن بھائی کی اب
قتل شبیرؑ کا احوال سنایا نہ گیا
قید میں نام بھی غیرت سے بتایا نہ گیا

۶۳

ہند بولی ہوئی معلوم حقیقت ساری
میں تو کہتی تھی کہ زینبؑ ہے یہی دکھیاری
ہے غضب لٹ گئی زہراؑ و علیؑ کی پیاری
ارے لوگو کہو کیا ظلم ہوا اک باری
کس نے بےجرم شہ جن و بشر کو مارا
کس نے خاتون قیامت کے پسر کو مارا

۶۴

آنکھیں تلوؤں سے جو ملنے لگی با دردو بکا
میں عزادار ہوں اے ہند مجھے دے پرسا
ہوش میں آن کے یہ حضرتِ زینبؑ نے کہا
کٹ گیا فاطمہؑ کے لال کا خنجر سے گلا
دونوں حیدر کے نواسوں کو بھی رو بیٹھی ہوں
علی اکبر کو بھی ان ہاتھوں سے کھو بیٹھی ہوں

۶۵

ہاتھ رکھتی ہے کلیجے پہ جو با دردو اَلم
یادِ اکبرؑ کی نہیں بھولتی اس کو اک دم
شہربانو ہے یہی دخترِ سلطانِ عجم
کبھی داماد کا غم ہے کبھی وارث کا اَلم
علی اصغر کو جو راتوں کو یہ چلاتی ہے
ساتھ زہرا کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۶۶

پھینک دی ہند نے یہ سنتے ہی سر پر سے ردا
میرے سید مرے مظلوم و غریب و تنہا
پیٹ کر چھاتی کو چلائی کہ ہے ہے آقا
تیری غربت کے تصدق تری تربت کے فدا
حیف بھیا کہ تمھیں یہ لوگ نہ روئے آقا
قید کنبہ ہوا تم قبر میں سوئے آقا

۶۷

کہا منھ پیٹ کے زینبؑ نے بصد آہ و فغاں
سر تو شہروں میں پھرایا گیا بالائے سناں
پسرِ فاطمہؑ نے پائی ابھی قبر کہاں
دھوپ میں جلتی ہے واں لاشِ امامِ دو جہاں
کون بیکس کی نہایت کا اٹھانے والا
طوق و زنجیر میں ہے قبر بنانے والا

۶۸

گر ردا سر سے مرے چھین نہ لیتے دشمن
لاش سے ہوتی تھی رخصت جو میں آوارہ وطن
شہِ مظلوم کو دیتی اسی چادر کا کفن
آئی دو بار صدا چھوڑ چلیں ہم کو بہن
یہ تو کہتا نہیں تم قبر بناتی جاؤ
ایک چادر مرے لاشے پہ اڑھاتی جاؤ

۶۹

بس انیس آ گئے بس اب نہیں تطویل کلام
جلد دکھلا دے مجھے روضۂ پُر نورِ امام
کر دعا حق سے کہ یا ربِّ علیم و علّام
درِ آقا کی جدائی میں تڑپتا ہے غلام
آرزو ہے کہ یہ رتبہ تہِ افلاک ملے
خاک میں سبطِ پیمبرؐ کی مری خاک ملے

رباعی

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاک حسینؑ
فریاد ہے امّت نے کفن کے بدلے
سب لوٹ پڑے لٹ گئی پوشاکِ حسینؑ
پامال کیا پیکرِ صد چاکِ حسینؑ

رباعی

چھٹے زیست سے ہاتھ اپنے دھوئے سجادؑ
جب تک جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجادؑ
چالیس برس باپ کو روئے سجادؑ

رباعی

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اسے کعبے میں
غربت میں کفیل اس کا خدا ہوتا ہے
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

دن گذرے بہت قید میں جب اہل حرم کو
کیا رنج تھے ناموس شہنشاہ اُمم کو
ناشاد ہیں ایسے کہ کبھی شاد نہ ہوں گے

طول اتنا کھنچا قید میں پُرساں نہیں کوئی
رانڈوں کے رہا ہونے کا ساماں نہیں کوئی
راتوں کو ہے فریاد کا غل نوحہ گروں میں

بے وارث و بیکس ہیں ہمیں کون چھڑا دے
پروا ہے کسے بچوں کو پانی جو پلا دے
جو تشنہ دہن قتل کریں ابنِ علیؑ کو

روتے ہیں تو رونا ہمیں ملتا نہیں اک دم
وہ روئیں نہ کس طرح جو ہوں صاحب ماتم
افسوس ہے یہ دفن و کفن میں بھی نہ ہو پہنچے

چھٹنے کی یہاں کوئی ہماری نہیں تدبیر
کر گئے نہ مقید ہمیں گر ظالم بے پیر
جو دامنِ زہرا و پیمبرؐ میں پلا ہو

جبریلِ امیں نے جسے جھولے میں جھلایا
رن میں تن بے سر رہا سر شام میں آیا
کس طرح زیارت کریں زنداں سے نکل کے

کیا قہر ہے ہیں شہر میں اور جا نہیں سکتے
اس در کے قریب آپ کو پہنچا نہیں سکتے
تا آخر شب نکلتے ہیں نالوں کو نبیؐ کے

یہ کہتے تھے اور روتے تھے ناموس پیمبرؐ
بچوں کو نہ کھانا تھا نہ پانی تھا میسّر
ہر شام مصیبت تھی غریب الوطنی میں

کاہیدہ بدن ہو گئے تھے قیدِ ستم سے
غش آتا تھا سجادؑ حزیں کو تپ غم سے
اٹھ بیٹھے تو افسوس سے رو رو کے ملے ہاتھ

مرثیہ ۱

چھوڑا نہ ستمگر نے اسیرانِ ستم کو
سب کی یہ دعا تھی کہ خدا موت دے ہم کو
زنداں سے یقیں ہے کہ ہم آزاد نہ ہوں گے

۲
بے دیں ہیں لعیں صاحب ایماں نہیں کوئی
اس ظلم و ستم پر بھی پشیماں نہیں کوئی
آرام سے کیا سوتے ہیں سب اپنے گھروں میں

۳
کیوں کوئی اسیروں کی خبر لے چھٹنے آ دے
کس کو ہے پڑی دکھ زدوں پر رحم جو کھا دے
زنداں سے وہ کب چھوڑیں گے ناموس نبیؐ کو

۴
جو چاہتے ہیں اُن سے کہہ جاتے ہیں اعظم
زنداں میں پھنسے لٹ گئے برباد ہوئے ہم
وارث بھی چھٹے ہم سے وطن میں بھی نہ پہنچے

۵
واں دھوپ میں جلتا ہے پڑا لاشۂ شبیرؑ
بے دفن و کفن رہتی نہ نعشِ شہِ دلگیر
وہ جلتی ہوئی ریت پہ صحرا میں پڑا ہو

۶
اس شاہ نے گور و کفن اب تک نہیں پایا
نیزے پہ اُسے شہر کی گلیوں میں پھرایا
لٹکایا ہے دروازے پہ ظالم نے محل کے

۷
حال اپنا سرِ شاہ کو دکھلا نہیں سکتے
بے بس ہیں سرِ ابنِ علیؑ لا نہیں سکتے
آتی ہے صدا رونے کی زہراؑ و علیؑ کے

۸
تھا فرش فقط خاک کا بالیں تھا نہ بستر
سایہ بھی نہ تھا دھوپ میں سب جلتے تھے دن بھر
ہو جاتی تھی رانڈوں کو سحر سینہ زنی میں

۹
طاقت کسی بی بی میں نہ تھی رنج و الم سے
رخساروں پہ آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
لیٹے تو رکھا تکیہ کی جا سر کے تلے ہاتھ

۱۰

اٹھنے نہ دیا طوق نے گر سر کو جھکایا — پہروں سرِ زانو سے نہ گردن کو اٹھایا
ہوش آیا تو بیبیوں کو قریب اپنے بلایا — منھ چوم کے چھاتی سے سکینہؑ کو لگایا
از بسکہ ہلاکت تھی جو دوری پدر سے — گھبرا کے طرف دیکھ کے کی آہ جگر سے

۱۱

تھی بھوک سے اور پیاس سے از بسکہ نقاہت — پہچانی نہ جاتی تھی کسی بی بی کی صورت
چپکے در و دیوار کو تکتے تھے بہ حسرت — زائل ہوئی تھی رانڈوں سے رونے کی بھی طاقت
کچھ فرش نہ تھا خاک پہ سب قیدی اٹے تھے — سینے تھے کبود اور گریبان بھی پھٹے تھے

۱۲

جب حاکمِ ظالم انھیں بھجواتا تھا کھانا — پانی کوئی لاتا تھا کوئی لاتا تھا کھانا
جب روبرو ان قیدیوں کے آتا تھا کھانا — کھانا وہ نہ کھاتے تھے انھیں کھاتا تھا کھانا
اس کھانے پہ سو آنسوؤں سے دھوتے تھے قیدی — سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے قیدی

۱۳

کہتی تھی کوئی صدقے ترے اے برادر — کس بھوک میں اور پیاس میں تن پر سے کٹا سر
چلا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے علیؑ اکبر — دو دن نہ تمھیں آب و طعام آیا میسّر
اس رنج میں دنیا سے سفر کر گئے بیٹا — کھانا میں کھلاؤں کسے تم مر گئے بیٹا

۱۴

کہتی تھی کوئی بیٹھ کے ابنِ حسن آؤ — بے آپ کے کھانا نہیں کھاتی دلہن آؤ
زنداں میں تڑپتی ہے یہ تشنہ دہن آؤ — ہاں صدقے ہو اے زاہم گل پیرہن آؤ
تم بھوکے تھے اس غم سے یہ مر جائے گی واری — اکبر بھی جو تم کھاؤ گے تو کھاوے گی واری

۱۵

یہ سن کے وہ کہنے لگا کھانا تھا جو لایا — کس طرح کے قیدی ہیں یہ مظلوم خدایا
بھوکے تھے کئی دن کے یہ کھانا نہیں کھایا — تب بنتِ علیؑ نے اسے رو رو کے سنایا
کھاویں گے نہ گو بھوکے ہیں اور تشنہ دہن ہیں — وارث تو ہمارے ابھی بے غسل و کفن ہیں

۱۶

اس رسم کو تو جانتا ہے سارا زمانہ — میت کو اٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
مدفن کو نہ ہو سکتے ہیں ہم یاں سے روانہ — نے فاتحہ کو کچھ ہے شہیدوں کے ٹھکانا
ظاہر ہے خدایا ہمیں جس طرح کے غم ہیں — چہلم کے دن آ پہونچے ہیں اور قید میں ہم ہیں

۱۷

گو پیاسے ہیں پر ہم ابھی پانی پئیں کیوں کر — سب تشنہ دہاں تیغِ ستم سے ہوئے بے سر
منھ ڈھانپتے تربت پہ تو ہم فاتحہ دے کر — افسوس کہ اتنا نہ ہوا ہم کو میسّر
کیا کھانے کو کھاویں کسے فرصت ہے بکا سے — آنکھوں کے تلے پھرتے ہیں وہ بھوکے پیاسے

۱۸

سن کر یہ بیاں پھیر کے لے گئے وہ خوان — روتی رہیں سب بیبیاں با نالہ و افغان
جن جن کے تھے گھر متصل خانۂ زنداں — بے چین تھے سن سن کے وہ فریادِ اسیراں
تھا اُنس قدیمانہ جو سلطانِ امم سے — نیند آتی نہ تھی ہند کو زاریِ حرم سے

۱۹

روتے تھے یہ سب نام جو شبیر کا لے کر
دن بھر جو رہی غم سے پریشان و مکدر
واں تیغ الم چلتی تھی ہندہ کے جگر پر
کیا دیکھتی ہے خواب میں اک رات وہ مضطر
دروازے کشادہ ہوئے ہیں ساتوں فلک کے
روتے چلے آتے ہیں پرے حور و ملک کے

۲۰

جس حجرے میں ہے طشت کے اندر سر شبیر
اے وا غریب تشنہ دہن کشتۂ شمشیر
واں بعد سلام آن کے کرتے ہیں یہ تقریر
ملعونوں نے کچھ کی نہ تری عزت و توقیر
اُٹھ کر حیدر صفدر ترے غم میں
سر پیٹتے آتے ہیں پیمبر ترے غم میں

۲۱

یہ کہتے ہیں اور کرتے ہیں زاری وہ فرشتے
اس ابر میں کچھ مرد ہیں اور بیچ میں ان کے
جو ابر سیہ اتنے میں اک اترا فلک سے
اک شخص ہے بیتاب جگر ہاتھوں سے پکڑے
عمامہ نہ سر پر ہے نہ کاندھے پہ عبا ہے
منھ آنسوؤں سے تر ہے گریباں پھٹا ہے

۲۲

چہرہ وہ کہ شرمندہ ہو خورشید درخشاں
پہونچا جو قریب سر شبیر وہ نالاں
سنبل کی طرح دوش پہ گیسو ہیں پریشاں
یوں کہنے لگا چوم کے اس کے لب و دنداں
کس طرح نہ ٹکڑے دل محبوب خدا ہو
نانا تری مظلومی پہ شبیر فدا ہو

۲۳

امت نے تجھے حیف نہ جانا مرا پیارا
اے پیارے نواسے مرے آخر تجھے مارا
تھا مجھ کو تو ہرگز نہ ترا رنج گوارا
کس ظلم سے بیٹا ترا سر تن سے اتارا
بے جرم و ستم قتل کیا فوج شقی نے
پانی نہ دم ذبح دیا تجھ کو کسی نے

۲۴

جس دن سے پھرایا ہے ترے حلق پہ خنجر
مادر بھی تڑپتی ہے تری کھولے ہوئے سر
مرقد سے اسی روز سے نکلا ہوں میں باہر
بیتاب ہے بابا بھی ترا حیدر صفدر
روتا ہے حسن نالہ و فریاد و فغاں سے
سر پیٹتا آیا ہوں ترے غم میں جناں سے

۲۵

یہ حال پیمبر کا نظر آیا جو اک بار
سر پیٹتے آئے تھے جہاں احمد مختار
تھرایا دل ہند ہوئی خواب سے بیدار
اس حجرے میں روتی گئی با دیدۂ خونبار
دیکھا کہ لگن میں سر شبیر دھرا ہے
اور تا بہ فلک روشنی نور خدا ہے

۲۶

پہچانی جو وہ خون بھری شبیر کی صورت
اس سر پہ گری رو کے با صدمہ و حسرت
بیساختہ اک دم میں ہوا جوش محبت
کہتی تھی کہ اے دلبر خاتون قیامت
جیتا تمہیں قسمت نے نہ اک بار دکھایا
جب مر گئے تب آخری دیدار دکھایا

۲۷

تقدیر نے حضرت کو جو گھبرا کے نکالا
کس نے تن و سر میں یہ ترے تفرقہ ڈالا
مشتاق میں اس دن سے تھی اے سرور بالا
اس ظلم کا کیا کوئی نہ تھا پوچھنے والا
کیوں آئے نبی چاک گریباں مرے گھر میں
اب مجھ پہ کھلا آپ ہیں مہماں مرے گھر میں

۲۸
اعجاز سے فرمانے لگا یوں سرِ شبیرؑ
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر
میں کیا کہوں اے ہند نہ تھی کچھ مری تقصیر
مہماں نہیں یاں قید ہوں میں بیکس و دلگیر
کیا خلد میں آرام ہو زہراؑ و علیؑ کو
تو ہم نے ترے قتل کیا آلِ نبیؐ کو

۲۹
ہے قید میں زینبؑ بھی جگر سوختۂ زہراؑ
جو رتبۂ زہراؑ ہے وہی رتبہ ہے اُس کا
غم ہے مجھے اس کا نہیں غم بانو کا اتنا
ہیں ظلم و ستم قید میں اُس بی بی پہ کیا کیا
لب خشک ہیں اشک آنکھوں سے چہرے پہ رواں ہیں
سر ننگے ہے اور بازو پہ رسی کے نشاں ہیں

۳۰
فرما چکا جب یہ سرِ سبطِ شہِ لولاک
حاکم کا تفحص لگی پھر کرنے وہ غمناک
تب ہند نے رو رو کے گریبان کیا چاک
اک حجرۂ تاریک میں بیٹھا تھا وہ سفاک
کہتا تھا کہاں منھ کو چھپاؤں میں نبیؐ سے
محجوب ہوں میں قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ سے

۳۱
سن کر یہ سخن ہند گئی حجرے کے اندر
یہ خواب ابھی دیکھ کے اٹھی ہوں میں مضطر
رو کر کہا کیا قہر کیا تو نے ستمگر
گھر میں مرے سر پیٹتے آئے ہیں پیمبرؐ
مخدومۂ عالم کا سرِ پاک کھلا ہے
اور احمدِؐ مرسل کا گریبان پھٹا ہے

۳۲
قیدی ہیں کہاں اہلِ حرم اے ستم ایجاد
ہیں طوق و سلاسل میں کہاں حضرتِ سجادؑ
شہزادیاں کرتی ہیں کہاں نالہ و فریاد
کر بہرِ خدا قید سے جلدی اُنھیں آزاد
گو جانتی رونے کا ہے شور اہلِ حرم میں
ہیں ان کے عوض نبیؐ زندانِ ستم میں

۳۳
آگاہ نہ تھا فاطمہؑ کے رتبوں سے تو کیا
تو نے جو اُنھیں قید کیا جو کا پیاسا
کچھ زینبؑ و کلثومؑ کے رُتبے کو نہ سمجھا
واللہ ہوئی فاطمہؑ کی روح کو ایذا
ماتم ہے اسی کا تو رسولِؐ عربی کو
زینبؑ کی اسیری سے نہیں چین کسی کو

۳۴
اس نے کہا نادم ہوں ہوئی اب تو یہ تقصیر
سر شرم سے زانو پہ جھکا کی جو یہ تقریر
سچ ہے کہ نہ تھا کاٹنا تن سے سرِ شبیرؑ
تا صبح رہا سوچ میں وہ ظالمِ بے پیر
اک بار دیا حکم یہ دربار میں آ کے
زنداں سے گرفتاروں کو لاوے کوئی جا کے

۳۵
کچھ لوگ گئے سُن کے یہ حاکم کا جو ارشاد
تھے خاک پہ سجدے میں جھکے حضرتِ سجادؑ
مشغولِ وظائف تھے حرم با دلِ ناشاد
بچے بھی تھے طاعت میں نہ زاری تھی نہ فریاد
ہر چند کہ فاقوں سے نہ طاقت تھی کسی میں
پر تو تھے سب یادِ جنابِ احدی میں

۳۶
حیران ہوا آخر وہ اسیروں کو پکارے
ہے حکم کہ دربار میں قیدی چلیں سارے
حاکم نے ہمیں بھیجا ہے لینے کو تمہارے
گھبرا کے لگے کہنے وہ دکھ درد کے مارے
رسی سے بندھے سر کھلے رو آئے ہیں قیدی
اکبار تو دربار میں ہو آئے ہیں قیدی

۳۷
وہ کہنے لگی عذر کا اب یہ نہیں ہنگام
ہر طرح سے لیجائیں گے حاکم کے ہیں احکام
بے بس ہوں جو قیدی انھیں تکرار سے کیا کام
تب اس سے یہ فرمانے لگے عابدؑ ناکام
مجبور ہیں اور بیکس و ناچار ہیں قیدی
بہتر ہے چلو چلنے کو تیار ہیں قیدی

۳۸
یہ کہتی ہے زنداں سے چلے سب وہ گرفتار
پیچھے حرم اور آگے بڑھے عابدِ بیمار
رانڈوں نے لیا گودیوں میں بچوں کو اک بار
انبوہ تماشائیوں کا تھا سرِ بازار
جاں تن میں نہ تھی شرم سے تھراتے تھے قیدی
نہوڑائے ہوئے سر کو چلے جاتے تھے قیدی

۳۹
جس دم سرِ بازار حرم پہونچے کھلے سر
بولا وہ لعیں مکر سے تعظیم کو اٹھ کر
اور سامنے حاکم کے گئے عابدؑ مضطر
مسند پہ قدم رکھیئے مری نائبِ حیدرؑ
عابد نے کہا تخت سے کیا کام ہے مجھ کو
اب خاک نشینی ہی سے آرام ہے مجھ کو

۴۰
گھر ہیں ترے سرِ شاہِ دوعالم کا دھرا ہے
پاسِ ادبِ حیدرؑ و محبوبِ خدا ہے
یاں فاطمہ کے پیٹنے رونے کی صدا ہے
اس تخت پر اب بیٹھنا کب مجھ کو روا ہے
کیا دھراب اے ظالمِ بدبخت ہمارا
شبیرؑ کے ہمراہ گیا تخت ہمارا

۴۱
یہ سن کے جھکا سر کو لگا کہنے وہ بدخو
سرزد ہوا ہے جرم جو مجھ سے اسے بخشو
تم فیض کے دریا ہو سخی ابنِ سخی ہو
فرمایا یہ تب سیدِ سجادؑ نے رو رو
مجھ سے یہ نہ کہہ زینبؑ دلگیر کے ہوتے
مالک میں نہیں شاہ کی ہمشیر کے ہوتے

۴۲
زینبؑ سے مخاطب ہو لگا کہنے وہ اظلم
فی الواقعی بھائی کا نہایت ہے تمھیں غم
اے بنتِ علیؑ دخترِ مخدومۂ عالم
پر کرتا ہوں جو عذر پذیرا ہو وہ اس دم
بے جرم کٹا حلق حسینؑ ابنِ علیؑ کا
جو مانگو وہ دوں خونبہا میں سبطِ نبیؐ کا

۴۳
یہ سنتے ہی تھرانے لگی زینبؑ مضطر
رو رو کے لگی کہنے کہ خاموش ستمگر!
سینے میں کلیجے پہ لگا ظلم کا خنجر
میں کون ہوں جو لوں دیتِ خونِ برادر
قیدی ہوں گنہگار ہوں نالان و حزیں ہوں
واللہ میں اس خون کی مختار نہیں ہوں

۴۴
اس خون کے خواہاں ہوں تو ہوں احمدؐ مختار
یا حشر کے دن ہووے گی ماں اس کی طلبگار
اس خون کا دعویٰ کریں یا حیدرؑ کرار
یا خالقِ اکبر کو ہے اس خوں سے سروکار
کیوں ذبح کیا سبطِ رسولؐ عربی کو
اس خوں کی دیت دیجیو زہراؑ و علیؑ کو

۴۵
واللہ ہے اس ذکر سے چھاتی مری پھٹتی
اس خون کے بدلے دو جہاں بخشے جو کوئی
میں ایسی ہوں جو ہوں گی دیت لینے پہ راضی
قیمت نہ ہو اک سرِ حسینؑ ابنِ علیؑ کی
مقدور تجھے کیا ہے تو کیا دیوے گا ظالم
کس کس کا ابھی خوں بہا دیوے گا ظالم

۴۶
شبیرؑ کا خوں احمدِ مختار کا خوں ہے
یہ خون تو زہرا جگر افگار کا خوں ہے
شبیرؑ کا خوں حیدرِ کرار کا خوں ہے
یہ خون حسنؑ سیدِ ابرار کا خوں ہے
تنہا نہیں سبطِ شہِ لولاک کو مارا
تو نے تو لعیں پنجتنِ پاک کو مارا

۴۷
مارے گئے سرور تو ہوئے قتل پیمبرؐ
تلوار چلی فاطمۂ زہرا کے جگر پر
بے سر ہوئے شبیرؑ تو بے سر ہوئے حیدرؑ
ٹکڑے ہو گیا ٹکڑے جگرِ حضرتِ شبرؑ
بے جرم مرے بھائی کا سر تن سے اتر جائے
ممکن ہے کہ یہ خوں تری گردن سے اتر جائے

۴۸
تقریر سے زینبؑ کی جو محجوب ہوا وہ
اسباب ضروری جو تمھیں چاہیئے سو لو
بولا کہ رہا میں نے کیا قید سے تم کو
اس وقت کہا زینبؑ دلگیر نے رو رو
لے آل نہ اسباب نہ زر چاہیئے مجھ کو
بچھڑی ہوئی ہوں بھائی کا سر چاہیئے مجھ کو

۴۹
زینبؑ کا بیاں سن کے وہ کہنے لگا بدخو
جی بھر کے زیارت کرو اور خوب سا رو لو
میں منع نہیں کرتا سرِ شاہ کو دیکھو
لے جانے کا مذکور مگر لب پہ نہ لاؤ
اس سر کو تجھے دے کے نہ میں شاد کروں گا
اک عمر کی محنت کو نہ برباد کروں گا

۵۰
یہ کہہ کے سرِ شاہ کو اظلم نے منگایا
زینبؑ کی طرف ہو کے مخاطب یہ سنایا
اور زلفیں پکڑ کر اسے ہاتھوں پہ اٹھایا
لے دیکھ کہ یہ سر ترے بھائی کا ہے آیا
جرأت سے مشقت سے مصیبت سے ملا ہے
تو جانتی ہے جیسی کہ محنت سے ملا ہے

۵۱
دیکھا جو یہیں زینبؑ نے سرِ شاہِ دو عالم
غش کھا کے گری خاک پہ وہ ثانیِ مریم
یہ بیٹی کہ باقی نہ رہا اس میں ذرا دم
تھا قیدیوں میں شورِ بکا شیون و ماتم
روتی تھی کوئی اور کوئی بے ہوش پڑی تھی
سکتہ تھا کسی کو کوئی خاموش کھڑی تھی

۵۲
بیٹھا ہوا تھا تخت پہ وہ ظالمِ اظلم
اور غش میں پڑی خاک پہ تھی زینبِؑ پرغم
زلفیں سرِ شبیرؑ کی تھامے خوش و خرم
پر الفتِ شبیرؑ کا میں کیا کہوں عالم
زینبؑ کے تو بہتے تھے ادھر خاک پہ آنسو
جاری تھے ادھر شہ کے رخِ پاک پہ آنسو

۵۳
غش سے جو سکینہؑ کو افاقہ ہوا اک بار
میں کیا کہوں جور و ستمِ حاکمِ غدار
لپٹی سرِ شبیرؑ سے جا کر بہ دلِ زار
بچی سے لیا چھین سرِ سیدِ ابرار
کہتی تھی نیا رنج لعیں دیتا ہے مجھ کو
بابا کا مرے سر بھی نہیں دیتا ہے مجھ کو

۵۴
کب سنتا تھا زاری سکینہؑ کو وہ بے پیر
تب آئے وہاں روتے ہوئے عابدِ دلگیر
بس اٹھ گیا مجلس سے وہ لے کر سرِ شبیرؑ
زینبؑ کو اٹھا خاک سے کی رو کے یہ تقریر
موقوف بس اب نالہ و افغاں کرو حضرت
چلنے کا وطن کے کوئی ساماں کرو حضرت

۵۵

یوں راویٔ اخبارِ مصیبت سے ہے تحریر　　ہر چند طلب کرتی رہی زینبؑ دلگیر
حاکم نے نہ ہرگز دیا لیکن سرِ شبیرؑ　　ناچار روانہ ہوئی با حالتِ تغیّر
میں کیا کہوں جس طرح وطن جاتی تھی زینبؑ　　سر پیٹتی تھی روتی تھی چلاتی تھی زینبؑ

۵۶

خاموش انیسؔ اب نہیں یارا ہے سخن کا　　صد شکر کہ مداح ہے تو شاہِ زمن کا
کہہ حق سے کہ صدقہ سرِ ہفتاد و دو تن کا　　یاں بند نہ کر مجھ کو کبھی رنج و محن کا
دنیا میں کسی طرح کا مجھ کو نہ الم ہو　　پر دل میں مرے پنجتن پاک کا غم ہو

رباعی

داغِ غمِ شہ سینے میں گل بوٹے ہیں　　کیا کیا گہرِ بیش بہا لوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیسؔ　　اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

رباعی

یہ بزمِ عزائے پسرِ زہراؑ ہے　　بیٹھو بہ ادب یاں گزرِ زہراؑ ہے
چادر سے ہر اک کے اشک کرتی ہیں پاک　　ہر چشم کے اوپر نظرِ زہراؑ ہے

رباعی

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے　　بس صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے
اصغر کو لٹا کے قبر میں شہ نے کہا　　آرام کرو اب یہی گہوارہ ہے

رباعی

بندے کو خیال دم بہ دم تیرا ہے　　یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے
کرتا ہے جو مجھ سے زرد رو کو سرسبز　　اے ابرِ کرم سب یہ کرم تیرا ہے

رباعی

راتیں نہ وہ ہوئیں گی نہ خواب آئے گا
اٹھو اب انتظار بے جا ہے انیس
آیا بھی تو موت کا جواب آئے گا
نے عمر پھرے گی نہ شباب آئے گا

رباعی

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیس
پھر ہوگی جدا نہ سرگرانی سر سے
جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے

رباعی

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
بالفرض گر آسمان ہے تیرا مقام
مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

رباعی

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
جب سال گرہ ہوئی تو عُقدہ یہ کھلا
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

رباعی

دُنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے
مابین زمین و آسماں یوں ہم ہیں
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

رباعی

ہر صبح کو دوڑ کر کدھر جاتا ہے
گر ضامنِ روزی ہے خداوند کریم
کچھ گوہرِ عزّت کا بھی دھیان آتا ہے
پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

مرثیہ ۱

در بار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی
بے تاب ہیں بے صبر ہیں جی کھوتے ہیں قیدی
منھ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی
بچوں کو لئے گودیوں میں روتے ہیں قیدی
فاقوں سے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستمگاروں کی لرزہ ہے بدن میں

۲

دل ہول کے مارے نہیں سینوں میں سماتے
ہیں خاک بھرے بالوں سے چہروں کو چھپاتے
زینبؑ کا یہ عالم ہے کہ غش پر ہیں غش آتے
سہمے ہوئے بچے ہیں یہ ماؤں کو سناتے
دم ہونٹوں پہ ہے قید کی ایذا و محن سے
کیا گردنیں پھر باندھیں گے جلّاد رسن سے

۳

جی ڈرتا ہے اماں ہمیں گودی میں چھپا لو
کپڑا کچھ اُڑھا کر ہمیں چھاتی سے لگا لو
سن لے نہ کوئی منھ سے سخن کچھ نہ نکالو
سجّادؑ کہاں ہیں انھیں پاس اپنے بلا لو
مارے نہ طمانچے کوئی یہ خوف بڑا ہے
دروازے پہ شمر ستم ایجاد کھڑا ہے

۴

تھا شور کہ اے قیدیو دربار میں جاؤ
کیا بیٹھے ہو زنداں میں قدم جلد اٹھاؤ
خالق نے کیا رحم اب آنسو نہ بہاؤ
حلقے رسن ظلم کے ڈھیلے کریں آؤ
حاکم کو دعا دو کہ تمھیں شاد کرے گا
اب قتل نہیں کرنے کا آزاد کرے گا

۵

سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبؑ ناچار
اک بار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہگار
کیا کام ہے اب کیوں ہے بلایا سر دربار
نے سر پہ ردائیں ہیں نہ ہے طاقتِ رفتار
لیجاؤ نہ بلوے میں اسیران ستم کو
گھل گھل کے اسی قید میں مرجانے دو ہم کو

۶

میں سوگ میں ہوں کیسی خوشی کیسی رہائی
کس سے ملوں گی چھوٹ کے کیا جیتے ہیں بھائی
ماں جائے نے گردن تہ شمشیر کٹائی
بھائی سے تو اب تا بہ قیامت ہے جدائی
کیا لطف چھٹے قید سے گر پیاروں کو کھو کر
دکھلاؤں گی صورت کسے بن بھائی کی ہو کر

۷

مشہور ہوں میں فاطمہؑ کے لال کی شیدا
جب وہ نہ ہوئے قید سے چھوٹی بھی تو پھر کیا
اب قید کا غم ہے نہ رہائی کی تمنا
مرجاؤں میں زنداں میں تو رہ جائے یہ پردا
چرچا ہو کہ دنیا سے سفر کر گئی زینبؑ
چہلم نہ ہوا بھائی کا اور مر گئی زینبؑ

۸

مارے گئے عباسؑ دلاور مرے آگے
دنیا سے گئے اکبرؑ و اصغرؑ مرے آگے
بھائی کے چلا حلق پہ خنجر مرے آگے
خالی ہوا زہراؑ کا بھرا گھر مرے آگے
غم کھاتی ہے اور خونِ جگر پیتی ہے زینبؑ
وہ شیر تو مارے گئے اور جیتی ہے زینبؑ

۹

بتلاؤ خوشی چھوٹنے کی قید سے اب کیا
بیٹے ہیں کہ پھر جن سے ہو ملنے کی تمنا
قاسمؑ ہیں کہ دکھلائیں گے آکر مجھے سہرا
اکبرؑ ہیں جنھیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو کلیجا
لاشے بھی ابھی تک نہیں پیاروں کے گڑے ہیں
آباد تھا گھر جن سے وہ جنگل میں پڑے ہیں

۱۰

جو بھائی کے مرنے سے ستم میں نے اُٹھائے
نیزے مرے شانوں میں لعینوں نے چبھائے
دشمن کو بھی یہ ظلم نہ اللہ دکھائے
بازو مرے باندھے مجھے دربار میں لائے
بھائی کی عزادار ہوں اور خستہ جگر ہوں
عاشورِ محرم سے میں اب تک کھلے سر ہوں

۱۱

کہدو مجھے دربار میں حاکم نہ بلائے
گر قتل ہو منظور تو قاتل یہیں آئے
خلقت کو دوبارہ نہ مری شکل دکھائے
موجود ہوں خنجر مری گردن پہ پھرائے
چھٹ غم و اندوہ سے آزاد ہو زینبؑ
سر تن سے جدا ہو تو بہت شاد ہو زینبؑ

۱۲

فرمانے لگے رو رو کے تب عابدِ بیمار
کیا بس ہے اسی طرح چلو پھر سرِ دربار
اس وقت پھوپھی جان مناسب نہیں تکرار
دیکھیں تو کہ کیا کہتا ہے اب حاکمِ غدار
کب سے نہیں کی سبطِ پیمبرؐ کی زیارت
شاید ہو میسر سرِ سرور کی زیارت

۱۳

رو کر کہا زینبؑ نے جو مرضی تری پیارے
سن کر یہ سخن خاک سے قیدی اُٹھے سارے
مختار ہو تم اب تو ہوں میں ساتھ تمہارے
پر سب کے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
نورانی بدن گردِ غریبی سے اَٹے تھے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے

۱۴

اس حال سے پہونچے جو وہ بیکس سرِ دربار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوقِ گرانبار
تعظیم کو مسند سے اُٹھا حاکمِ غدار
گردن کو جھکا رونے لگے عابدِ بیمار
صدمے سے جو اشکِ شہِ خوشخو نکل آئے
اُس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

۱۵

بعد اس کے یہ عابد سے لگا کہنے وہ جلاد
تھا دشمنِ مشرا ابنِ زیاد ستم ایجاد
محجوب نہایت ہوں میں اے سیدِ سجادؑ
میں خانۂ زہراؑ کو نہ کرتا کبھی برباد....
بیکس کے ستانے میں مجھے فائدہ کیا تھا
لیکن وہ ہوا جو کہ مقدر میں لکھا تھا

۱۶

عابدؑ نے کہا گو کہ ہیں ہم بے سر و ساماں
سب مشکلیں بندوں کی خدا کرتا ہے آساں
پر یہ نہیں منظور کہ لیں غیر کا احساں
چھٹنے کی خوشی ہے نہ وطن جانے کا ارماں
اک گھر دے وہاں ماتمِ شبیرؑ کریں ہم
سامانِ عزائے شہِ دلگیر کریں ہم

۱۷

بابا جو ہوئے قتل تو ہم قید میں آئے
آنکھیں ہمیں دکھلائیں اگر اشک بہائے
اعدا کی تقید تھی کوئی غل نہ مچائے
جی بھر کے کبھی باپ کو رونے نہیں پائے
ناموسِ نبیؐ خوف سے اک دم نہیں روئے
زنداں میں بہن مر گئی اور ہم نہیں روئے

۱۸

اور دوسرے ہے آلِ نبیؐ بامیرِ عزیزاں
ہیں اپنے بزرگوں کے تبرک کا بہوں خواہاں
لوٹا ہوا اسباب منگا دے ہمیں اس آں
بس ہے وہی ہم بے سر و سامانوں کا ساماں
حیدرؑ کا عمامہ ہے محمدؐ کی عبا ہے
اور کہنہ سی اک فاطمہ زہراؑ کی ردا ہے

١٩
لوٹا ہوا اسباب جو حاکم نے منگایا
سجادؑ کا دل سینے میں اس وقت بھر آیا
تب شمر لباسِ شہِ دیں کشتی میں لایا
سر پیٹ کے یہ زینبؑ بیکس نے سنایا
اس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو
بھائی کے بچھے خون کی بو آتی ہے لوگو!

٢٠
ہے ہے مجھے پوشاک برادر کی دکھا دو
عمامۂ گلگوں مری آنکھوں سے لگا دو
پیراہنِ شبیرؑ کی بو مجھ کو سنگھا دو
عابدؑ نے کہا جلد یہ پوشاک چھپا دو
واللہ ابھی جی سے گزر جائے گی زینبؑ
ان کپڑوں کو دیکھے گی تو مر جائے گی زینبؑ

٢١
حاکم نے جو دیکھی شہِ مظلومؑ کی پوشاک
عابدؑ سے یہ کہنے لگا تب حاکمِ سفاک
ٹکڑے تھا ہر اک جا سے وہ ملبوسِ تنِ پاک
یہ رخت کہن پہنے تھے سبطِ شہِ لولاک
حیرت ہے مجھے جامۂ شاہ شہدا پر
دعویٰ تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پر

٢٢
رو کر کہا عابد نے کہ او حاکمِ غدار
ایسی نہ تھی واللہ قبائے شہِ ابرار
معراج میں پہنے تھے اسے احمدِ مختار
یہ تیروں کے اور نیزوں کے روزن ہیں ستمگار
تلواروں سے ٹکڑے جسدِ پاک ہوا ہے
یوں ہی مرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے

٢٣
اکبرؑ کی جو پوشاک تھی تر خون سے ساری
ہم شکلِ پیمبرؐ ترے شملے کے میں واری
دیکھا جو اسے بانوئے بیکس یہ پکاری
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر تمہاری
طے کر گئے بہت جلد یہ منزل گئے بیٹا
بچھڑے تو ہیں اور خاک میں تم مل گئے بیٹا

٢٤
کپڑے سحرِ قتل یہ بدلے تھے جو دلبر
وہ چاند سے رخسار وہ گیسوئے معنبر
کیسے ہی یہ قامت پہ بھلے لگتے تھے اکبرؑ
دولہا سے بنے خیمے سے تم نکلے تھے باہر
اب سمجھی کہ دولت مری کھونے کو چلے تھے
تم قبر کی آغوش میں سونے کو چلے تھے

٢٥
شملے کو اٹھانے جو لگی بانوئے غمخوار
لپٹا کے کلیجے سے پکاری بہ دلِ زار
اصغرؑ کا شلوکا نظر آیا اسے اک بار
اصغرؑ ترے کرتے پہ فدا ماں جگر افگار
مارے گئے دامن میں شہِ تشنہ گلو کے
ننھے سے گریباں میں دھبے ہیں لہو کے

٢٦
کچھ حال مجھے دردِ گلو کا نہ سنایا
مادر نے تو اجلا تمھیں کرتا تھا پنہایا
چپکے رہے اور تیرِ ستم حلق پہ کھایا
دودھ اس پہ ہے کیا ہچکیاں لے لے کے گرایا
پیکاں کے نکلنے کا جو دکھ تم نے سہا ہے
ہے ہے یہ مرا دودھ لہو ہو کے بہا ہے

٢٧
صدقے گئی آباد کیا باپ کا پہلو
ننھی شب کو بہت دودھ کے پینے کی تمھیں خو
ویراں مری گودی ہوئی اے اصغرؑ مہ رو
اٹھ اٹھ کے یہ ماں ڈھونڈھتی ہے رات کو ہر سو
مجھ کو تو جدائی تری تڑپاتی ہے اصغرؑ
مجھ بن تجھے کس طرح سے نیند آتی ہے اصغرؑ

۲۸

اک کشتی میں تھا رانڈوں کا لوٹا ہوا زیور
پازیب تھی کبرا کی سکینہ کا تھا گوہر
تب بیٹھ کے چھاتی پہ لگی کہنے وہ مضطر
ہے ہے مری بچی ترے قربان یہ مادر
زندان سے سوئے خلد سفر کر گئی ہے ہے
گوہر یہ پنہاؤں کسے تو مر گئی ہے ہے

۲۹

زخمی ہوا ہے ہے اسی بُندے کے لئے کان
کیا قید سے تھا چھوٹنے کا بی بی کو ارمان
دن رات تھا بابا کی نشانی کا تمھیں دھیان
گوہر مرے دلوادو یہی کہتی تھی ہر آن
اماں تم کو کہاں ڈھونڈھنے اب جائے سکینہؑ
گوہر تو ملا تم نہ ملیں ہائے سکینہؑ

۳۰

جب دے چکا لوٹا ہوا اسباب ستمگر
عابدؑ سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پر
اور حضرت زینبؑ سے کہا اوڑھ لو چادر
عابدؑ نے کہا سر پہ عمامہ رکھوں کیونکر
ہیں چاک گریبان علیؑ بیٹے کے غم میں
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے الم میں

۳۱

ملبوس نہ درکار ہے اب نے زر و زیور
بہر حسنؑ و حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ
منگوادے مجھے میرے پدر کا سر انور
تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر
بابا سا بھی میرا کوئی مظلوم نہیں ہے
جس کا سر پرنور کہیں لاش کہیں ہے

۳۲

سن کر یہ سخن کہنے لگا حاکم بے پیر
سب کچھ دیا پر ایک نہ دوں گا سر شبیرؑ
جو شیر کو بی بی کے پلا فاطمہؑ کا شیر
طاقت ہے کہ کوئی اُسے کرتا تہِ شمشیر
کچھ اور نہیں بعد ظفر ہاتھ لگا ہے
زر میں نے لٹایا ہے تو سر ہاتھ لگا ہے

۳۳

سجادؑ نے فرمایا کہ اے کاذب و مکار
وہ عذر ابھی تھا ابھی یہ کرتا ہے گفتار
خود تو نے کیا قتل کا شبیرؑ کے اقرار
خون شہدا ہے تری گردن پہ ستمگار
اُس دن تجھے محجوب یہ بیداد کرے گی
جب فاطمہؑ اللہ سے فریاد کرے گی

۳۴

حاکم نے بگڑ کر کہا جلاد کو لاؤ
سجادؑ حزیں کو تہِ شمشیر بٹھاؤ
زینبؑ نے کہا یا اسد اللہ اب آؤ
بابا مرے بیمار بھتیجے کو بچاؤ
کیا ہے کہ عباس زدر ولایت نہیں کرتے
صدقے گئی پوتے کی حمایت نہیں کرتے

۳۵

تلوار کو کھینچے ہوئے آیا جو ستمگار
سجادؑ سے لپٹے حرم احمدؐ مختار
آواز ید اللہ یہ پیدا ہوئی اک بار
کیوں تخت اُلٹ دوں ترا او ظالم و غدار
قائم رہی دنیا کی بنا جس کے قدم سے
اب اس کا گلا کاٹتا ہے تیغ دو دم سے

۳۶

سن کر یہ صدا کانپ گیا حاکم اظلم
عابدؑ کو دیا اُس نے سر سرور عالم
بیٹے نے لیا باپ کا سر ہاتھ پہ جس دم
دربار سے قیدی چلے کرتے ہوئے ماتم
دل غم سے اُمنڈ جگر انگار طپاں ہے
دفن شہدا کرنے کی اب تاب کہاں ہے

مرثیہ ۱

جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغرا
غش رہتا تھا اس طرح کی بیمار تھی صغرا
تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغرا
ہوش آتا تو کرتی یہی گفتار تھی صغرا
کہتے تو ہیں سب کڑھتی ہو کیا آئیں گے بابا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا

۲

جینے نہیں دیتے کا غمِ ہجر کا آزار
بستر پہ پڑی رہتی ہوں میں بیکس و ناچار
بابا کے بھی آگے سے زیادہ ہوں میں بیمار
اٹھتی ہوں گر اک بار تو گر پڑتی ہوں سو بار
آنکھیں ہیں کہیں ہوش کہیں دھیان کہیں ہے
کچھ دل بھی کئی روز سے کہنے میں نہیں ہے

۳

جی چاہتا ہے دیکھ لوں بابا کا میں دیدار
بھائی علی اکبرؑ کی بلائیں لوں میں بیمار
اماں کے گلے سے لگوں اصغرؑ کو کروں پیار
پھر مر بھی اگر جاؤں تو کچھ غم نہیں زنہار
جیتے جی موئی جاتی ہوں میں یادِ پدر میں
لے لیکے مرے نام کو سب روئیں گے گھر میں

۴

دیوار سے در تک مجھے دشوار ہے جانا
غش آیا تو مشکل ہے بہت ہوش میں آنا
کس سے کہوں آ کر مجھے بستر سے اٹھانا
پھر زیست کہاں جب ہوئی طاقت ہی روانا
سب کہتے ہیں پہلے سے تو آرام ہوا ہے
یاں گور میں جانے کا سرانجام ہوا ہے

۵

ہر دم ہے کچھ اب نوعِ دگر حال ہمارا
سب کر گئے بیمار سے اک بار کنارا
طولِ غمِ ہجراں نے ہمیں مار اتارا
اتنا بھی کسی شخص نے آکر نہ پکارا
ہے گھر میں کوئی یا نہیں فرزند نبیؐ کے
خط لایا ہوں لشکر سے حسینؑ ابن علیؑ کے

۶

یہ کہتی تھی اور روتی تھی منہ ڈھانپے وہ بیمار
تب آ کے سرہانے لگی کہنے وہ دل افگار
نانی نے کہیں سن لی نواسی کی یہ گفتار
کیا باتیں بڑی کرتی ہو دل سے مری دلدار
میں تو سنوں مجھ سے تو کرو پیار سے باتیں
کرتے نہیں بی بی در و دیوار سے باتیں

۷

یہ باتیں اکیلی جو کیا کرتی ہو ہر دم
ڈرتی ہوں نکل جائے نہ گھبرا کے کہیں دم
گھبراتی ہو کس واسطے کیا دل کا ہے عالم
کہنے کو مرے مان لو کھاؤ نہ بہت غم
خوش ہونے کی شام و سحر آ جاتی ہے صغرا
بابا کی تمہارے خبر آ جاتی ہے صغراؑ

۸

صغراؑ نے سنی جب کہ یہ نانی کی نصیحت
بھر بھر کے دمِ سرد وہ اور تھام کے رقّت
حیرت سے وہ بس رہ گئی تصویر کی صورت
نانی سے یہ بولی وہ مریضِ دمِ فرقت
یہ بات تو کچھ ہوش مرے کھوتی ہے نانی
غمگیں کو بھی دنیا میں خوشی ہوتی ہے نانی

۹

تب نانی بیاں بی حلیمہؑ صغراؑ سے یہ سن کر
خالق جو کرے وہ ہو ترے واسطے بہتر
کہنے لگی قربان ترے اے مری دلبر
کچھ تجھ کو نہ ہو بدلے ترے جاؤں میں ہی مر
بابا کے بچھڑنے کا تجھے رنج و الم ہے
بانوؑ سے نہ شرمندہ ہوں مجھ کو یہی غم ہے

۱۰

ہیں زیست بسر کر چکی اب دن ہیں سفر کے
صغراؑ نے کہا اُن سے دمِ سرد یہ بھر کے
تم بھی ہو جیتی رہو سائے میں پدر کے
تم سر پہ سلامت رہو زہراؑ کے پسر کے
نانی نہیں مرنے کا مجھے خوف و خطر ہے
پردیس میں پردیسیوں کی جان کا ڈر ہے

۱۱

ہے زیست غم و درد کا باعث مری نانی
مر جاؤں تو یہ غم ہے نہ یہ اشک فشانی
ہیں سب مرے چہرے سے عیاں دردِ نہانی
دنیا میں رکھے حق علی اکبرؑ کی جوانی
کس طرح نہ رحم آئے گا غربت پہ بہن کی
اکبرؑ پڑھیں گے فاتحہ تربت پہ بہن کی

۱۲

قاسمؑ کے نہایت مجھے آنے کی خوشی ہے
بھیا کو مجھے گودی اُٹھانے کی خوشی ہے
اصغرؑ کو کلیجے سے لگانے کی خوشی ہے
منھ چاند سے مکھڑے سے ملانے کی خوشی ہے
دیدار سے ایسا ہی جو ترسائیں گے اصغرؑ
مر جائے گی صغرا تو کہاں پائیں گے اصغرؑ

۱۳

جیتے مرے آجائیں جو عباسِ علمدار
جیسا تو وہ کرتے ہیں سکینہؑ کو بہت پیار
جو دل میں نکلے ہیں وہ کر دوں ان سے سب اظہار
ایسا ہی کہوں اُن سے یہ رو رو کے میں بیمار
مانع ہے اگر پیار کی ہمشیر ہماری
کیوں خط نہ لکھا آپ نے تقصیر ہماری

۱۴

دستور ہے کرتے ہیں جسے پیار نہایت
سب سے تو انھیں اُنس ہے اور پیار بہ شدت
کچھ اُس کے عزیزوں سے بھی کرتے ہیں محبت
کیا وجہ جو صغراؑ پہ نہیں آپ کی شفقت
ہر چند گرفتارِ غم و رنج و محن ہوں
جو آپ کی پیاری ہے اُسی کی میں بہن ہوں

۱۵

بھینا ہی کی خاطر سے مری پوچھتے گر بات
یوں تو مری ہر طرح گذر ہی گئی اوقات
تب جانتی میں آپ کو الفت ہے مرے سات
پردیسیوں کا خط ہے مگر نصف ملاقات
وہ تو نہ ہوئی جو کہ خوشی تھی مرے جی کی
دو حرف میں ہو جاتی تسلی مرے جی کی

۱۶

یہ کر کے بیاں نانی سے دل اس کا بھر آیا
کرتا جو لیا چہرے پہ طوفاں نظر آیا
بعد آنسوؤں کے آنکھوں میں خونِ جگر آیا
نانی نے کہا دھیان تمہارا کدھر آیا
موقوف عزیزوں کا گلا ہو گیا صغرا
باتیں ابھی کیا تھیں ابھی کیا ہو گیا صغرا

۱۷

یہ باتیں تو اچھی نہیں لگتیں مجھے واری
واں آنکھوں کے پرنالے تھے بس چشموں سے جاری
مانا بھی کرو صدقے گئی بات ہماری
کیا بولتی منھ سے وہ غم و درد کی ماری
صدمہ الم ہجر کا کھانے لگا اُس کو
چلا کے یہ رو دی کہ غش آنے لگا اُس کو

۱۸

گھبرا کے کہا نانی نے اُس کی یہ کسی سے
آنا ہو تو آؤ کہ چلی فاطمہؑ جی سے
کہہ آوے کوئی مادرِ عباسؑ علیؑ سے
سمجھاؤ سمجھتی نہیں مجھ ظلم زدی سے
جی سے کوئی ساعت میں گذر جائے گی صغراؑ
تب پیٹتی رہ جاؤں گی مر جائے گی صغراؑ

۱۹

جاکر یہ کسی نے کہا عبّاس کی ماں سے　ہوتا ہے سفر فاطمہ صغراؑ کا جہاں سے
بیٹھی ہوئی کیا کرتی ہو جلدی چلو یاں سے　کچھ باتیں تشفی کی کرو اپنی زباں سے
عرصہ ہوا آنکھوں کو نہیں کھولتی صغراؑ　چپ ہو گئی ایسی کہ نہیں بولتی صغراؑ

۲۰

گھبرا گئی یہ سنتے ہی عباسؑ کی مادر　اشک آنکھوں میں بھر آئے چلی اوڑھ کے چادر
ام سلمہؓ سے یہ کہا گھر میں پھر آکر　کیا حال ہے کیوں غش ہوئی شبیرؑ کی دختر
آج اور ہی اس بچی کی حالت نظر آئی　کیا اس نے سنا لوگو کہو کیا خبر آئی

۲۱

وہ بولی غش آیا ہے خبر کچھ نہیں بی بی　سمجھاتی ہوں کتنا نہیں لیکن یہ سمجھتی
جب فاطمہ صغراؑ کے قریب آکے یہ بولی　آنکھیں تو ذرا کھولو میں کچھ تم سے کہوں گی
شبیرؑ کے لشکر کی خبر لائی ہوں واری　فرزند پیمبرؐ کی خبر لائی ہوں واری

۲۲

یہ کہہ کے جو اس بچی کے بازو کو ہلایا　تب چونک کے یہ فاطمہؑ صغراؑ نے سنایا
ہے ہے ابھی دادی مجھے کیوں تم نے جگایا　تھا خواب میں بابا کو بہت رد ز دل میں پایا
فرماتے ہیں صغراؑ تجھے کچھ میری خبر ہے　بیٹی کوئی دن میں مرا دنیا سے سفر ہے

۲۳

ان کی تو سنی اپنی میں کچھ کہنے نہ پائی　جو جاگ اٹھی ہو گئی بابا سے جدائی
ہے ہے مرے بابا نے یہ کیا بات سنائی　دنیا سے سفر کی نہ مجھے وجہ بتائی
کیا جانیے کیوں جینے سے بیزار ہیں بابا　کیا ہو گیا کس دکھ میں گرفتار ہیں بابا

۲۴

گھبراؤں نہ کیوں اب تو مجھے غم یہ ہوا غم　اب کاہے کو آویں گے یہاں شاہ دو عالم
گھبرانے لگا اور بھی سینے میں مرا دم　تب نانی نے اس سے کہا یا دیدۂ پُرنم
ظاہر ہیں جو ہو حرف و حکایات سند ہے　قربان گئی خواب کی کب بات سند ہے

۲۵

یہ کہتی تھی جو شور ہوا شہر کے اندر　آئے سفر کوفہ سے ناموس پیمبرؐ
ام سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی در پر　کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابدؑ مضطر
اونٹوں کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے　جو بی بی اترتی ہے سو یہ کرتی بیاں ہے

۲۶

ہم جیتے پھرے مارا گیا فاطمہؑ کا لال　حیدرؑ کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال
تلواروں سے منہ چاند سے سب خوں میں ہوئے لال　پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا ان کا کہیں حال
ہم جیتے ہیں قبروں پہ انھیں رکھ کے ہم آئے　اب ان کو کہاں پائیں جنھیں کھو کے ہم آئے

۲۷

اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے　دیکھا کئے ہم سامنے وہ سب گئے مارے
نیزوں پہ چڑھا دینے کو سر تن سے اتارے　پیاسوں کی بہنیں تو بہتیں دریا کے کنارے
مرکر نہ ملا چین کسی تشنہ دہن کو　چالیس دن تک سب رہے محتاج کفن کو

نمبر	مصرع اول	مصرع دوم
۲۸	بانوؑ کی جو رانڈوں کی سی صورت نظر آئی	اور رونے کی دھوم اہلِ محلہ نے اُٹھائی
	ام سلمہ سن کے لگی دینے دُہائی	اسباب اٹھا ماتمی صف جلد بچھائی
	صغراؑ سے کہا کر لو گریبان کو پارا	دل کھول کے اب روؤ کہ بابا گیا مارا
۲۹	آگے تو تمھیں رونے کو میں منع تھی کرتی	بیمار تھی تم اور میں غم کھانے سے ڈرتی
	اب منع بھی کرنے میں ہے تشویش گذرتی	بن روئے تو مر جاؤ ابھی گر نہ ہو مرتی
	تم لڑکی ہو اور داغ یتیمی کا بُرا ہے	بیمار کو غم کھانے سے رونا ہی دوا ہے
۳۰	یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بیکس و مضطر	سر پیٹ کے رونے لگی پٹکہ لیا سر پر
	رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالقِ اکبر	فریاد ہے فریاد لُٹا فاطمہؑ کا گھر
	تو مالک و مختار قضا اور قدر ہے	میں کس لئے جیتی ہوں مری موت کدھر ہے
۳۱	پھر بولی کہ بابا سے ملا دو مجھے لوگو!	یہ سنتے ہی زینبؑ لگی سر پیٹنے رو رو
	بانوؑ سے کہا بیٹی کی صورت کو تو دیکھو	بابا کو طلب کرتی ہے گودی میں اسے لو
	دم شدتِ گریہ سے الٹ جائے گا اس کا	ننھا سا کلیجہ ابھی پھٹ جائے گا اس کا
۳۲	لے گود میں بانوؑ اسے رو رو کے پکاری	بابا کہاں میں جس کو دکھاؤں تجھے واری
	ماں ہو گئی قربان یتیمی پہ تمھاری	نتھ ناک سے قسمت نے اُتروائی ہماری
	پردیس میں جنت کو سفر کر گئے شبیرؑ	اے فاطمہؑ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبیرؑ
۳۳	قاسمؑ ترے عمو کا پسر مر گیا بیٹی	عباسؑ جہاں سے سوئے کوثر گیا بیٹی
	پانی کو ترستا علی اکبرؑ گیا بیٹی	جنت کو مری گود سے اصغرؑ گیا بیٹی
	اس گھر کی جو آبادی تھی سو بس گئی بن میں	میں لُوٹی لٹائی ہوئی آئی ہوں وطن میں
۳۴	صغراؑ تو یہ سنتے ہی لگی پیٹنے سر کو	رو رو کے سنانے لگی چلّا کے پدر کو
	ایسے گئے بابا کہ نہ جیتے پھرے گھر کو	مایوس کیا دخترِ مجروح جگر کو
	اب آس ہے اتنی کہ جو مر جائے گی صغراؑ	اے سید بیکس تمھیں تب پائے گی صغراؑ
۳۵	جب تک رہوں گی جیتی تبھی تک ہے جدائی	اور مر گئی تو آپ کی پا بوسی کو آئی
	آئے نہ تمھیں اور نہ چچا نے مرے بھائی	آفت مری قسمت نے عجب مجھ کو دکھائی
	بیمار کو اس ہجر کی آفت سے نکالو	مجبور ہے صغراؑ تمھیں چاہو تو بلالو
۳۶	بے آپ کے بلوائے ملاقات ہے دشوار	مقتل ہی تلک جا نہ سکی جب کہ میں بیمار
	پھر آپ تلک مجھ کو ہو پہنچنے کی کہاں بار	بہنوں سے ملی ماں سے ملی میں جگر افگار
	کیا کیا ستم اے سیّدِ ابرار نہ دیکھا	صغراؑ نے مگر آپ کا دیدار نہ دیکھا

۳۷

سنتی ہوں کہ حضرت کے ہی اکبرؑ بھی ہیں ہمراہ
عباسؑ وہیں اور وہیں ہیں قاسمؑ تو شاہ
چھوٹا مرا بھیّا علی اصغرؑ ہے وہیں آہ
اس بچے سے ملنے کی زیادہ ہے مجھے چاہ
اس دکھ سے رہائی تمھیں دلواؤ گے بابا
کب سے ہوں میں بچھڑی تمھیں ملواؤ گے بابا

۳۸

صغراؑ تو یہ کرتی تھی بیاں بادلِ رنجور
جو کرنے لگی مادرِ عباسؑ یہ مذکور
اے صاحبو! یہ شک تو مرے دل سے کرو دور
بیٹا جو مرا عاشقِ شبیرؑ تھا مشہور
شفقت تھی بہت اس پہ حسینؑ ابن علیؑ کی
کچھ اُس سے بھی خدمت ہوئی فرزند نبیؐ کی

۳۹

میں سن چکی اتنا تو کہ مارا گیا عباسؑ
مرنا تو یقیں ہو گیا لیکن ہے یہ وسواس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہا پاس
سچ کہہ دو جو کچھ گذری ہو توڑو نہ مری آس
کچھ قاسمؑ و اکبرؑ پہ تو آفت نہیں دیکھی
شبیرؑ کی خیمے سے تو رخصت نہیں دیکھی

۴۰

رخصت کو تھا وہ جس گھڑی چلتے ہوئے آیا
حق دودھ کا بخشاتا تھا مجھ سے مرا جایا
میں نے اُسے یہ کہہ کے تھا چھاتی سے لگایا
شبیرؑ کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا
تو دودھ بھی بخشوں گی دعا بھی تجھے دوں گی
جان اپنی بچائی تو کبھی نام نہ لوں گی

۴۱

زینبؑ نے کہا کیا کہوں عباسؑ کی جرارت
کچھ شہؑ کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت
قاسمؑ سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت
پر ابن حسنؑ پا چکا جب وقت شہادت
اُس وقت عجب بے کسی تھی شاہِ اُمم پر
رخصت کے لئے گرتا تھا عباسؑ قدم پر

۴۲

زینبؑ سے یہ سُن مادرِ عباسؑ پکاری
شرمندہ کیا تم نے حسنؑ سے مجھے واری
کلثومؑ نے تب یوں کہا باگریۂ و زاری
اُس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری
کیا کرتا کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبیرؑ
منھ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

۴۳

جب حال سکینہ کا ہوا پیاس سے تغیر
بس اُس گھڑی ناچار ہوئے حضرتِ شبیر
بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر
کچھ بس نہیں اب تم سے جدا کرتی ہے تقدیر
یہ سن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہؑ
اور لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہؑ

۴۴

واں فوج سے لڑ بھڑ کے بھرا مشک میں پانی
اور گھر کو چلا حیدرِ کرار کا جانی
پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی
چھانا اسے بھی تیروں سے اور مشک بھی چھانی
پانی بھی بہا تن سے گرے ہاتھ بھی کٹ کر
اور گر پڑا عباسؑ بھی گھوڑے سے اُلٹ کر

۴۵

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمھارا
دودھ اس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہؑ زہرا کو وہ کیوں کر نہ ہو پیارا
واللہ سر اس نے قدمِ شاہ پہ وارا
دکھلائی وہ جانبازی شہِ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو، محمدؐ کو، حسنؑ کو

۴۶
یہ سنتے ہی بس مادرِ عباسؑ دلاور — قبلہ کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر
جب کر چکی سجدہ تو وہ کہنے لگی رو کر — سب مل کے کرو ماتمِ فرزند پیمبرؐ
اب جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا — اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا

۴۷
بولی کوئی جیتے نہ رہے قاسمِ مضطر — بولی کوئی بے جاں ہوئے عباسؑ دلاور
بولی کوئی سر پیٹ کے ہے ہے علی اکبرؑ — بولی کوئی مارا گیا پیاسا علی اصغرؑ
وہ رانڈیں تھیں اور ماتمِ شاہِ شہدا تھا — کیا کہئے انیسؔ اس کو جو کچھ حشر بپا تھا

رباعی

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں — دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد — ہوتا ہے یقیں کہ زندہ درگور ہوں میں

رباعی

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لئے — انساں کا دل ہے داغ اُٹھانے کے لئے
بوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر — سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لئے

رباعی

غم ہے ہمیں لیکن اُنھیں خوش حالی ہے — پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے
اُس عشرے میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ — اس سال انھیں کی بس جگہ خالی ہے

رباعی

نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی — آواز علی علی کی ہاں نکلے گی
جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیسؔ — یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

مرثیہ

دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے
غل پڑ گیا مسلمؑ کے یہ لختِ جگر آئے
ڈوبے ہوئے دو چاند لہو میں نظر آئے
غربت زدہ و بے وطن و بے پدر آئے
شمشیرِ ستم چل گئی ان نوحہ گروں پر
کیا بیکسی و یاس برستی ہے سروں پر

۲

یہ اُس کے پسر ہیں کہ جو تھا مسلمؑ بے پر
سر کاٹ لیا لاش پھری گلیوں میں دَر دَر
یہ اس کے پسر ہیں کیا جس کو تہِ خنجر
اب تک نہ ہوا گور و کفن جس کو میسر
باباکو انھیں کے تہِ شمشیر کیا ہے
پاؤں میں رسن باندھ کے تشہیر کیا ہے

۳

حاکم سے یہ تب کہنے لگا حارثِ بدکام
پہچان لے مسلمؑ کے پسر ہیں یہی گلفام
سر جن کے لایا ہوں ملے خلعت و انعام
یہ وہ ہیں جو زندان سے بھاگے تھے سرِ شام
میں ڈھونڈھتا پھرتا تھا نہ ہاتھ آتے تھے دونوں
پاتے تھے جدھر راہ نکل جاتے تھے دونوں

۴

حاکم نے کہا تو نے کہاں پھر انھیں پایا
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لایا
تاریکیِ شب میں نظر آتا نہیں سایا
زوجہ نے مری تھا انھیں حجرے میں چھپایا
میں کہتا تھا دل میں کہ کہاں جا کے چھپے ہیں
اس کی نہ خبر تھی مرے گھر آ کے چھپے ہیں

۵

از بس کہ تھکا تھا مجھے نیند آ گئی اُس دم
اک حجرے میں دو طفل نظر آتے ہیں باہم
کیا دیکھتا ہوں عالمِ رؤیا میں بہ صد غم
سر پیٹ کے کہتے ہیں وہ با دیدۂ پُر نم
لائے ہیں کہاں ہم درِ زنداں سے نکل کے
معلوم ہوا پڑ گئے پھندے میں اجل کے

۶

چلّائے جو وہ ہائے پدر کہہ کے دل افگار
خوش ہو گیا میں طالعِ خفتہ ہوئے بیدار
بیہوش تھا یا آنکھ مری کھل گئی اک بار
بستر سے اُٹھا ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار
اک حجرے میں مسلمؑ کے وہ پیارے نظر آئے
بالائے زمیں عرش کے تارے نظر آئے

۷

پکڑا جب انھیں میں نے تو کرتے تھے یہ فریاد
بن باپ کے ہیں ہم پہ ترس کر بستم ایجاد
مہماں ترے گھر آئے ہیں ہم بیکس و ناشاد
لے منتیں کرتے ہیں تری چھوڑ دے جلّاد
کر رحم کہ معصوم ہیں دکھ پائے ہیں ظالم
ہم چھپنے کو دامن میں ترے آئے ہیں ظالم

۸

بے سر نہ ہمیں کر تجھے داور کی قسم ہے
بس ظلم کو کم کر تجھے حیدر کی قسم ہے
تیوری نہ چڑھا تجھ کو پیمبر کی قسم ہے
کر رحم تجھے فاطمۂ اطہر کی قسم ہے
دہشت سے تری سینوں میں دل ہلتے ہیں ظالم
اب ڈھیلی رسن کر دے گلے چھلتے ہیں ظالم

۹

میں نے کہا تم دونوں کے بابا کا ہے کیا نام
بے جرم و ستم اُن کے گلے پہ چلی صمصام
رو کر کہا کہتے ہیں انھیں مسلمِ ناکام
ہم جب سے چھٹے باپ سے ہم کو نہیں آرام
آگاہ ہو مسلمؑ کے ہمیں لختِ جگر ہیں
مارا ہے دغا سے جسے ہم اُس کے پسر ہیں

۱۰

یہ سنتے ہی غصّہ مجھے معصوموں پہ آیا
حجرے سے انھیں کھینچتا دالان میں لایا
ان دونوں نے جو ظلم نہ دیکھا وہ دکھایا
مجرم کی طرح باندھ دیا رحم نہ آیا
باہر انھیں لے آیا جو زلفوں کو پکڑ کر
استادہ کیا چوب سے رسّی میں جکڑ کر

۱۱

جب لے کے چلا گھر سے انھیں قتل کی خاطر
زوجہ نے یہ کہہ کر مرے پاؤں پہ رکھا سر
مہماں مرے گھر آئے ہیں یہ دونوں مسافر
لے ان کے عوض کاٹ لے سر ہے مرا حاضر
تقصیر جو کچھ ان سے ہوئی ہو وہ بحل کر
ہے ہے مجھے مہمانوں کے آگے نہ خجل کر

۱۲

للہ تو معصوموں کے اب چھوڑ دے بازو
کیوں کھینچتا ہے بچوں کے، بکھرے ہوئے گیسو
تلوار کو کر میان میں ڈرتے ہیں یہ گلرو
قربان میں چپ ہیں یہ بھرے آنکھوں میں آنسو
کس یاس سے ہے ہے مرا منھ تکتے ہیں دونوں
دہشت سے تری کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں دونوں

۱۳

یہ کہہ کے جو بچوں کو چھڑانے لگی اک بار
جھنجلا کے میں بولا تجھے کیا ان سے سروکار
جا دور ہو کہنا ترا مانوں گا نہ زنہار
میں قتل کروں گا یہ ہیں حاکم کے گنہگار
اب حلق سے معصوموں کے شمشیر ملے گی
سر اُن کے دکھاؤں گا تو جاگیر ملے گی

۱۴

سمجھا نہ ہرگز وہ مراد ھیا ان میں لائی
جھنجلا کے اسے ضربِ ستم میں نے لگائی
اک وار میں ساعد سے گری کٹ کے کلائی
چلّا کے لگی دینے پیمبرؐ کی دہائی
ہے ہے مرے آقا مری امداد کو پہنچو!
اے شاہِ غریباں مری فریاد کو پہنچو!

۱۵

مظلوموں کی لے لے کے بلائیں یہ پکاری
اب تم سے جدا ہوتی ہے لونڈی یہ تمھاری
شکوہ نہ مرا کیجیو زہرا سے میں واری
کس طرح بچاؤں مجھے تلوار ہے ماری
مجبور ہیں طاقت نہیں اُٹھنے کی زمیں سے
اللہ بچاوے تمھیں اس دشمنِ دیں سے

۱۶

جب مار چکا اس کو تو معصوموں کو کھینچا
پکڑے ہوئے زلفیں انھیں دربار میں لایا
رو کر کہا بچوں نے ہمیں قتل نہ کرنا
مارے گا جو ہم کو ترے کیا ہاتھ لگے گا
بیکس ہیں مسافر ہیں اور آوارہ وطن ہیں
یہ کیا ہے سزا گر گرفتارِ رسن ہیں

۱۷

گر رحم ستمگار غریبی پہ ہماری
دلوائے گا صلہ اس کا تجھے ایزدِ باری
لے آنکھیں نہ دکھلا نہیں اب کرنے کے زاری
چل کر سرِ بازار ہمیں بیچ لے ناری
بیچ جائیں گے ہم خلعت و زر پائے گا ظالم
گر قتل کیا ہم کو تو پچھتائے گا ظالم

۱۸

گریاں نہ بچیں ہم تو مدینے ہمیں لے جا
دلوائیں گے ہم تجھ کو زر و مال بہت سا
مادر نے گرفتارِ رسن جب ہمیں دیکھا
جو مانگے گا تو تجھ کو وہی دیویں گے دلوا
پاویں گی جو ہم کو ترے قدموں پہ گریں گی
کس طرح محبت سے ترے گرد پھریں گی

۱۹

ہے قتل ہی منظور اگر تجھ کو ستمگار
باقی نہ دلوں میں رہے تا حسرتِ دیدار
ہم دونوں کی مادر کو دکھا دے ہمیں اک بار
پھر شوق سے سر کر دے تہِ خنجرِ خونخوار
ہم بندگیِ رب کریں تو ہم پہ جفا کر
اک ہاتھ میں سر دونوں کے تن پر سے جدا کر

۲۰

پھر آ گئے دو ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار
یہ بھائی پہ اس طفل کی جا کر ہوا اسوار
پہلو میں برادر کے ہوا غش وہ دل افگار
جب حلق پہ بچے کے رکھا خنجرِ خونخوار
اک حشر بپا ہو گیا خنجر کے چلے پر
بھائی نے گلا رکھ دیا بھائی کے گلے پر

۲۱

اک بی بی کھلے سر نظر آئی مجھے اس آن
میں مادرِ شبیرؑ ہوں اے دشمنِ ایمان
میں نے کہا تو کون ہے بولی بہ صد افغان
بچوں کو مرے کر نہ تہِ خنجرِ بران
دکھ دے نہ مرے دل کو میں دکھ پائی ہوں ظالم
ان لاشوں پہ رونے کے لیے آئی ہوں ظالم

۲۲

ہرگز نہ سنا پھیر دیا خنجرِ خونخوار
اور دونوں کے تن پھینک دیے نہر میں اک بار
سر کاٹ لیا رہ گئی روتی وہ دل افگار
دریا کی ترائی سے ہوئے ہاتھ نمودار
سر پیٹتے ہاتھوں سے پیمبر نظر آئے
آغوش میں مسلمؑ کے وہ دلبر نظر آئے

۲۳

یہ کہہ کے دکھانے لگا ان بیکسوں کے سر
پھر کہنے لگا حاکمِ ظالم سے یہ ہنس کر
مظلومی پہ معصوموں کی رویا وہ ستمگر
کیا دیر ہے منگوا دے ہمیں خلعتِ پُرزر
جو کام کیا میں نے وہ ہوتا نہ کسی سے
کچھ کم نہیں یہ قتل حسینؑ ابنِ علی سے

۲۴

یہ سنتے ہی حاکم کا جگر ہو گیا پانی
بے سر کیے کیوں مسلمِ مظلوم کے جانی
بولا ارے یہ کیا کیا او ظلم کے بانی
جو میں نے کہا تھا وہ مری بات نہ مانی
کب میں نے کہا تھا تجھے سر لائیو ظالم
مل جائیں تو قیدی انھیں کر لائیو ظالم

۲۵

معصوموں کو مارا تجھے کچھ رحم نہ آیا
کس جرم پہ بچوں کو تہِ تیغ بٹھایا
مہمانوں کو اے دشمنِ دیں تو نے ستایا
جیتا تو نہ لایا تو انھیں مار کے لایا
کس واسطے محتاجوں کو ناداروں کو مارا
تقصیر تھی کیا جو وطن آواروں کو مارا

۲۶

یہ ظلم کوئی کرتا ہے او ظالمِ بدخو
آگے مرے سر لایا ہے بگڑے ہوئے گیسو
رسی میں کسے ہائے غضب دونوں کے بازو
مارا انھیں کیا صاحبِ اولاد نہ تھا تو
انعام ہے کہ اب منصب و جاگیر ملے گی
ظالم تری گردن سے بھی شمشیر ملے گی

۲۷

یہ کہہ کے خفا کیا ظالم نے جو اک بار
سر اڑ گیا یاں سے گیا ناری طرفِ نار
اک شخص نے بس دوڑ کے ماری اسے تلوار
بس روک لے خامے کو انیسؔ جگر افگار
ہے وقت مناجات دعا مانگ خدا سے
محفوظ رہیں خلق یہاں رنج و بلا سے

رباعی

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے | راحت سے کوئی اور کوئی فریادی ہے
اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا | ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

رباعی

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی | اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس | ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی

رباعی

اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے | حقا کہ یہ بزم گلشن جنت ہے
رونے کو ہیں جمع عاشقان شبیرؑ | کیا وقت ہے کیا لوگ ہیں کیا صحبت ہے

رباعی

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سو ہے | ایک ایک عزادار شہ خوشخو ہے
یارب یہ رہے بادِ خزاں سے محفوظ | جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

رباعی

تیر غم شہ سینے میں پیوستہ ہے | ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس محفل میں | یہ بزم عزا خلد کا گلدستہ ہے

رباعی

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لئے | رونا ہی جلا ہے چشم پرنم کے لئے
ہم کو دو دولتیں خدا نے دی ہیں | آنکھیں رونے کو ہاتھ ماتم کے لئے

خاتمۃ الطبع

الوداع اے مجلسِ غم الوداع	لو ہوا آخر یہ ماتم الوداع

عجب طرح کا یہ ماتم ہوشربا ہے جن صاحب کے حق میں فرمودۂ خاتم الانبیا ہے حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ چونکہ فقرۂ اَنَا مِنْ حُسَیْنٍ سے انتشار طبیعت ہوتا ہے لہٰذا کترین منجملہ چند تاویلوں کے جو حاضر فی الذہن ہیں ایجازاً دو وجہیں عرض کرتا ہے ایک یہ کہ باری تعالیٰ نے ذات بابرکات آنحضرتؐ کو مجمع صفات اوّلین و آخرین خلق فرمایا یہاں تک کہ حبیب اپنا بنایا لیکن درجۂ شہادت ظاہری کو بسببِ اہانتِ دینِ اسلام آپ کے واسطے پسند نہ فرمایا چونکہ یہ عمدہ درجہ مدارج نبوت سے تھا اور حصول اس کا ان کو بذریعۂ خامس آلِ عبا ہوا اس واسطے آپ نے تکمیل مدارج کی خوشی میں اَنَا مِنْ حُسَیْنٍ فرمایا ہے دوسرے یہ کہ جو آپ کو مغفرتِ اُمّت میں کدو کوشش رہی وہ محتاجِ بیان نہیں کسی شخص پر نہاں نہیں اور اطمینان بخشش امت گنہگار حسبِ اقرار ایزد غفّار آپ کو بوجہ شہادت حسین علیہ السلام ہوا حتّٰی کہ توسیع مغفرت میں مَنْ تَبَاکٰی عَلَی الْحُسَیْنِ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃَ قرار پایا لہٰذا آپ نے اَنَا مِنْ حُسَیْنٍ فرمایا فی الحقیقت ؎

حسینؑ جانِ گرامی فدائے امت کرد	روا است امّت اگر جان کند فدائے حسینؑ

ہر چند کہ اکابرین اور علمائے راسخین اور شعرائے کاملین نے بعد دیگرے صدہا کتابیں مصائب اہلبیت علیہم السلام میں تصنیف و تالیف فرماتے آئے لیکن جو طریقہ شعرائے ہند نے مرثیہ گوئی کا نکالا یہ ایسا ہر دلعزیز ہوا کہ ہر شخص اس کا عاشق ہے۔ اور ایک زمانہ کلام نو کا شائق ہے ایہا النّاس وہ کون یوسفؑ بازار معانی ہے جس کے کلام کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ بہ نظر زلیخا خریدار ہے اور وہ کون عزیز جہاں ہے جس کا سخن مقبول دیار و امصار ہے وہ یکتائے زمانہ شاعر یگانہ افصح الفصحا اکمل الکملا مالکِ ملکِ سخن تازہ کنندۂ مضامینِ کہن زینتِ منبر فخر ہند ملائک جلیس جناب میر ببر علی صاحب مغفور المتخلص بہ انیسؔ اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیّین و حشرہ مع الائمۃ المعصومین تھا جن کا کلام جملہ عیوب سے پاک وصاف اور شہرہ ان کی فصاحت و بلاغت کا قاف سے تا قاف تھا افسوس کہ ایسے باکمال کا انتقال سنہ ۱۲۹۲ھ کے آخر میں ہوا اور ایسے وحید عصر کو فلکِ بیدار نے زیر زمین پنہاں کر دیا۔ ازانجا کہ کلام معجز نظام اس ممدوح کا ایک بحر زخار اور قلزم ناپیدا کنار تھا اور بباعث طبع نہ ہونے کے ہر شخص کو علی العموم ملنا تو کہاں دیکھنا تک نصیب نہ ہوتا تھا لہٰذا ہر وضیع و شریف شوق دیدار کلام میں مثل ماہی بے آب طپاں تھا آخر اصرار شائقین نے یہ اثر دکھایا کہ فخر روزگار مالک مطبع اودھ اخبار کو خیال طبع آیا اور بہ ایمائے جناب موصوف سیّد رضا حسین ولد سید بندہ حسن خوشنویس مرحوم ملازم مطبع نے نہایت عرق ریزی سے عمدہ عمدہ مرثیوں کو منتخب کر کے چار جلدوں کا ذخیرہ بنایا حق تو یوں ہے کہ بہمت والانہمت مالک مطبع موصوف نے گویا احیائے اموات کا کام کیا المختصر یہ جلد چہارم قبل ازیں چند بار مطبع منشی نول کشور

واقع لکھنؤ میں طبع ہوئی اور اب بمزید اصرار شائقین و ذاکرین مطبع منشی تیجکمار (پریس) واقع لکھنؤ میں بعالی ہمتی گوہر اکلیل امارت یاقوت دیہیم جلالت ذی المجد المحاسن عالیجناب منشی تیج کمار صاحب بہار گودام اقبالہ ڈائرکٹر مطبع باہتمام ایم - ڈی - مصرا سپرنٹنڈنٹ مطبع ماہ مارچ ۱۹۷۶ء بار ہشتم طبع ہو کر حمائل گلوئے ذاکرین ہوئی

تاریخات طبع سابق

از سخنور کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل مرحوم سابق ایجنٹ مطبع کانپور

ہیں کیا ذاکر نیک خو میر انیس — کہ ہر بند اُن کا ہے طومارِ درد
لکھے مرثیے خوب سب جانگزا — ہویدا ہیں جن سے بس آثارِ درد
انھیں کی یہ جلد چہارم چھپی — خریدیں اسے اب طلبگارِ درد
اگر فکر سال مسیحی کی ہے — تو عاقل لکھو - بہرِ زخّارِ درد
۱۹۱۱ء

ایضاً

انیس ایں جلد چہارم خوب فرمود — کہ وصف خوب اوہست دشوار
تا گر فکر تاریخت عاقل — ز فرط غم بگو - غمہائے بسیار
۱۳۲۹ ہجری

از اسوہ سخنوران مولینا محمد حامد علیخاں صاحب حامد شاہ آبادی بحافظ علمہ تصحیح

دریں مرثیہ باجناب انیس — رقم کرد حالات کرب و بلا
بہ نہجیکہ بر آل احمد گذشت — ستم بر ستم جور بر جور ہا
دریغا کہ ابن زیادِ لعیں — کہ بد ابن مرجانہ آں بے حیا
ز سکانِ کوفہ و ہم اہل شام — روا داشت قتلِ شہِ دوسرا
چو ایں جلد چارم غرض طبع شد — بصد حسن و خوبی بفضل خدا
دلم فکر تاریخ طبعش نمود — کو ماند زمن یاد بر صفحہا

نوشتم بہ منقوط خوش مصرعہ
زہے ذکر اسباط خیر الوریٰ
۱۳۲۹ھ

ضروری اعلان

سرزمین لکھنؤ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے لیے خصوصیت خاص رکھتی ہے۔ تین خاندانوں نے اس فن کو معراج کمال پر پہونچا دیا۔ خاندان انیسؔ و خاندان مرزا دبیرؔ و خاندان عشقؔ و تعشقؔ۔ آنجہانی منشی نولکشور صاحب سی۔ آئی۔ ای نے مراثی کی طباعت میں خاص حصہ لیا۔ سب خاندانوں کے مراثی بڑے اہتمام سے جلدوں کی شکل میں شائع کیے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ حضرت انیسؔ کی جلدیں نولکشور پریس میں طبع ہوئیں تو انیسؔ زندہ تھے۔ (یہ جناب سید محمد محسن صاحب ذوالقدر ایم۔ اے نے مجھ سے فرمایا کہ میرے جد مرحوم بقید حیات تھے حضرت انیسؔ نے طباعت کی غلطیوں کو ملاحظہ فرما کے جناب اُنسؔ و مُونسؔ کو حکم فرمایا کہ اصل سے مقابلہ کر کے صحت کردو۔ چونکہ جد مرحوم اس خاندان کے شاگرد تھے۔ حضرت اُنسؔ و مونسؔ نے کئی ماہ قیام کر کے جلدوں کی صحت کی جواب تک موجود ہیں۔

حضرت انیسؔ کا کلام کثرت سے طبع ہوا مختلف پریسوں نے چھاپا۔ خود مطبع منشی نولکشور میں متعدد بار جلدیں طبع ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیے اصلی حالت میں اور صحیح طور پر نہیں چھپے۔ ان میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں اور کچھ ان لوگوں کی حسب موقع تحریفیں جنھوں نے مرثیے پڑھے۔ کہیں کہیں پرانے محاورات بھی ہیں جو اب متروک ہو گئے۔

ڈائرکٹر صاحب تیج کمار پریس بانقابہ کی ادب دوستی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ انیسؔ کے کلام میں غلطیاں رہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ آپ طباعت کی غلطیوں کو دور کر دیجیے۔ بہر حال میں اگرچہ نظر کا کمزور انسان ہوں پھر بھی منظور کر لیا۔ چھوٹے فرزند مجرب سلمہٗ سے پڑھوا کے پہلے تو اصل کتاب کی

غلطیوں کو دور کر دیا اس کے بعد تمام پروف از اول تا آخر بڑی محنت و جانفشانی سے پڑھے ۔
میں خاندانی مرثیہ گو اور مرثیہ خوان ہوں ۔ تقریباً ۵۰ مرثیوں کا مصنف ہوں ۔ تمام ہندوستان میں مجلسیں پڑھتا ہوں ۔ میرا تعلق خاندان حضرت عشق و تعشق سے ہے ۔

میں فن شاعری و مرثیہ گوئی سے واقف ضرور ہوں پھر بھی صاحبان نظر و ادب سے استدعا ہے کہ اگر اتفاق سے اب بھی کہیں غلطی رہ گئی ہو جو مقتضائے بشریت ہے تصحیح فرماتے ہوئے مجھے ضرور مطلع فرمائیں ۔ قوی امید ہے کہ صاحبان علم و فن جواب جلدیں طبع ہوئی ہیں ان کے ملاحظہ کے بعد ڈائرکٹر مطبع جناب تیج کمار صاحب بالقابہ کا شکریہ ادا کریں گے ۔

میری نظر میں اتنی محنت و جانفشانی اور اتنی صحت کے ساتھ شاندار تک کلام انیس شائع نہ ہوا ہوگا ۔ فقط

سید محمد میرزا مہذب مؤلف مہذب اللغات (پدم شری)

منصور نگر ۔ نیا محل ۔ لکھنؤ

۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء

ضروری اعلان

خدا کے فضل سے ہمارے کتب خانہ تجارتی میں جملہ علوم و فنون کی کتابیں بزبان عربی، فارسی، اُردو، ہندی و سنسکرت کافی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں جن کی مفصل فہرست صرف اطلاع پانے پر روانہ کی جاتی ہے کتابوں کی تصحیح کا اسقدر خیال کیا جاتا ہے کہ جو کتاب اسٹاک میں ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کتاب پہلے صحیح کرائی جاتی ہے اور اس کی اصل اگر کسی دوسرے کتب خانہ میں دستیاب ہو جاتی ہے تو اُس اصل سے مقابلہ کرایا جاتا ہے اور باعتبار کاغذ و چھپائی و سائز پہلی اصل سے بدرجہا اچھی حالت میں پیش کی جاتی ہے باوجود گرانی کاغذ و اسباب طباعت قیمت نہایت مناسب رکھی جاتی ہے اس لیے استدعا ہے کہ اگر آپ ہمارے قدیم خریدار ہیں تو آپ سے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کو اب تک ہمارے کتب خانہ سے کسی کتاب کے طلب کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تو براہ مہربانی کوئی فرمائش بھیج کر ہمارے کارخانہ کی صفائی معاملہ، کتب کی عمدگی اور قیمت کی مناسبت کا اندازہ ضرور فرمائیں۔

الملتمس

منیجر تیج کمار بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس نمبر

۱۔ ترلوک ناتھ روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۱

فون نمبر: (۰۵۲۲) ۲۶۲۳۳۱۵